

# افکار

غالب نمبر

محکمہ تعلیمات کراچی، لاہور، پشاور، کوئٹہ، راولپنڈی  
اور سینٹرل ہیڈ کوارٹر آرمی ایئر کونسل سے منسلک و مشورہ

جامعہ شریعت : ۱۹۳۵ء

تیسری منظر : ۱۹۹۳ء

غالب سبیر

افکار

مدیر  
صہبیا لکھنوی  
مربعہ دار  
کامل القادری

۱۲ روپے	۳۵ شنگ ۱۰۰	۳ روپے
---------	------------	--------

مکتبہ افکار  
راہبوں روڈ کراچی

لندن آفس

۱۱۲ - پرنسز ایریو - لندن - این - ڈیوی، پرنسز

”مجھ سے اگر پوچھا جائے

کہ ہندوستان کو مغلیہ سلطنت نے کیا دیا؟

تو میں بے تکلف یہ تین نام لوں گا:

غالب - اردو - تاج محل“

(پروفیسر رشید احمد صدیقی)

# گوپا دبستان کھل گیا

مترجمہ  
مبصر و شرق مبدا الرحمن چغتائی

۱۷	صبا لکھنوی	اشادویہ	
۲۰	سحر انصاری	طاشات، فادے	
۳۶	ڈگر غائب رہ گھنٹے حالات	مناک، وام	مستابع خانہ
۵۵	غائب کی ایک نئی تقریر	رقعت حسین خاں لکھنوی	(راؤد غائب تقریر)
۶۲	فارسی کلام	غالبیت	اشیا پر غور
	منکوم ترجمہ	رونق خاوند	(نذر غائب، غریب، غریب)
	حبیب الدین، علوی	عبدالحمید مدد	
	حجرت طاہر	شیر افضل، حقیق	
	حزب، لدھیانوی	یہاں، جہان، ہری	
	شرقی بن شائے	انور، حلقہ	
	حسن اکبر کمال	کما، سچا، شی	
	شاہین شریف	پیکر، فاسلی	
	خلیل انرجن، اعظمی	آلہ احمد سرور	
	مدرشہ کرمانی	ڈا، حشر، حیدر، حشر	
	آفتاب شمس	شہس، سیاہ	
	صبا احمدی	مبصر، سبور	

۸۳	نگارِ غائب کی معجزاتیایں	مولانا غلام رسولی مہر	گوشہٴ بساط
۹۶	مسانی، اسلوب اور بیانیہ غائب	پروفیسر محمد علی	نئے مضامین
۱۱۱	دشوار تو یہ ہے کہ دشوار ہی نہیں	غلام سید محمد رفیع	
۱۱۹	غائب - شاعریت شکن	ہیثم افضل کاظمی	
۱۲۹	غائب اور آواز	افتخار احمد صدیقی	
۱۳۶	غائب ہمیشہ نزل گو	حرفیہ مسلمان	
۱۵۲	غائب کا ذہن	عتیق احمد	
۱۶۳	غائب کے عین نقار	محسن انصاری	
۱۶۸	غائب و ناظم	ڈاکٹر انعام الحق کوش	
۱۷۳	غائب - میری موت	سلیطین جہاں	
۱۷۶	میرزا غائب جو ہوتے اب تو کیا ہوتا	مختار حسین	
۱۸۵	سختی ہم	تاج محمد رضا	نیاں سراسر
۱۸۷	غائب سے	عزیز عتیق	دشوار فریادِ حقیقت
۱۸۸	مسانی کا بچاؤ	شبنم مومنان	
۱۸۹	غائب	حسن احسان	
۱۹۰	احساب غائب	عرفانہ عزیز	
۱۹۱	اعتراف	ابوالفضل کاکشی	
۱۹۲	خدا نہ حقیقت	زہیر ککڑی	
۱۹۳	تغییب غائب	سیا اکبر اکبر	
۱۹۵	مرزا غائب	احمد مسکیم	
۱۹۸	عصمت کلام غائب	ڈاکٹر عبدالرحمن جعفری	مختصر خیال
۲۵۷	غائب شکن	میرزا یگانہ چنگیزی	(مختار مضامین)
۲۶۵	کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلاؤ کیا	پروفیسر شہزاد احمد صدیقی	
۲۷۳	قصیدہٴ جہنیت	غائب	دستہ
۲۷۷	اردو ترجمہ	دستہ دار کتب خانہ فارسی اشعار اور اردو محفل	
۳۶۵	اختیار غائب	دلفریز نواز (ادبی ترجمہ) سرشار انصاری	

سال ۲۰۱۰ • شمارہ ۲۱۱ - ۲۱۰ • فروری - مارچ ۱۹۶۹ء

مدیر: خرمیہا انجمنی۔ مدیر: علم و ادب انجمنی کراچی۔ دفتر: راجس، بغداد کراچی

# اشناسی

میں سے اگرچہ مجاہداتہ کہ ہندوستان کو مغلیہ سلطنت  
نے کیا دیا تو میں بے تحلف یہ تین ہم یوں گا:

غالب ————— اسد ————— آج محل ۹

پروفیسر رشید احمد صدیقی کی اس رائے سے آپ کو اتفاق ہو یا اختلاف۔ لیکن اس حقیقت سے انکار  
ممکن نہیں کہ غالب ایک تہذیبی اکائی کی حیثیت سے ہماری ثقافت، ہمارے ادب، ہماری تاریخ کی وہ بہتم بابت ان  
شخصیت ہیں جن پر صرف پرچہ تہذیب ہی نہیں ساری دنیا نازاں ہے۔ پاکستانیوں کے حلقے میں تاج محل تو نہیں آسکا،  
لیکن غالب اور اردو کے وہ کمال و پریمیں و وارث ہیں، اور جب تک کلر گاہ عالم کی بہترین میں علم و ادب، تہذیب  
و تاریخ اور فن و ثقافت کا خون رواں دواں رہے گا۔ غالب کی عظمت و اہمیت، بس تو رہے گی، کیونکہ وہ انسانی  
شاعروں میں ہیں جو صدیوں میں آج بھی پڑھا جاتے ہیں۔

فروری ۶۹ء کے آغاز کے ساتھ ہی ساری دنیا میں غالب صدی کی تقریبات شروع ہو گئیں۔ ملکوں ملکوں  
اور شہروں شہروں۔ غالب کے فکر و فن، غالب کی زندگی اور شخصیت اور غالب کے حالات و مسائل پر اجتماعات منعقد  
ہوئے، ادھر ایک نے بقدر ذوق غالب کو خراج عقیدت پیش کیا۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبارات، رسائل، سب سے  
حیات غالب کو موضوع بنا کر یہ شایع کر دیا کہ غالب کسی مخصوص ملک یا علاقے کے شاعر نہیں تھے۔ ساری دنیا کے دانشوروں  
کا اس پر یقین ہے اور رہے گا، اور ان کی مشاعرہ و فطرت اور انسانی فکر سے ہر شخص استفادہ کرے گا۔

افکار ہر سال فروری میں غالب کی یاد مناتا رہا۔ فروری سنہ ۶۹ء میں میں بھی کے لحاظ سے غالب کی وفات  
کو سو سال پڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ اس موقع پر بہت کم وقت میں ہم نے غالب بزم پیش کر کے غالب کو ایک جگہ کا تذکرہ خراج  
تہنیت پیش کیا تھا۔ یہ نمبر گونا گوں خصوصیات کی بنا پر منتخب سے مرے میں منت ہو گیا۔ اب ۶۹ء میں غالب صدی کے آغاز  
پر ہم نے نیا غالب بزم پیش کرنے کا ارادہ کیا۔ حالات کا کسی کو اندازہ نہ تھا۔ نمبر کا کام آخر جنوری میں شروع کیا۔ لیکن  
پاکستان میں جمہوریت کی تحریک نے جو رخ اختیار کر لیا۔ اس کے نتیجے میں کہ اپنی طرز کی شادی طور پر ہوا، بڑے دوڑ  
کا علاقہ جہاں انکار کا دفتر ہے، ایک ہفتہ کے لئے کرفیو کی بجائے چڑھ گیا۔ جب حالات کچھ بہتر ہوئے تو غالب بزم  
پر بھر پور توجہ صرف کی اس کے پیش کی کہ میں گوشوں پر کسی کی نظر نہیں پڑی۔ چنانچہ اس کو سمیٹ لیا جائے۔

سوسال کی طرف منہ کرنا۔ غدار فلسفے کے بعد یہی حقیقتیں اور نفاذات ادب غائب کی زندگی کے لئے نئے گوشوں کی تلاش میں مصروف ہیں۔ یہی وہی خوش نصیبی سے دور جنگ و صدمہ شہنشاہوں کی دور دور ونا یا اب تحریر یہ حاصل ہو گئی جو اس نمبر کی نریت ہیں۔ اس نمبر میں گیارہ نئے مضامین اور شعراء کے نڈا لڑوں کے علاوہ ہم نے مناسب سمجھا کہ حیات غائب کی تین مستند و سیر شہنشاہوں کی وہ انقلاب آفرین کڑیوں میں اس نمبر میں صفحہ نوکر دیں، جو مطالعہ غائب میں منفرد ہونے کے ساتھ ساتھ یا تو ایلااب تھیں یا صرف چند نابشریوں تک محدود و حقیقی اور عام لوگوں کی دوسروں سے باہر تھیں۔ لہذا ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ بخوبی کامرکہ کا مقدمہ، لنگانہ کا غائب شکن اور پروطیسر رشید احمد دہلوی کا قیمتی مضمون بھی اس نمبر میں شامل کروں تاکہ آئندہ نسل اور نالیات سے دلچسپی رکھنے والے بانیان ان گراں مزید تحقیقات سے استفادہ کر سکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم نے کھوج لگایا تو پتہ چلا کہ دستیوں کا مستند اور ترجمہ سوسال گذر جانے کے باوجود پاکت ان میں اتنی صورت میں کہیں نہیں چھا۔ نامکمل نسلوں یا ناقص ترجمے میں غرض ملے۔ چنانچہ بکوشش ہم نے اردوئے معلیٰ دہلی کا مستند و مکتب ترجمہ فارسی اشعار کے اضافے کے ساتھ اس نمبر کی نریت بنا دیا تاکہ غائب کی یہ دستاویزی تحریر جو قدیم فارسی میں تھی اور علم لوگوں تک نہیں پہنچ سکی تھی ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے۔ دستیوں کی شمولیت سے اس نمبر کے ارتق و وقار میں جو اضافہ ہو رہے ہے اسے تا دہی افکار قریب سے پیش فرمائیں گے اور ہماری بے نام سنجو اور سامی کی داد دیں گے۔

یہ نمبر آپ کو شدید انتظار کے بعد موصول ہو گا۔ لیکن اسے ہماری اور حالات کی بھوری بکھر کر لکھنا ضروری ہے آخری کتبہ ۹۰ سے پاکت کے عوام جمہوریت، آزادی، انصاف اور خوش حالی کے لئے جو جدوجہد کر رہے ہیں، ان میں ہر شخص بلا امتیاز شریک ہے۔ ہماری دعا ہے کہ ملک اس دور اضطراب سے جلد گزر جائے اور عوام کے حقوق انہیں مل جائیں، اور ملک میں عام خوش حالی اور اطمینان کی حفاظت کے لئے تاکہ تخلیقی کام کی قدس و اہمیت کا احساس پیدا ہو اور ادیب، شاعر، فنکار، دانشور، طلبہ، اساتذہ اور محنت کش طبقہ اپنے اپنے محاذوں پر ملک کی تہیز کے لئے تھک نہیں فروزاں کر سکے۔ اور اپنے ملک کی سالمیت کو برقرار رکھ سکے۔ عوامی جدوجہد کے بغیر دنیا کے کسی ملک میں تبدیلیاں رونما نہیں ہوتی ہیں۔ اس لئے پاکت کے مخالفوں کو ہماری موجودہ اضطراری صورتحال پر نہیں نہیں بکاتا چاہئے کہ ہر جمہوریت کی یہی اساس ہے، جن شہیدوں نے جمہوریت کی خاطر جان دی ہے۔ ہم انہیں سلام کرتے ہیں، اور ایک آواز یہ اعلان کرتے ہیں کہ ان کا خون بھی رائیگاں نہ جائے گا۔

افکار نے تاریخ اجرائے آج تک فکری انقلاب کو ہی اپنا نصب العین سمجھا ہے اور آئندہ سانس تک ہم اپنے مقصد کے لئے ہر قسم کی قربانیاں دینے کے لئے کمر بستہ ہیں۔ خدا ہم سب کو تنظیم، اتحاد اور یقین محکم کی دولت سے مستحق فرمائے۔ آمین!

آئندہ موصول مشرقی مبداء الرحمن چٹائی اور مقام و حقائق افکار کا دل مشکر ہے ہم پر دعا جب ہے میں کے پر غلوں نقادوں سے ہم غائب نمبر کو اس اہتمام و معیار سے چھپ کر سکے۔

# تماشاۓ گلشن

(واقعہ غالبیت)





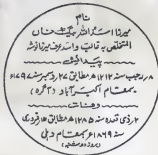
فروری ۶۶ء میں ہجری سن کے مطابق غالب کی وفات کو سو سال پورے ہوئے تھے، اور اس موقع پر برصغیر کی ادبی تاریخ میں صرف 'افکار' نے 'غالب گزشتہ' پیش کیا تھا جو گونا گوں خصوصیات اور اپنے مندرجات کی بنا پر ہاتھوں ہاتھ لایا گیا اور پندرہ دن کے قلیں عرصے میں ختم ہو گیا جسے اب ہم کتابی صورت میں مرتب کر رہے ہیں۔

اسی 'غالب گزشتہ' میں 'واقعات غالب'، پہلی بار افکار نے شائع کئے تھے، جنہیں جوان سال ادیب و مشاعر سحر انصاری نے بڑی محنت و جہاں فشان سے ایک ہفتہ کی قلیل مدت میں مرتب کیا تھا۔ اس کوشش کو غالب شناسوں نے بے حد سراہا اور بعض مفید مشورے دیئے تاکہ یہ اشاریہ زیادہ دقیق اور معتبر بن سکے۔ جناب قدرت تقویٰ جو غالبیات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ ہماری مدد پر آمادہ ہو گئے اور انہوں نے قیمتی وقت صرف کر کے کتابت کی سبب غلطیوں کی دوستی کے ساتھ ساتھ چند واقعات کی تصحیح و اضافہ اور حوالہ جات کی تلاش و جستجو فرما کر افکار کے اس اشاریہ کو زیادہ جامع اور ممکن کر دیا جس کے لئے ادارہ افکار دہلی کی گہرائیوں سے ان کامنوں سے۔

یہ اشاریہ سال بھر پہلے تیار ہو گیا تھا، اس لئے یہ ضروری تھا کہ کتابیات اور حوالہ جات میں نیا اضافہ کر دیا جاتا۔ سو یہ کام خود سحر انصاری نے دوبارہ انجام دیا۔ ہم ان کے بھی ممنون ہیں۔ توقع ہے کہ یہ اشاریہ آئندہ غالب پر کام کرنے والوں کی ہمیشہ رہنمائی کرے گا۔

(ادارہ)





۱۷۹۹ء — غالب کے برادر فرور میرزا اسد اللہ بیگ کی ولادت۔ غالب از خدام رسول مہر۔ ص ۳۲

غالب سے دو برس چھوٹے تھے۔ اس لئے ۱۸۰۰ء

لڑا (بہتر ہے)

۱۸۰۲ء — غالب کے والد میرزا اسد اللہ بیگ خان کا راجہ لڑکی

غالب از مہر ۱۶

بیگم سے شادی ہوئی۔ انتقال ہوا

ذکر غالب : ہالک نام ۱۸

۱۸۰۵ء — غالب کے چچا میرزا اسد اللہ بیگ خان کو لارڈ لیک کی

غالب ۱۸ اس ذکر غالب ۲۶

سفارش پر سوئٹ سوئٹ ۲ لکھ : ناپاکہ دیا گیا۔

غالب ۱۳۶

(از مہر ۲۲ دسمبر سنہ ۱۸۰۳ء)

۱۸۰۶ء — غالب کے چچا میرزا اسد اللہ بیگ خان نے ہاسٹی سے

غالب ۱۸ ذکر غالب ۳۱

لڑکر وفات پائی۔

۱۸۰۶ء (۳ رجب) — لارڈ لیک کی تجویز پر ایک سرکاری خطہ جاری کیا گیا۔

غالب ۱۸ ذکر غالب ۱۳۶

جس کی دو سے میرزا اسد اللہ بیگ خان کے متعلقین کی

ذکر غالب ۲۲

پہنچ گئی۔ ذمہ داری غالب احمد بخش خان پر عائد

کدی تھی۔

۱۸۰۶ء (۵ رجب) — غالب احمد بخش نے ایک اور خطہ کا اعلان کیا جس کی رو

غالب ۱۷ ذکر غالب ۲۲

سے انہوں نے دو خطے کی رقم میں تخفیف کر دی۔ غالب

اس شیئے کی پہل بجھتے تھے۔

۱۸۱۰ء (مردہ مراگست) غائب اپنی مجلس خاں معروف کی صاحبزادی اور غائب غائب ۳۶ - ذکر غائب ۳۲  
ابو بخش خاں والی فیروز پور جھک دھاکیر داروہار  
کی بھتیجی امراؤ بیگم سے غائب کی شادی ہوئی

۱۸۱۱ء

غائب نے امت و ملا عبد الصمد ثم ہرمزہ کا ایمان سے  
آگے میں درود۔  
غائب نامہ میں سنہ ۱۸۱۰ء لکھا ہے۔

۱۸۱۳ء

غائب آگرہ سے ترک سکونت کر کے واپس آئے۔  
دوران غلام رسول مہر کی تعلیم کے مطابق سنہ ۱۸۱۶ء  
میں غائب نے ترک سکونت کی۔

۱۸۲۱ء

اردو دیوان مرتب ہو کر نقش ہوا جو کہ نسخہ حیدر علی  
غائب نامہ ۳۰۵ - ذکر غائب ۳۵

## اردو دیوان کا پہلا ایڈیشن

غائب کے اردو دیوان کا پہلا ایڈیشن سنہ ۱۸۴۱ء میں سر سید احمد خان  
اولیٰ کے بھائی سید محمد خان کے پرانی سید المطالع دہلوی سے شائع ہوا۔

۱۸۲۲ء

نام سے مشہور ہے جس کا انتخاب مراد دیوان ہے۔  
غائب احمد علی خان نے اپنے بڑے بڑے شمس الدین  
خان کو جان نہیں مقرر کیا۔

۱۸۲۵ء

پیش کے سلسلے میں غائب وئی سے دوا خرمیہ اور  
فیروز پور کا پورا لکھنؤ اور بانسہ میں کوئی ڈیڑھ  
دوساں قیام کیا

۱۸۲۵ء

پنج ہنگ کے صدر اول دوم دسوم کو غائب نے  
بھرت پور کے سفر میں حسب فرمائش علی بخش خان  
درجہ تحریر کیا۔

۱۸۲۶ء

غائب نے اپنے دیوان کا انتخاب کیا جو نسخہ شیرانی  
بہا ہے۔

غالب کے شعر غالب الہی بخش خان معروضت کا	غالب ۳۷	۱۸۲۶ء
انتقل ہو۔		
فرزند پورچھو کی گدی مجلس الودیع احمد خان کو ملے،	ذکر غالب ۳۷	۱۸۲۶ء
اور غالب احمد بخش خان خوشتر نہیں ہو گئے۔		
دہلی سے دو بار سفر ہوا نہ ہوئے	ذکر غالب ۳۷	۱۸۲۷ء (اپریل)
نکھنچو چہ بچے معتزل الدولہ آغا میر کے نام ایک شرفیصل	ذکر غالب ۳۷	۱۸۲۷ء (۲۶ جولائی)
پرہیز محرم کا راجہ ثبت ہے۔		
غالب احمد بخش خان کی جاگیر سے دست کشی اور گشت نشینی	غالب ۳۳	۱۸۲۷ء (اکتوبر)
کے عالم میں انتقال۔		
غالب بنارس سے نکلتے کو روک دیا نہ ہوئے	غالب ۱۰۳	۱۸۲۷ء (دسمبر)
غالب نکلتے چوتھے دن دہلی میں حوصل خان کلیات	کلیات شرف ۱۶۶	۱۸۲۸ء (۲۰ فروری)
کلیات شرف ۱۶۶	غالب ۱۰۵	

## فارسی دیوان کا پہلا ایڈیشن

سنہ ۱۸۲۵ء میں غالب نے فارسی دیوان پہلی بار طبع وادار اسلام دہلی سے شائع ہوا اس کی ترتیب و تصحیح کا کام غالب فیض الدین احمد خان نے سوا نعام دیا

نفر ۶۶، سہ شنبہ چہارم شہان، مانگ نام نے ۱۹	ذکر غالب ۳۲	غالب نامہ ۷۶
فروردی، شہین کام نے ۲۰ فروردی احمد خان مہر نے ۲۱	ماہ فروردی سنہ ۱۹۶۳ء	غالب کا دیوان
فروردی نکلی ہے لیکن صبح ۲۰ فروردی ہے جو ۲۳ شہان	فرنگ ازبید قدرت نقوی ص ۲۲	
سنہ ۱۲۴۳ھ روز سہ شنبہ کے منطبق ہے		
اولیٰ معرکہ نکلتے۔	غالب ۱۱۵	غالب نامہ ۷۷
شہنشاہ و مخالف نکلتے۔	ذکر غالب ۳۶	
ترتیب گل رینا حبیب فرمائش	ذکر غالب ۱۳۱	شہنشاہ عظمیٰ ۱۱۵
مولوی سراج الدین احمد	غالب ۱۱۳	غالب نامہ ۷۹
غالب کی نکتہ سے دعا ہے	غالب ۱۳۳	
غالب نکلتے سے واپس دہلی پہنچے۔	غالب ۱۲۲	ذکر غالب ۳۵
۲۶ نومبر غالب نامہ و غالب	غالب نامہ ۸۰	

- ۱۸۳۰ء (دہلی) فرانسس ہیکس ریڈیٹنٹ دہلی سے غائب کے خلاف غائب ۱۵۷ -  
دہلی رت کی -
- ۱۸۳۰ء (دہلی) غائب کے محدود مشورہ سنگ کا انتقال ہوا غائب نامہ ۸۱ -  
۱۸۳۰ء (۲۴ اکتوبر) جمل شہ پٹنہ کی تصدیق کے لئے سر جان ماگم وینٹ ڈکر غائب ۵۰ - غائب ۱۶۱ -  
سکرٹری حکومت بھین کے پاس کا قذات کے سر جان غائب نامہ ۸۱ -  
مانگہ شہ کی تصدیق کی گئی اصل ہے -
- ۱۸۳۱ء (۲۰ جنوری) غار ڈولیم بیٹنگ نے غائب کے دعوے کو مسترد کر دیا ڈکر غائب ۵۰ - غائب نامہ ۸۱ - غائب ۱۶۲ -  
۱۸۳۱ء (اپریل) غائب ٹس الدین احمد خان نے غائب کی پٹنہ بالکل بند ڈکر غائب ۳۷ -  
کر دی اور بیٹم غائب کا ولیڈ ہیں - غائب ۱۶۸ - ۱۶۹ ج -  
۱۸۳۴ء اردو دیوان کا انتخاب جو نو رام پر رکھا ہے - نسخہ غرض ۸۴

## اردو مکتوبات کا پہلا ایڈیشن

غائب کے اردو مکتوبات کا پہلا ایڈیشن - عہد ہندی کے نام سے ۲۷ اکتوبر  
سنہ ۱۸۹۸ء کو مطبع مجتہد میرٹھ سے یہ اہتمام مطبع ممتاز علی خان  
میرٹھ شائع ہوا۔ (عہد ہندی) کے آخر میں ۱۰ ارب جے سنہ ۱۲۸۵ھ ثبت  
۳۱ مئی ۲۷ اکتوبر سنہ ۱۸۹۸ء کے مطابق ہے،

- ۱۸۳۳ء اور محمد تبر، غائب ٹس الدین احمد خان سے وراثت کا مقدمہ جیت ڈکر غائب ۵۲ -  
امین الدین احمد خان و ضیاء الدین احمد خان ریاست  
لدا دوسے فیروستق قرار دیئے گئے۔ غائب ان کے  
طرف دہکتے۔
- ۱۸۳۴ء (۲۴ اکتوبر) غائب امین الدین خان ریاست لدا دوسے مقدمے ڈکر غائب ۵۲ - غائب نامہ ۸۳ -  
کے سلسلے میں کھلے گئے، غائب نے اسباب کو سفارشی  
خطوط لکھے۔
- ۱۸۳۵ء (۱۷ فروری) غائب کے خلاف ایک مقدمے میں ڈگری ہوئی جس کی ڈکر غائب ۵۳ - ۵۹ - ۶۵  
وجہ سے قاضیین امتیاز کی - غائب ۵۹ -
- ۱۸۳۵ء (۲۲ مارچ) ولیم فریڈرک ریڈیٹنٹ دہلی کا غائب ٹس الدین احمد خان غائب ۳۸ - ڈکر غائب ۵۱

- گے ملازم کریم خان کا قتل کرنا  
غالب ۱۸۳۵ء (دہری) : غالب شمس الدین خان کی قتل کے الزام میں گرفتار ہوئے۔  
غالب ۱۸۳۵ء (۳۰ جون) : غالب شمس الدین احمد خاں کی قتل ری کے دورانہ بعد  
غالب نے گورنر گزٹ والڈ آف اوکو مفضل معاشات و  
حالات پیشی پر مبنی ایک درخواست دی  
غالب ۱۸۳۵ء (۲۰ ستمبر) : فارسی کا مرقعہ - میٹھا آرزو سوسرا انجام - مرتب ہوا  
غالب ۱۸۳۵ء (۲۰ دسمبر) : غالب شمس الدین احمد خاں کو کشمیری دروازے کے پیر  
پچانسی پر لٹکا دیا گیا۔  
غالب ۱۸۳۵ء (۲۰ دسمبر) : غالب کی پیشی جو پیریز پر بھر کر کی ریاست سے  
غالب ۱۸۳۵ء (۲۰ دسمبر) : غالب کی پیشی جو پیریز پر بھر کر کی ریاست سے

## غالب کی چند قیام گاہیں

غالب اپنی ذاتی مکان فروخت کرنے کے بعد ساہیوالی میں کرائے کے مکان میں رہے  
کئی سالوں میں دو سالہ کسی میں چھ سالوں میں ۸ سالوں میں ۱۰ سالوں میں ۱۰ سالوں میں ۱۰ سالوں میں  
نے رہائش اختیار کی تھی۔ ان کے کالے صاحب کی حویلی، حکیم محمد حسن خاں کا مکان، حکیم  
محمد حسن خاں کا مکان، خیریت سے قابل ذکر ہیں۔ جن کا مرزا غالب نے اپنی خطوط میں  
بھی ذکر کیا ہے۔

ملتان، بڑی، غالب شمس الدین احمد خاں کو پچانسی

دیئے جانے کے بعد امرتسری خزانے سے جاری ہوئی۔

غالب ۱۸۳۵ء (۱۶ دسمبر) : غالب نے غفلت گورنر کے پاس ایک درخواست میں  
غفلت اور پیشی کے متعلق دی

غالب ۱۸۳۶ء (۲۳ مارچ) : غالب نے لاہور آفیس کے پاس دو درخواستیں بھیجیں  
جن میں مقدمے کی مفصل روداد تحریر کی۔

غالب ۱۸۳۶ء (۱۸ مارچ) : غفلت گورنر نے غالب کی درخواست کا فیصلہ ان کے  
غلات کیا۔

غالب ۱۸۳۶ء (۳۱ مارچ) : غالب نے مقدمہ عدد دیوانی یا گورنر آف لاہور کے  
پاس بھیجی درخواست دی۔

۱۸۳۶ء (۵ دسمبر) غالب کو حجاب مبارک تھارے کاغذات ولایت بھیجے  
جواب دیا۔

۱۸۳۶ء (۲۶ دسمبر) غالب نے گورنر جنرل کو تین مطالبات پر مبنی خط لکھا۔

۱۸۳۷ء (۱۰ مارچ) غالب کے عقدے کے کاغذات *Calligraph* (عربی)  
و *Allameh* - ۱۲۰ جہاڑی غالب سے  
استدعا کی گئی۔

۱۸۳۷ء (۲۹ اگست) غالب نے شمس الدین احمد کے عہد کی بقایا پیش کی  
لئے درخواست دی جس پر بقایا دی گئی۔

۱۸۳۷ء (۲۰ اکتوبر) بیگم غالب - اپنے بقایا پیش کیے درخواست دی  
۳۸ - ۱۸۳۷ء رواج فارسی کی ترتیب مکمل ہوئی  
کلیات نشر - ۶۸ غالب - ۳۰۹

## غالب، اسٹیج پر

۱۔ غالب ہندوستان پر پاکستان کے ممتاز ادیب خواجہ معین الدین سے  
مشہور ڈرامہ ہے جو کراچی میں اسٹیج ہو کر کافی مقبول ہوا۔ موضوع  
احمد پشیم کشی کے اعتبار سے اسے سچا اسٹیج ڈرامہ آج تک نہیں لکھا گیا۔

۱۸۳۹ء (۲۵ دسمبر) دیوان اردو کا انتخاب عمل میں آیا۔

۱۸۳۱ء (اکتوبر) غالب کے اردو دیوان کا پہلا ایڈیشن مطبع سید المظاہر  
سے طبع ہوا۔

۱۸۳۲ء دیوان کلاکی پر وضیر کی لئے غالب کا انتخاب مستقل  
لکھے جانے کی وجہ سے غالب کا انکار صاحب بقات اشتر  
نے اس واقعہ کا سن ۱۸۳۰ء لکھا ہے

۱۸۳۲ء غالب کے خلاف کورٹ آف لاء گورنر جنرل نے فیصلہ کیا

اس کے خلاف حکم و کمزوری کے ہاں بطور اپیل عبور کی  
ارسال کرنے کے لئے گورنر جنرل کو بھیجا۔

۳۴ - ۱۸۴۲ء	غالب کو عبداللہ علی خان بہادر بارہیلی دوسری مختبر کی نشست کے علاوہ غفلت کا اعترابی ملا	ذکر غالب ۶۰ و ۵۹
۳۴ - ۱۸۴۳ء	غالب نے چٹن کے معتدے میں بائبل مایوس ہو کر قاضی اختیار کر لی	غالب ۱۵۱ ذکر غالب ۵۸
۳۵ - ۱۸۴۵ء	غالب کا قاری دیوان مبلغی دوا اسلام دہلی سے پہلے مرتبہ شائع ہوا۔	ذکر غالب ۱۲۵ غالب ۳۰۹
۳۶ - ۱۸۴۷ء	دیوانہ اور دو کا دوسرا ایڈیشن مبلغی دوا اسلام دہلی سے شائع ہوا۔	ذکر غالب ۱۲۵ - شکر گشتی ۹۶
۳۷ - ۱۸۴۷ء	قاری بازی کے الزام میں غالب کی گرفتاری اور کنڈر وزیر علی کی عدالت سے چھ ماہ کی قید اور دوسرے پے برمانے کی سزا۔ (ذکر غالب ۱۲۵) دیوانہ کا غالب ۶۳	ذکر غالب ۶۳ غالب ۱۵۱ دہلی کا آخری ساکن ۱۵۱

## غالب، پردہ سیمیں پر

بھارتی کے مشہور ہندوایت کا دسہرا اب مودی نے پہلی بار غالب کو غلام غالب میں پیش کیا۔ غالب کے نام سے پاکستان کے ممتاز فیلکس مظاہر شاکہ ہاشمی نے بھی فلم تیار کی۔ دوروت فلمیں واقعات غلطیوں کے باوجود کافی مقبول ہوئیں۔

۳۰ - ۱۸۴۰ء	غالب، سہرا جاری لٹریچر میں انوار	یادگار غالب ۳۰
۳۱ - ۱۸۴۱ء	قاریان خیرین ۲۵ مئی ۱۸۴۱ء تک ہے۔ مکاتیب	غالب نامہ ۱۰۳
۳۲ - ۱۸۴۲ء	دیوانہ ۱۰۰ - ۱۰۰	غلام غالب ۲۶۳
۳۳ - ۱۸۴۳ء	۱۵۱ جاری لٹریچر ۱۲۶۳ء اور مطابق ۳۱ مئی ۱۸۴۳ء کو دہلی سے پہلی اسٹار الاہیہ کو خبر بھیجی گئی اس نے دفتر میں کے ہفتہ شائع کیا ہے۔	ذکر غالب ۶۳ - غالب ۱۸۳
۳۴ - ۱۸۴۴ء	غالب کی قید سے قبل از میلو دہلی میں کی سفارش سولی سرحد یا بھارتیہ نے کی تھی	یادگار غالب ۳۱ -
۳۵ - ۱۸۴۵ء	باستد علی خاں کامل فرزند زین العابدین خان طارف کی پیدائش	ذکر غالب ۱۵۱ (چوتھا ایڈیشن)



۱۸۴۹ء واکھٹ	پرتگال کی جنگ سلطان دہلی سے مشاعت	ذکر غالب ۱۱۷
۱۸۵۰ء	عسین علی خاں شاہان فرزند زمین اسد پور میں حنا	ذکر غالب ص ۱۷۴
	عارف کی پیدائش	وچر تھا ایہ پیش
۱۸۵۰ء (۴ جولائی)	بیادشاہ ظفر نے مساراہام حکرم شہر و حکیم حسن اللہ	
	شاہ کی تجویز پر غالب کو نجم الدولہ و میر الملک نظام جنگ	تا ارات غالب ۸ - ذکر غالب ۶۷
	کا خطاب اور خلعت ویا اور شاہان تیموریہ کی تاریخ فتح شاہ	غالب ۲۱ - غالب نامہ ۱۱۶
	لکھنے پر بشیر و چاس روپے ماہوار مامور کیا۔	یادگار غالب ۳۵

## تصانیف غالب

۱۔ دیوان اردو	ترتیب ۱۸۲۱ء	۱۸۔ دردغش کا ویانی	۱۱۔ دردغش کا ویانی
۲۔ گل رعنا	ترتیب ۲۹-۱۸۲۸ء	۱۹۔ نکات و رقعات غالب (فارسی)	۲۰۔ منتخب میراں (وقت فتح میراں)
۳۔ مینا تر آرزو	ترتیب ۱۸۳۵ء	۲۱۔ تیغ قیصر (فارسی)	۲۲۔ سبب چین
۴۔ دیوان اردو	جلد اول ۱۸۳۱ء	۲۳۔ کلیات نثر فارسی	۲۴۔ سبب یارغ وود
۵۔ دیوان فارسی	" ۱۸۳۵ء	۲۵۔ اردو کے معنی (مکاتیب اردو)	۲۶۔ اردو کے معنی (مکاتیب اردو)
۶۔ پرتگال جنگ	" ۱۸۳۹ء	۲۷۔ سبب یارغ وود	۲۸۔ سبب یارغ وود
۷۔ شہزادی بہادر شاہ کی جانب سے ۵۳-۱۸۵۳ء		۲۹۔ سبب یارغ وود	۳۰۔ سبب یارغ وود
۸۔ مہر شہزادہ	جلد اول ۱۸۵۵ء	۳۱۔ سبب یارغ وود	۳۲۔ سبب یارغ وود
۹۔ گورنمنٹ غالب تقریر ۱۸۵۹ء	جلد اول ۱۸۶۳ء	۳۳۔ سبب یارغ وود	۳۴۔ سبب یارغ وود
۱۰۔ دستنبو	جلد اول ۱۸۵۸ء	۳۵۔ سبب یارغ وود	۳۶۔ سبب یارغ وود
۱۱۔ قاضی میراں	تکمیل ۱۸۶۱ء	جلد اول ۱۸۶۲ء	جلد اول ۱۸۶۲ء
۱۲۔ کلیات نظم فارسی	جلد اول ۱۸۶۳ء	جلد اول ۱۸۶۳ء	جلد اول ۱۸۶۳ء
۱۳۔ شہزادی بہادر شاہ	" ۱۸۶۳ء	جلد اول ۱۸۶۳ء	جلد اول ۱۸۶۳ء
۱۴۔ اسمائے فارسی	" ۱۸۶۳ء	جلد اول ۱۸۶۳ء	جلد اول ۱۸۶۳ء
۱۵۔ سوالات عبدالکریم	" ۱۸۶۳ء	جلد اول ۱۸۶۳ء	جلد اول ۱۸۶۳ء
۱۶۔ لطافت فیضی	" ۱۸۶۳ء	جلد اول ۱۸۶۳ء	جلد اول ۱۸۶۳ء
۱۷۔ نامہ غالب	" ۱۸۶۵ء	جلد اول ۱۸۶۵ء	جلد اول ۱۸۶۵ء

تعارف	انکسار	تعارف
۱۸۵۰ء	فارسی میں خط و کتابت تقریباً ترک کر کے اردو میں خط و کتابت شروع کی۔	ڈاکٹر غائب ۲۰۳
	ڈاکٹر غائب ۱۸۴۸ء۔ غائب ۱۸۵۰ء سے قبل دہلی کا آخری خط ۱۸۶۳ء میں تمام غلام بابا شہر لہجہ ۲ پہنچ گئے ہیں ۲۵۳-۱۰۱۰ء کا خط سنہ ۱۸۴۸ء کا وراثت دیا ہے ۲۲	ڈاکٹر غائب ۱۳۴
		غائب ۳۹۷
۱۸۵۱ء (مارچ)	غائب نے مہر شہر و کلاہ حصہ میں میں تھوڑے مہاروں کے حالات ہیں مغل کیا۔	ڈاکٹر غائب ۵۶
۱۸۵۱ء (دسمبر)	مشہر زادہ جہاں بخت کے سپہ سالار و قہر جہاں میں ذوق کا سہرا، غائب کا سندھت نامہ۔	غائب نامہ ۱۱۷
	دہلی اور دہلی کی اشاعت ۲۸ء مارچ سنہ ۵۲ء میں بے سبب کلام پچھا۔	نگار و نام پور بابت جہاں سنہ ۳۶ء
۱۸۵۲ء (۱۱ اپریل)	زین العابدین خاں عارف کا انتقال	ڈاکٹر غائب ۱۰۸۔ غائب ۶۴۔ وراثت
		غائب ۶۸۔ غائب نامہ ۱۱۹
۱۸۵۲ء (۱۲ مئی)	حکیم ٹوٹن خاں موسیٰ کا انتقال	وارثت غائب سنہ ۲۴۔ غائب نامہ ۱۱۹
۱۸۵۲ء	کلمے صاحب کے مکان کو چھوڑ کر دہلی میں عیال حکیم ٹوٹن خاں میں آئے۔	غائب ۸۴
۱۸۵۲ء (دسمبر)	حضرت اکرم سے لے کر چھوٹے خاں تک کے حالات مہر شہر میں لکھے۔	وارثت غائب ۵۷۔ سنہ ۳۵
		ڈاکٹر غائب ۱۱۹
۱۸۵۳ء	دعوت ۲ پہنچ اشاعت ثانی مطبعہ دارالعلوم دہلی میں ہوئی	ڈاکٹر غائب ۱۱۷
۱۸۵۳ء (جنوری)	غائب نے بابر شاہ کی طرف سے شہر کی حالت طبعیات مغل میں میں شاہ کے شہید ہونے سے شکار کیا گیا ہے۔	وارثت غائب
۱۸۵۳ء (اکتوبر)	مہر شہر و کلاہ جہاں اور عید پر نکالے تھیں اس کا مسودہ نذر کیا۔	دعوت ۹۳۔ سنہ ۵۰
		ڈاکٹر غائب ۱۱۹
۱۸۵۳ء	مرزا قزوینی مہر شہر و کلاہ نے غائب کی شاہی اختیار کی	وارثت ۶۳
۱۸۵۳ء (۱۲ نومبر)	اشکوشہ و فتح علیہ السلام ذوق نے انتقال کیا۔	ڈاکٹر غائب ۶۹
	غائب نامہ ۱۳۱ میں ۱۶ اکتوبر لکھا ہے	وارثت ۶۸
		ڈاکٹر غائب ۶۹



- کوشن بلاؤٹ کے آگے پیش ہوئے  
 ۱۸۵۷ء (۱۹ اکتوبر) غالب کے سہیل مرزا و سلف بیگ کا انتقال  
 کھیات نثر غالب ۳۹۶  
 کھیات نثر غالب ۳۹۹  
 ذکریا غالب ۷۳  
 ماہ فروری ۱۸۶۶ء ص ۶۲  
 قطب غالب ۲۷۰ بنام مجروح  
 قطب غالب ۲۳۱  
 ذکریا غالب ۱۷۱  
 قاضی برسات کی تسوید ختم  
 ۱۸۵۸ء (۲ اگست) بہادر شاہ ظفر کی جلاوطنی اور رنجیت میں نظر بندی  
 ۱۸۵۸ء (اکتوبر) بیگن مقید خدائی اگرہ سے دستبرد کی اشاعت  
 ۱۸۵۸ء (نومبر) بیرون صاحبیت مندرجہ ذیل سنہ ۱۸۵۷ء تا جوڑی سنہ  
 ۱۸۵۸ء (نومبر) قاضی برسات کی تسوید ختم  
 ۱۸۵۹ء (۲۲ جنوری) غالب مصطفیٰ خاں شفیقت کی ردائی کی خیریا کو میرٹھ  
 قطب غالب ۲۷۳

## چند اہم شارحین غالب

- حاتم
- شریعتی میرٹھ
- اس الدن
- حشری
- قطب طہا طہا
- ملکہ عنایت
- نظامی
- سہا سہا
- بہ خود و خود
- جوش ملیح
- اشرفی
- نیما و مستحق
- آغا محمد باقر
- یوسف سلیم جیشی
- شریعتی اندھو
- سید غفر علی
- سعید الدین احمد

اس سے ملنے لگے اور ۲۵ جنوری کو واپس آئے۔

قطب بنام مجروح ۲۷۳ - ۲۷۲ قطب غالب

۱۸۵۹ء (جولائی) قاضی برسات میں ہوئی اور غالب اس کی طباعت کی  
 قاضی برسات کی تسوید ختم  
 ماہ فروری سنہ ۱۸۶۶ء ص ۶۲  
 قطب غالب ۲۸۸ - ۲۸۷

۱۸۵۹ء (جولائی) غالب یوسف علی شاہ ناظم عالی رام پور نے سو روپے  
 ماہور غالب کا وظیفہ مقرر کیا۔

۱۸۶۰ء (۱۹ جنوری) غالب رام پور روانہ ہوئے  
 (سفر اول)  
 قطب غالب ۳۷۷ - ۳۷۶

۱۸۶۰ء (۱۹ جنوری) عمار کو رام پور سے روانہ ہو کر ۲۳ مارچ کو دہلی  
 ملائیت و بیابان ۱۳۳

چمچے۔ دام پوسے (چمچے)

خطوط غالب ۳۶

۱۸۶۱ء (۳ مئی) - خدیجے جنگلے میں پتھر پڑانے والے فیلو جاری ہوئے اور پکایا ملا۔

خطوط غالب ۱۸۲ - ۲۸۹

مکاتیب و بیچ ۶۱

۱۸۶۱ء (۱۵ اکتوبر) قلعہ بردان کی تکمیل

ماہ نو، فروری ۱۸۶۶ء ص ۶۲

خطوط غالب ۱۸۸ و ۲۹۸

۱۸۶۲ء (اپریل) قلعہ بردان میں نو کشتہ بکھڑے ہو گئے

ماہ نو، فروری ۱۸۶۶ء ص ۶۲

خطوط غالب ۱۲۷ - ۵۵۱

شہر عری ۱۰۶

۱۸۶۲ء (مئی) اردو دیوان کا پرتھوا ایشیہ

ذکر غالب ۱۳۳

میلنگ نظامی کا پتھر میں چپا

خطوط غالب ۲۳۵

مولانا فضل حق خیر آبادی کا بڑا نرائیماں میں انتقال

۱۸۶۲ء

## مترجمین غالب

- پروفیسر احمد حسن (انگریزی) • عاصم حسین (انگریزی)
- صوفی سنذر احمد • عبدالرحمن طاہر سولنگی (عربی)
- صوفیہ سعد اللہ • رفیق خاور (فارسی، اردو)
- بلال حسن دہلوی • ڈاکٹر ملیح آبادی (پنجاب)
- خورشید الاسلام • حفیظ کلانچوی (پنجابی)

۱۸۶۲ء (دسمبر) بہادر شاہ ظفر نے جلالپور میں انتقال کیا۔

خطوط غالب ۳۰۶

ذکر غالب ۶۹

۱۲ دسمبر ۱۸۶۲ء

۱۸۶۳ء (۳ مارچ) سر مارٹن شلٹز نے غلٹ گورنر پنجاہ نے غالب کو

ذکر غالب ۹۳ - ۸۹

خطوط غالب ۳۲۹

خلعت دیا۔

مکاتیب غالب ۱۶۲، غالب ۳۱۸

۲۴ مارچ غالب نے سرین غلطی

شہر عری ۱۰۸

۱۸۶۳ء (پاکستان) مفید خلائق آگرہ میں اسد دیوان کا

ذکر غالب ۱۳۳

پانچواں ایڈیشن چپا

خطوط غالب ۸۸، غالب ۲۴

کتابت تفہیم فارسی کی

۱۸۶۳ء

ذکر غالب ۱۶۶

میلنگ نو کشتہ کے اشاعت



ص ۱۴۲، احوال غالب ۱۴۲

ازاد حیثیت عرفی کا دعویٰ

ذکر غالب ص ۱۹۱

کلیات نثر فارسی کا پہلا ایڈیشن مطبع نونکھور نیکھور

۱۸۶۸ء (مجموعی)

پرچھا ایڈیشن

سے شائع ہوا۔

نغمہ شمس مکاتیب نمبر

اردو کی آئینہ نزل مسیب فرمائش فراب امین الدین

۱۸۶۸ء (۲۱ مارچ)

غالب لکھی۔

۱۴۲، اردو سماجی اپنی شہ ۱۹۴۳ء

معتدبہ ازاد حیثیت عرفی کے دست برداری

۱۸۶۸ء (۲۳ مارچ)

## غالب پر چند خاص نمبر

- ۱۔ شکار نیکھو غالب نمبر ۱۹۲۸ء مرتبہ : صبا مہارسی آئینہ
- ۲۔ علی گڑھ میگزین غالب نمبر ۱۹۳۹ء ختمہ راجہ راجہ
- ۳۔ آج کل دہلی غالب نمبر ۱۹۵۹ء ختمہ راجہ راجہ
- ۴۔ اردو کے مستقبل دہلی غالب نمبر ۱۹۶۰ء خواجہ احمد فاروقی
- ۵۔ نگار پاکستان کراچی غالب نمبر ۱۹۶۱ء شہ راجہ راجہ
- ۶۔ شریک دہلی غالب نمبر ۱۹۶۱ء گوپال سنگھ
- ۷۔ افکار کراچی غالب نمبر ۱۹۶۶ء صبا مہارسی

دس ہجری کے مطابق غالب کی ہر سالہ ہجری ہے

- ۸۔ ماہ نو کراچی ۱۹۶۹ء
- ۹۔ فروغ اردو نیکھو ۱۹۶۶ء
- ۱۰۔ صحیفہ لاہور ۱۹۶۶ء
- ۱۱۔ الشہادہ کراچی ۱۹۶۶ء
- ۱۲۔ اردو سماجی کراچی ۱۹۶۶ء
- ۱۳۔ قومی زبان کراچی ۱۹۶۶ء
- ۱۴۔ محققان لاہور ۱۹۶۶ء
- ۱۵۔ ہما اردو فاؤنڈیشن دہلی ۱۹۶۶ء
- ۱۶۔ شہادت قومی فاؤنڈیشن دہلی ۱۹۶۶ء
- ۱۷۔ نگار پاکستان کراچی ۱۹۶۶ء

ذکر ۱۵۰، احوال غائب ۱۵۲	ذکر غائب نامہ	
ذکر ۱۳۵، حکایت غائب و بیابان ۲۳۳	مرد پندی کی مجلس بستان، میر کوٹے اشاعت اول	۱۸۶۸ء (۲۷ راکتور)
عزیز صغر آفر، غائب ۳۰۲	دہرہ راکتور، غائب ۱۳۴، رحیمہ، باقی، مارویب	
غائب نامہ ۱۹۲	۲۷ راکتور، ۲۷ راکتور	
غائب نامہ ۲۰۱، ذکر غائب ۱۰۵	۲ روزی قدر ۱۲۸، حرم سلطان ۱۵، رفواری غائب کا انتقال	۱۸۶۹ء
حکایت ۲۷، بیابان غائب ۳۳۸	کہ غائب میر و تاریخ وفات	
یادگار غائب ۱۳۲		
ذکر ۱۳۷، غائب نامہ ۱۹۳	اردو کے سنی کی پہلی اشاعت	۱۸۶۹ء (۶ راکتور)
حکایت ۲۳۹	انکس المطابع دہلی سے	
ذکر غائب ۱۱۳، حکایت غائب و بیابان ۷	بارڈی قدر ۱۲۸، حر غائب کی رفیقہ محلات امر اؤ بیگم	۱۸۷۰ء (۳ رفواری)
غائب نامہ ۲۰۵	کا غائب کی پہلی برسی پر انتقال	
ذکر ۱۲۸	سید باغ دودلی	۱۸۷۰ء (۲ رفواری)
تکملہ دہلی ۱۵، رفواری سنہ ۱۹۳	تکملہ کتابت	
ذکر غائب ۱۳۳	دستبرد کا تیسرا ایڈیشن لٹریچر سوسائٹی	۱۸۷۱ء
	رد پہل کھنڈ بریلی سے شائع ہوا	
ذکر ۱۱۱	میرزا باقر علی خاں کامل، فرزند زین العابدین خاں عارف	۱۸۷۱ء (۲۵ راکتور)
حکایت غائب و بیابان ۹	کا انتقال	
ذکر غائب ص ۱۷۹ (چونکہ ایڈیشن)	میرزا حسین علی خاں خاں دکن و مینا	۱۸۷۱ء (۷ راکتور)
غائب ص ۶۹	پسر زین العابدین خاں عارف کا انتقال	

## گنجینہ معنی

حسب ذیل کتبوں کے نام غائب کی مخصوص تراکیب اور اختراعات پندی کے رہن مقتدر

(۲)

(۱)

بہاؤتے ہیں سب سے ————— ڈاکٹر محمد اشرف  
محشور خیالات ————— جتنا و اشاعت رہی  
ہے آدمی بولے خواہ گے مشیر خیالات  
ہم انہیں کہتے ہیں غلات ہی کیوں نہ ہو



ہیں چین میں کیا کیا گویا دبستان کھل گیا  
بجلیں مٹی کر مرے نالے غزلوں ہون گئیں

(۹)

داور و سن کی آن دانش ——— منور جامت و صریح  
دنگلانی استرا و نکی کے ناول کا اردو ترجمہ  
قد و گیسو میں قیس و کوہ کن کی آزمائش ہے  
جہاں ہم ہیں وہاں داور و سن کی آگئی ٹٹ ہے

(۱۰)

سختے ہلے گھٹنی ——— کلیم الدین احمد  
بیاہید گرامی جاو و زیاں واسطے  
فریب شہر سنی ہائے گھٹنے دارد

(۱۱)

آگشتہ ہوائی میری ——— رشید احمد صدیقی  
کیا بیباں کو کہ مراد یکتہ گویا  
مگر آگشتہ بیباں میری

(۱۲)

غالب نام آدم ——— نادر سید نور  
غالب نام اکرم نام وقت نام میر  
ہم اسماعیلیم و ہم اسماعیلیم

(۱۳)

چشم تحکرات ——— عزیز حامد ستانی  
نہج کشود و نہج ہرن سراہیم بستہ  
دل رور و نہج و نہج چشم نواہم داود

(۳)

گنہگارے گوناوت مایہ ——— رشید احمد صدیقی  
مفتور ہوتا خاکستہ پا چوں کہ لے شمع  
ٹوٹے وہ گنچ ہائے گمان مایہ کیا گئے

(۴)

نقشہ خریادیں ——— فیض احمد فیض  
نقشہ خریادیں ہے کسی کی شوقِ خسریہ کا  
کاغذی ہے پرچہ ہر سیکر تصویر کا

(۵)

دستہ شب و سنگ ——— فیض احمد فیض  
دعوائے گرفتاری و میری الفت  
دستہ شب و سنگ آمدہ پایہ و فہم

(۶)

منور و کی خدائی ——— سعادت حسن منٹو  
گیا وہ نمرود کی مشدائی جی  
بستگی میں مرا بھلا نہ ہوا

(۷)

لافتا سنگ ——— سعادت حسن منٹو  
سر کجا ہے جہاں زخم مرا بچا ہوا ہے  
لافتا سنگ! نواذہ تقریر نہیں

(۸)

گویا دبستان کھل گیا ——— چودھری محمد علی بدو نوی

قراور مہ را شہیں حسیم کاہی

یہ اور انہیں دیکھ دو رو ورا

(۳۰)

شہر آرزو ————— باستر صہی

(۳۱)

ما شیم یکے شہر آرزو ————— عبدالعزیز حسا

اب یہ ہوا اور ماتی یک شہر آرزو

تو را جو قوسے آئینہ نشان دار تھا

(۳۲)

دوقے ناخواندہ ————— عبدالعزیز حسا

کوئی آگاہ نہیں باطن ہمد بخشتے

ہے ہر اک فرد جہاں میں دوق ناخواندہ

(۳۳)

گلے نعتیہ (غنیہ) کا ترجمہ ————— عبدالعزیز حسا

نے لگی خستہ ہوں نہ بردہ کا ساز

میں ہوں اپنی شکست کی آواز

(۳۴)

چند تصویر جہاں ————— سترم جعفر منصور

چند تصویر جہاں چند صیقل کے خطوط

ہمد مرنے کے سرے گھرے یہ سماں نکلا

(۳۵)

ہر آرزو خواہشیں ————— عسائی جعفر

(۱۲)

دشت اسکان ————— عسریز حامد متقی

ہے کہاں تہ کا دوسرا قدم یارب

ہم نے دشت اسکان کو ایک نقش پا پڑا

(۱۵)

خونے جگر ہونے لگے ————— فضل احمد کریم فضل

ما شقی صبر طلب اور تہا ہے آس

دل کا کیا رنگ کروں خون جگر ہونے لگ

(۱۶)

قطرہ سے گہر ہونے لگے ————— صالحہ عابدی

دام ہر سوچ میں ہے حلقہ صفا مہنگ

دیکھیں کیا گزرتے ہیں قطرہ گہر ہونے لگ

(۱۷)

دیوار چٹھری ————— سید قاسم محمود

کہاں تک دوؤں اس کے پٹے کے پیچھے قیامت ہے

مری قسمت میں یارب کیا نہ لگتی دیوار چٹھری

(۱۸)

گلے نعتیہ ————— فراق گوردھار

نے لگی خستہ ہوں نہ بردہ کا ساز

میں ہوں اپنی شکست کی آواز

(۱۹)

ہم کا کلے ————— سعید الدین سیف

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم تلے  
بہت تلے مرے اومان لیکن پھر بھی کم تلے

(۲۶)

تغصنہ رنگے ————— اکرم فکار  
ستری کف خاکستر و بل قنبر رنگ  
اے تار نشاں جگر سوختہ کیا ہے

(۲۷)

ہوند ہو کہے ————— جو گندہ پاں  
کانی ہے سراشت حنائی کا تصور  
دل میں نظر ساقی تو ہے اک ہند ہو کہ

(۲۸)

سنگے و خشت ————— کھنیا لال پود  
دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت دود سے بھر ڈالے کیوں  
دوئیں گے ہم ہستار ہار کوئی ہمیں ستائے کیوں

(۲۹)

غالب آشفتم سر ————— عبادت بریلوی  
اے ساکتان کوچہ دلدار و بختا  
تم کو کہیں جو عمت آبِ آشفتم مرے

(۳۰)

شیخ ہر رنگ میں جلتی ہے ————— مرتبہ مرزا عابد عباس  
(دعنا و مشاعرہ)

(۳۱)

سحر ہر رنگے (ڈراے) ————— ناصر اعظمی  
غم جی کا اسو کس سے ہو جز مرگ علاج  
شیخ ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہر رنگ

(۳۲)

کہتے ہیں جس کو عشق (دہیان)، ————— خدا نواز امین  
بہن کے کاروبار پہ ہیں خندہ دہشے گل  
کہتے ہیں جس کو عشق غل ہے دوا غل

(۳۳)

مرے سے پہلے ————— احمد علی  
قیمہ حیات و بند غم اصل میں دوزں ایک ہیں  
موت کے پہلے آدمی غم کے جنات پائے کوں

(۳۴)

سنگے گراست اود ————— ڈاکٹر احسن فاروقی  
ہر پند سبک دست ہوئی بخت ٹپکنی میں  
ہم ایسا تو ابھی راہ میں ہیں سنگ گراں اود

(۳۵)

دود چرائے محفل ————— فکار ارملی

(۳۶)

دود چرائے محفل (ڈراے)، ————— رفیعہ سلطانی

(۳۷)

دود چرائے محفل ————— مرزا عابد عباس  
(دعنا و مشاعرہ) حمایت علی مشاعر

رنگ سنگ سے چٹکان ہو کر پھر نہ تھا  
جیسے تم کچھ لپٹ ہو وہ اگر مشاوارہ کرتا

(۳۸)

ہوئے نکل تانے والے دندلاؤں کا عروج مرزا عاید عباس  
ہوئے نکل، تانے والے، دود پر آشوب  
جو تریا، نرم سے نکلا سو پریشان بھلا

(۳۹)

اور پھر بیاد سے اپنا ————— اخلاق احمد دہلوی  
نکرا اس پستی و ش کا اور پھر بیاں اپنا  
ہن گیا رقیب آفریختا جہاں زوان اپنا

(۴۰)

وطن سے دور ————— مفتاح الدین غفر  
مبارا ویا رقیب سے کچھ کو وطن سے دور  
رکھ لی مرے خزانے مرے بے گمی کی شرم

(۴۱)

بشر سے کیا کہئے ————— عابد علی عابد  
وہا ہے دل آگاس کو بشر سے کیا کہئے  
ہوا رقیب تو ہونا مرے کیا کہئے

(۴۲)

دلے نانا دوسرے ————— کرشن موہن  
دل ناناں تجھے ہوا کیا ہے  
آفسوس دود کی دوا کیا ہے

(۴۳)

دکھے سنگ ————— انور رحمتا

(۴۴)

خاشاک زنجیر ————— نریم جعفری  
نارنا حاصل دل بستگی خرابم کر  
سارے غامد زنجیر جڑ صدام

(۴۵)

کاغذی پیرہن ————— غیل رحیل  
نقش فرادی ہے کس کی شوخی سحر کا  
کاغذی ہے پیرہن ہر پسیمک تصویر کا

(۴۶)

مزید سے گوش ————— جعفر طیبانی  
لطف خرام ساق و ذوق صدائے چنگ  
یہ جنت نگاہ وہ فرادوس گوش ہے

(۴۷)

طرح گلا رقیب ————— کلیم علی  
کہہ کن کوسنہ مزدور طلب گلا رقیب  
بے ستون آئینہ خواب گراں شیریں

(۴۸)

دیدہ بیعت ————— رشید صدیقی  
نہ چوڑی حضرت یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی  
سفیدی دیدہ بیعت کی پھر تہہ زخاں پر

(۴۹)

کتابچہ کے گھر — شاہ احمد دہلوی

## غالب سنہما

غالب کے زندگی، شخصیت اور فن کے کلام پر احاطہ اور قریبے ذکر کے کتابچے

- ۱ - ڈاکٹر غالب (۱۸۹۶ء) مولانا الطاف حسین حالی - غالب - ایک مطالعہ ڈاکٹر خورشید الماسلام
- ۲ - حیات غالب (۱۸۹۹ء) ناب میر محمد رفیع - مشکلات غالب نیا فتح پوری
- ۳ - شریعہ کلام غالب شوکت میرٹھی - غالب نام آدم دوم سیٹاپوری
- ۴ - عباس کلام غالب اختر حمید کاظمی ڈاکٹر عبدالرحمن بھڑوی
- ۵ - غالب (انگریزی کا ۱۹۲۸ء) ڈاکٹر سید عبداللطیف - مقام غالب میارزا الدین رفعت
- ۶ - غالب (اردو ترجمہ) شریعہ حسین الدین ترقی - غالب شکی میرزا یگانہ چنگیزی
- ۷ - غالب غلام رسول مہر - غالب مگر حق ڈاکٹر شوکت بھڑوی
- ۸ - غالب نامہ (۱۹۳۶ء) شیخ مہارم - فلسفہ کلام غالب ڈاکٹر شوکت بھڑوی
- ۹ - ارمغان غالب شیخ مہارم - غالب کا روزنامہ خواجہ حسن نظامی
- ۱۰ - حکیم فریادہ (۱۹۵۷ء) شیخ مہارم - فرحنگ غالب استاذ مین عرش
- ۱۱ - حیات غالب شیخ مہارم - اہل عادت غالب ملک عنایت
- ۱۲ - ڈاکٹر غالب (۱۹۳۸ء) مالک رام - بیانات غالب آغا مہارقم
- ۱۳ - خطوط غالب مالک رام - شرح دیوان غالب لغم طباطبائی
- ۱۴ - دولتی خطوط غالب مرزا محمد سکری - مطالعہ غالب سید الدین احمد
- ۱۵ - سلاطین غالب امتیاز علی عرش دہلوی - مرتبہ غالب غیر مہارم
- ۱۶ - باقیات غالب وجاہت سیدی - بدعہ غالب ڈاکٹر امین الدین قادری
- ۱۷ - غالب کے خطوط حبیب پدمشو - سرگزشت غالب (۱۹۳۹ء) ڈاکٹر امین الدین قادری
- ۱۸ - نودرات غالب اتفاق مبین خاتون دہلوی - رقعات غالب (۱۹۰۹ء) عبدالرحمن شوقی القسری
- ۱۹ - احوال غالب حسن الدین احمد - محاذہ غالب مالک رام
- ۲۰ - لغت غالب مرتبہ ممتاز الدین احمد - مطالعہ غالب اثر مکتبہ
- ۲۱ - انکار غالب حفیظ عبدالحمید - متأخر غالب قاضی عبدالودود

## زیر طبع

- غائب - چند مطالعہ
- مرتبہ : سید اکرم
- درویشی کا دیوانہ مع خواجہ
- مرتبہ : ڈاکٹر محمد امجد
- انسحیح حسیدیہ
- مرتبہ : پروفیسر حبیب الرحمن
- اشعار میں غائب
- مرتبہ : سید الرحمن - ڈاکٹر کادیا قریشی
- غائب میں قصائد غائب
- مرتبہ : غلام رسول مہر
- غائب کے غائب
- مرتبہ : ڈاکٹر وحید شری
- درویش غائب و غائب شدہ درویش
- مرتبہ : امتیاز علی مستور
- غائب علیہ : اکبر علی خاں

- ۴۳ - نگار غائب
- ۴۴ - تثنیٰ اور غائب
- ۴۵ - سبکدشت غائب
- ۴۶ - متفرقات غائب
- ۴۷ - ملائیت غائب
- ۴۸ - غائب کے خطوط
- ۴۹ - لغات غائب
- ۵۰ - آثار غائب
- ۵۱ - اشعار غائب
- ۵۲ - روح غائب
- ۵۳ - غائب کی باتیں
- ۵۴ - مرزا غائب کی خوشیاں
- ۵۵ - غائب اور اس کی شاعری
- ۵۶ - غائب کی نادر تقریریں
- ۵۷ - غائب کے لیلیٰ
- ۵۸ - نگارشات غائب
- ۵۹ - وثوق صراحت و شرح
- ۶۰ - روح کلام غائب
- ۶۱ - دیوانہ غائب کی شرح
- ۶۲ - خطوط غائب
- ۶۳ - انتخاب خطوط غائب
- ۶۴ - شرح دیوانہ غائب
- ۶۵ - ترجمان غائب
- ۶۶ - ملاقات غائب
- ۶۷ - مرزا غائب کی شاعری
- ۶۸ - نشاط غائب
- ۶۹ - جان غائب
- ۷۰ - غائب اور اس کی شاعری

- ۷۱ - احوال و نقد غائب
- ۷۲ - تجزیہ کلام غائب
- ۷۳ - انتخاب غائب
- ۷۴ - مرزا ارشد
- ۷۵ - اسرار غائب
- ۷۶ - غائب کے محفلات کما تھ امرتسار
- ۷۷ - غائب کے ڈرامے
- ۷۸ - مرزا غائب رائل پارک میں آئے - حمید
- ۷۹ - مقام غائب
- ۸۰ - جہان غائب
- ۸۱ - کلیات نظم غائب فارسی

۸۳ - کلیاتِ نظمِ غائبِ نادری	غلام مرتضیٰ قاضی	۱۰۱ - دوہرِ میراجی حنفی	سید حامد الدین خاشر
۸۳ - محبوبِ ہندی	" " "	۱۰۳ - پنج آہنگِ درتربہ	محمد مرزا بہار
۸۳ - محبوبِ نثرِ غائب	خلیل الرحمن دلاوی	۱۰۳ - غلبہ کا عشق و دیوان	مسلم ضیائی
۸۵ - اردو کے مثنوی	میرزا الہیہ	۱۰۲ - نغمِ غائب	عبدالرزاق غریب
۸۶ - غائبِ شناسی	ظہر الغار کا	۱۰۵ - سب اچھا کہیں ہے	پروفیسر کرار حسین
۸۷ - غائبِ تاریخ کے آئینے میں	نظیر حسین قرچی	۱۰۶ - غائبِ نما	ابن حسن قیصر
۸۸ - مزاحیہ شریعہ و احادیثِ غائب	غلام احمد فرحت	۱۰۷ - غائبِ نامِ آدر	رحمن ترقی احمد پٹکان
۸۹ - جہانِ غائب	موسمین شمس علوی	۱۰۸ - بیادِ غائب	شہناز و حامد کراچی
۹۰ - غائبِ کلام میں	تادم سید کاظمی	۱۰۹ - غائبِ دہان	دلشاد کلاہ پوری
۹۱ - میرزا غائب	ابراہیم کشنی	غزلان (مہجانی)	
۹۲ - سروِ غائب	یوسف بکاری دہلی	۱۱۰ - غائب - غائب - غائب	ڈاکٹر خواجہ احمد خاں
۹۳ - روحِ غائب	صفیٰ تبسم	۱۱۱ - جہانِ غائب	قاضی عبدالودود
۹۴ - اطرافِ غائب	ڈاکٹر سید عبدالمنیر	۱۱۲ - <i>Ghalib - his life and</i>	ڈاکٹر ایل - سی -
۹۵ - غائب اور مطالعہِ غائب	ڈاکٹر عابدی دہلی	<i>Persian Poetry</i>	ایس - گیانی
۹۶ - غائبِ کائنات	" " "	۱۱۳ - <i>Ghalib - Life and Letters</i>	پروفیسر الف رسل
۹۷ - مقدمِ غائب	عبدالصمد دارم	<i>Ghalib Letters</i>	خوشیہ الاسلام
۹۸ - یادِ گاہِ غائب	خلیل الرحمن دلاوی	۱۱۴ - <i>Life of Ghalib</i>	قرۃ العین حیدر
۹۹ - ہر قسمِ نغمہ و ترجمہ	ڈاکٹر حمید الرشید	۱۱۵ - <i>Life of Ghalib</i>	ملک رام
۱۰۰ - غائب ایک مطالعہ	منا زمیں		

## کتابیات

واقعاتِ غائب کے حوالے دیئے گئے ہیں جن کتاب و رسائل سے مشورہ

کی جاتی ہے، ان کے کی تفصیل یہ ہے :-

- ۱ - تصانیفِ غائب مرتبہ اشاعت
- کلیاتِ نثرِ غائب غائب ادبیات ۱۸۸۸ء مطبعہ نول کشور دہلی
- اردو کے مثنوی " از مولیٰ محمد منیر ۱۹۲۲ء مطبعہ مجیدی کلاں پورہ

- محمود ہندسی غالب (از آسما) ستمبر ۱۹۳۱ء مبلین نول کشور محسنو
- دستنبو + دسمبر ۱۹۲۵ء لاری سوسائٹی دہلی لکھنؤ
- مکاتیب غالب از مولانا عرش باریخیم ۱۹۳۷ء رام پور (بار اول ۱۹۳۷ء)
- نوارات غالب سید آفاق حسین آفاق دہلی بار اول ۱۹۳۹ء ادارہ نوارات دہلی
- خطوط غالب مولانا غلام رسول میر. مقدمہ! (بار اول ۱۹۵۱ء) کتاب فنزل لاہور
- نسخہ سعیدی دلچاپ اردو محمد نواز الحق ۱۹۲۸ء مفید نام استیغیر پریس لاہور
- نسخہ عرشی دہلی غالب اردو از مولانا عرش بار اول ۱۹۵۸ء انجمن ترقی اردو ہند

## ۲۔ کتابیات

- یادگار غالب مولانا حالی شیخ سوارک علی لاہور
- غالب مولانا غلام رسول میر بار سوم غنی سنہ ۱۳۴۴ھ شیخ سوارک علی لاہور
- غالب نامہ آثار غالب (از شیخ محمد اکرم) مکتب آف انس بکری
- ذکر غالب مالک دہام مکتبہ جامعہ علمیہ دہلی اکتوبر سنہ ۱۹۵۵ء بار دوم
- احوال غالب فتح الدین احمد آرتو علی گڑھ بار چہارم
- مجموعہ نثر غالب اردو غنیمت الرحمن داؤد علی مجلس ترقی ادب لاہور پچھلے اول سنہ ۱۹۶۶ء

## ۳۔ دیکتو لکھتے

- آب حیات محمد حسین آزاد
- دہلی کا بحسنی سائنس بحوالہ غالب (از میر)
- بہن اور شاہ قفر اور ان کا عہد دیکھیں احمد تہ دی کتاب فنزل لاہور
- نظام حسانی بحوالہ ذکر غالب و غالب نامہ

## ۴۔ دیکتا سیکلے

- اردو سہ ماہی اپریل سنہ ۱۹۳۳ء آج کل دہلی
- ماہ نوکراچی فروری سنہ ۱۹۹۳ء { نغمہ سخن لاہور
- فروری سنہ ۱۹۶۶ء { مکاتیب خبری
- مارچ سنہ ۱۹۶۷ء نگار رام پور
- مکتبہ حنائی = ذکر غالب
- یادگار = یادگار غالب
- نوارات = نوارات غالب
- مکتبہ حنائی = مکتبہ حنائی
- غالب نامہ = غالب نامہ
- خطوط = خطوط غالب



## آپ کی لائبریری کیلئے

# مکتبہ افکار اور اردو دنیا کی خوب اور خوبصورت کتابیں

### تنقید و تحقیق

- تنقیدی تقریرے فائز عبادت بریلوی ۱۰/-  
 موسیٰ اور سلطانہ عوس ۱۵/-  
 شاعری اور شاعری کی تنقید ۱۲/-  
 جدید شاعری ۱۵/-  
 رسالہ کائنات ۲/-  
 ہفت گلشن ۲/-  
 شکستہ ۲/-  
 ماحول اور کام کنوٹا ۵/-  
 تہذیب و تحریر مجتبیٰ حسین ۵/-

### تہذیب و ادب

- میر تقی میر کی سرزمین }  
 مشرق پاکستان } ۳/-

### شاعری

- نہیں دوراں پروغیر خود ملیک ۶/-  
 سی سنی خمار صوفی ۲/۵۰

### زیریں و تہذیب

- غالب اپنے مطالعے مرتبہ ۱۰ مجلیٰ مکتبی

نایاب و نادر انفرادی خریداروں کے لئے مخصوص لوگوں کی رعایت

آپ کی طلب فرمائیے

مکتبہ افکار دہلی روڈ، کراچی فون ۳۹۹۳۱

### اسلامیات

- سیرت رسول افتر پروغیر سید نواب علی ۱۲/-  
 تاریخ حضرت مسعودی ۵/-  
 معارف الدین ۲/۵۰

### ناول و داستانہ

- حیدری کی متفرک کہانیاں فائز عبادت بریلوی ۶/-  
 چاندی کا گناہ کرشن چندر ۶/-  
 ایک دامن مندر کے کنارے ۶/-  
 سڑک واپس جاتی ہے ۶/۵۰  
 ایک عورت جلد دیوانے ۵/-  
 ایک خوشبواری اڑیسی ۵/۲۵  
 دھواں دھواں سویرا از عظیم ۸/-  
 ایک بوند ہوئی بوگنڈیال ۳/۲۵

### شخصیت و فن

- ہمایونک آجنگ (دانش نرس) ۱۵/-  
 دوسرا ایڈیشن مرتبہ ۱۰ مجلیٰ مکتبی  
 بوش نمبر ۲۱/-  
 عینہ نمبر ۲/-  
 فیض نمبر ۱۲/-

# مَنَاجِ خَانَهُ

(نادرونايات تحريرو)

## مالکِ رام

# نکیرِ غالب

(کچھ نئے حالات)

ابھی کچھ دنوں میں نے اپنی کتاب "نکیرِ غالب" کا نیا ایڈیشن مرتب کیا ہے۔ اس پر لاہور کے قلم کاروں کے ساتھ دو حرام مواد میرے پیچھے لکھ کر آیا ہے۔ غالب کے پیش کے حصے کے متعلق قومی دفترِ مائتہ (NATIONAL ARCHIVES OF INDIA) نئی دہلی میں موجود ہے۔ میں نے اس ایڈیشن میں اس حصے کے متعلق اپنی تعلیمات کو دکھایا لیکن وہ نے کے کاغذات میں مجھے غالب کی سب سے پہلی درخواست نہیں دی تھی جو انھوں نے گلشنِ بزمِ گل کی فرسٹ میں اپنی کئی۔ فرسٹ میں انھیں کوئی نشانہ نہیں کر دیا ہوتا۔ بہر حال چونکہ مرزا نے اپنی بعد کی حمد و ثناء میں اس کے مضامین کا بار بار اعانہ کیا ہے۔ اس کی عدم موجودگی سے مقدمے کی کوئی تعمیل ممکن نہیں رہ سکتی۔

پارسیاں کچھ دنوں پہلے کا اتفاق ہوا۔ ان پر پام نس و تیر کی اس گراویاں میں نے غالب کے متعلق تمام کاغذات منظر آئے۔ انھیں میں پکڑ کر دیا۔ اس سے مقدمے کے متعلق کوئی نئی بات نہیں ملی لیکن اس کی جہد اور کس میں انھیں اور ایمان میں انھوں نے بہت سی ایسی باتیں لکھی ہیں جن سے اس کی زندگی کے بارے میں ہمیں نئے حالات کا انکشاف ہوا اور وہیں مسطور حالات کی تصدیق کا قریب ہوتا۔ ان کی کاپیاں میرے پاس محفوظ ہیں۔

اس لئے میں کہتا ہوں کہ وہ ایک نئی دنیا میں لکھتے تھے اور گوشت و چلہ کے دفتر کا قاری ملکر ان کا انگریزی میں ترجمہ کر کے کونسل کے روبرو پیش کر دیتا تھا یہاں تک کہ سب سے پہلے وہ اس سے قاری ہی میں لکھی ہوئی اور دفترِ حنفی نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ اب میں اس کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کر رہا ہوں۔ میں یہاں سے اس میں اصل و نسخہ کے امتزاج میں کر کے اس کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کر رہا ہوں۔ یہ ضروری نہیں کہ معلومات سب ہی ہوں بلکہ معلومات کے انفرادہ ہیں۔ یہ معلومات سب سے زیادہ قریب سے محفوظ ہیں۔

۱۱۔ اس وقت اس کی تاریخہ روزی کی خبر مل رہی ہے

اس میں فوج کا کمانڈر (MR. PERRON) کے ہاتھ میں تھی اس کی طرف سے میرے پاس ایک خط آیا تھا اس کے قلم کار ملکر ہوئے۔ ہر چہ انگریزوں نے اس علاقے میں اپنی قریبی کی تو انگریزوں کے ہاتھ میں اس کے قلم کار ملکر ہوئے۔ اس کے قلم کار کے قلم کار سے

میرزا علی سے اس خط میں ۲۰۰ روپے لکھ کر بھیجے (نکیرِ غالب ص ۶۲) گرا انھوں نے اس کے ساتھ کچھ بھیج دیا ہے جس میں اس کے قلم کار

46



لی گئے تھے اس کے بعد جب احمد نے لارڈ لیگ کے خلاف قاتل کی قید مذکور موت نے بھی قتل کا علم واضح ثابت ہو چکا تھا اس سے متعلق دیکھا - پھر جب مشرولر (Mushrol) اس کو کشتہ اور قتل دار مقرر ہوئے تو صورت کا بعد مقام بدل گیا - اس نے لارڈ لیگ خان کو خیرا میں لے کر ایک کمرہ مستحق مقرر ہوئے - یہاں چار سو سواروں کے دستے کی گمانہ ان کے تواریخ ہوئی اور مشرولر کو مدد کے لئے مقرر ہوئے تھے۔

اس کا جب ماہ بھر چلی رہے تو دستہ ان تعلقات قائم ہوئے اور لارڈ لیگ کی (ولایت پر) واپس کا فیصلہ ہوا تو دعا علی سے پہلے احمد نے ان کی دعا داری اور خدا کے احسان میں لارڈ لیگ خان کو صبح آگے میں رنگ اور سونے کے دو گتے میمنہ حیات مشرولر کی جائز تہ عطا کیے تھے ان کی جیمہ معافی چندہ ہزار اسد ۱۰۰۰ روپے سے لے کر مقرر ہوئی اسات و غفلت پر گنہگار کی سزا دعا علی ایک لاکھ روپے سے لے کر دعا علی

اس چار سو سو اور ایک کے دستے کی گمان اور مشورہ سو کے مشاہیر نے اور جاگیر سے ان کی خلافت اور اشراف و سونے میں بہت اضافہ ہو گیا۔  
 دوسرا لارڈ ایک کی اصل دستخطی سند ادا س کی کیٹل برائن کی معتقد عقل اور لارڈ سونے کا کھنڈل پر دوا جو انھوں نے نعرائے  
 بیگ خاں کو ملانے کے لیے پانچ سو چوبیس، ماہ ان کی غفلت اس دروغ سے کہ مانتے مسلک کر دیا ہے۔  
 دوسرا اس جاگیر کے دس گروہ ہیں۔ بعد نعرائے بیگ خاں جب کہ وہ باہر سے آئے تھے انہیں اپنے اسی بہت گروہ تھے۔ ان کی  
 جاگیر فرسٹ ٹی اندیشہ بھی تھی۔ چند دن کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ اس پر باہر سے آئے دس سو سونے کے دس لاکھ گروہ  
 وہ، نعرائے بیگ خاں کے کوئی اور نہیں تھے۔ دس لاکھ کے دستے ان کے دس سو سونے کے  
 (۱) میں (۳) میل چڑھا تھا۔ دس سو سونے کے دس لاکھ بیگ خاں کی دوا۔ دس نعرائے بیگ خاں کی تین سو سونے۔ اس وقت  
 میری نظر دس کی تھی اور میرے بھائی کی سات لاکھ۔ میری دوا سترہ سو سونے کی تھی۔  
 (۲) اس دوا کے دستے خاندان میں یا تو عورتیں تھیں یا مرد و نورا کھینچے۔ اس کے ہم جیت کھینچنے کے ال اسباب کوئی نہ  
 کی کوئی نہیں کی۔

ایک شخص خدا بہ علاقہ ہی نے دس کاؤنٹنگ آفیس جہاں کا نام تھا۔ میدان خالی دیکھا کہ عروج کے کپ کے تمام سارو سامان، آلہ  
اسباب، بیجوں، چولہا دیو، اوتھوں، بالیوں، دیو پوتہ کر لیا۔ اور شہر انجی سوارا اور ایک باطنی مانتے کے لیے نواب امریش خان سے  
لیگا۔

ریحان انگریزی میں اسے نعرہ شہیدیاں کا نام رکھتا ہے۔ نعرہ شہیدیاں کی نعرہ ہے۔

نعرہ شریک غلام اللہ کے داد نہیں بلکہ بہرہ دہی ہے۔ اور اس کی جڑی اس سے پہلے اور دلور ہے۔

۱۰۰۰

میر نے حبیب اللہ آغا، کوٹلی آغا اور دھننے منن اس سے کہ کھڑا ہو سو مقرر ہوئی۔ معلوم ہوا کہ وہ ادا علی ریزو پور کے ایک گاہک - ص ۱۲۹

۱۰۰۔ ذکر خاکبہ میں ۱۰۰۔ نیز اردو کے مغل، ص ۴۹ (دکن)

۱۰ احوال خائب و غائب و مخاطب خائب و غائب



”اب آپ کو اپنا وعدہ پورا کرنا چاہیے اور جائز ملازمتوں کو ان کا حق دینا چاہیے یا پھر  
مجھے اجازت دیجئے کہ میں جگہ کے اپنا مقابلہ حکومت کے سامنے پیش کروں۔“

اس زمانے میں لوہ صاحب کو بہت ذمہ داری تھی اور ان کے باعث وہ بہت بیمار رہتے تھے۔ انہی ایام میں وہ بہتر علاج سے اٹھتے  
پھر ان کی والدہ کی بیماری بھی جتنی میں سے وہ بہت افسردہ اور غمگین تھے اور میرے سامنے روئے بلکہ چٹکوں پہننے لگے۔ فرمایا  
”تم میرے بچے اور فخر و فخر ہو۔ دیکھتے ہو کہ مجھے کیسے ذمہ داری ہے اور کتنی مصیبت کا  
سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ میرا حق مارا گیا ہے۔ بہت بڑے لوگ کہ جرنیل انگریزوں کی والدہ کی دیکھی  
ختم ہو گئی۔ کہہ اور نکلنے سے کام نہ لیا۔ اتفاقاً میں نہیں پورا ہوا۔“

اس کے بعد بدلی انگریزوں کا انتقال ہو گیا اور پھر ان کی جگہ سرچارلس شکاف کے تقرر کی جبر موصول ہوئی۔

غائب صاحب نے مجھ سے وعدہ کیا کہ سرچارلس شکاف کو آنے والی میرا ہمراہی ان کی خدمت میں پیش کیے کہ ان کے خلاف اس سے قیادت کروا دیا  
اور ان کے معاملات اور تمام کے چلنے کے سرکار انگریزوں سے تعلقات اس کے کو سفیر بنا کر دیں گے تاکہ ان کے اس کا حق مل سکے نہ تو یہ بلکہ میں  
حکومت سے کہہ کر تم انگریزوں کے نام الگ الگ منسلک دوں گا تاکہ میرے بچے اور تمام کو براہ دہا رہے۔ سرچارلس شکاف کے کہنے کے بعد سرچارلس  
معاہدہ پیش آگیا اور وہ نام میرے ذکر پر چلنے اور ان کے شہرہ پستوں کو مزید دینے میں مصروف ہو گیا۔ غائب اور ان کے خاندان بھی وہاں چلا  
تھے انھوں نے مجھ سے مل ساتھ رہنے کو کہا۔

میں اس زمانے میں اپنے بھائی کی بیماری کی وجہ سے ایک مصیبت میں گرفتار تھا۔ مزید یہ کہ انگریزوں نے ان کے شہر اور شہر و دیہات  
سے میرا نکال دیا اور کم کر دیا تھا۔ اس نے میرا سفر کے کچھ طریق تیار نہیں کیا۔

شہر جنرل انگریزوں ان دنوں ملتان میں انگریز کی ریفرنڈنٹ تھا۔ اس کا انتقال ہوا اور ان کے محلے کو یہ خبر ملی کہ اس کی جگہ شکاف  
کا اقربا نام شکاف کے محلے کو دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس درخواست (۱۹۰۱ء) میں غائب کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا۔  
میر محمد کاغذیہ کے کہنے کے مطابق میں نے انگریزوں کے منظور کیا کہ بدلی سنگھ کو یہاں کا نام بنا دیا جلتے جو اس وقت آباد تھے۔ میر محمد  
کے چچے نے بھائی درین سالہ نے اس کی مخالفت کی۔ اس میں انگریزوں نے ملتان سے بدلی سنگھ کی مدد کو سپاہ بھیج دی۔ یہ وہ زمانہ ہے جب انگریز  
ہمایوں طرح سے تھے۔ مارچ ۱۹۰۳ء (۱۳۰۲ھ) میں اس زمانے میں بہت گھبرائے ہوئے تھے۔ انھوں نے انگریزوں کو تسلیم  
منسوبا کر دیا اور ان کو دیکھ کر ان کے احکام صادر کر دیے۔ انگریزوں نے اس کا مطلب یہ لیا کہ حکومت کو مجھ پر شک و دہش نہیں اور اس کے دیکھ  
اور اس کے ختم ہونے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ جب سرچارلس شکاف کے ریفرنڈنٹ مقرر ہوئے تو انھوں نے کہا کہ انگریزوں کو اس میں  
مداخلت کو حکومت کے خلاف میں مان کر ان کے اہانت و دہش کو اس سے یک ہیں انگریزوں کی اس کے ختم ہو جانے کی۔ اب کہ ان کے ختم  
ہونے کو میر (۱۹۰۳ء) کی کہان میں بدلی سنگھ کی کنگہ پر لکھا گیا کہ ان کے ختم ہونے کے بعد انگریزوں کے  
میر محمد کاغذیہ تھا۔ انہی سال کو شکاف کے انتقال سے کیا سے کیا دیا گیا اور بدلی سنگھ کو دوبارہ میر محمد کی کہانی۔  
گویا میر محمد کاغذیہ سے پہلے تھا اور ان کے انتقال کے بعد۔









(۱۴) میرے چچا نعرہ شریک خاں کے وارثوں میں ایک مسند اللہ خاں میر جھال ہے جو عوام کا بھتیجہ ہے۔ قاتب اور شخص خاں نے اسے پہلی گڈی بھی نہیں دی وہ کسی مرتبہ جو مجلس خاں کے پاس گیا اور دہتا دکھڑا ہوا، لیکن قاتب صاحب ہمیشہ عوام کے دھڑکتے اس کا سہارا بن کر بیٹھے اور وہ اپنا سامنے لے کر واپس چلا جاتا۔ آج تک اس کا گڑا اور گھڑا کا سا اناں بیچنے اور میری مدد پر رہا ہے۔

(۱۵) جرات خاں اس کی بیٹا دی ہوئی تھی اور چار بیٹے رہا تھا اور اعلیٰ منتظرہ انھیں لنگڑا نے اس کے دماغ کا قانون بگاڑ دیا اس پر میریانی اور نون کی کمی نیت طاری ہو گئی اور اب وہ مستقل بچا ہے۔

(۱۶) میں کچھ سو رہے سالہ اس کے ملازم پر غرور کرتا ہوں۔ اس کے بڑے بھائی ایک بڑی بے حواس کی محبت کے لئے جمع پیدا ہوئی تھی، تو کہ چاکر اور غلام ملازم اس کے ملازم ہیں چار دیوہ صرف اس کی نظروں اور دیکھ بھال ہی کے لئے چاہتے ہیں آج تک اس کی چوری گھر کی چیزیں چھپ چھپ کر گنڈا کر کے رہے ہیں لیکن جب تک

(۱۷) نعرہ شریک خاں کا احوال وراثت آپ کا یہ درخواست کرتا رہے میرا نام محمد سعید شریک خاں ہے اور صرف میرا فرض ہے۔ امیر شخص خاں کچھ چندہ سو سال دیتے تھے۔ میں نے آج تک اپنے والد عزم کو ہم کو تھے کہ بچہ بچہ کر زندگی بسر کرے۔ اس کے علاوہ میرے باا غلام غلام حسین خاں نے بھی کچھ جائیداد چھوڑی تھی وہ آگر کے چرائے کے علاوہ میں سے اسطاب بہت خاں کے دار کے مشہور ملازم ہیں سے تھے۔ ان میں سے فردوس سے مجبور ہو کر آگر چھوڑا اور وہی کی سکونت اختیار کی جو میرے بزرگوں کا اصل وطن تھا۔ یہاں سے ملے ہزاروں اسکے والد اس کی ناک کی حوروں کا بیٹا دیکھ ڈالی اور اس کے باوجود ان کو میری بڑی بڑا فرض ہے۔

(۱۸) اب میں دیکھتا ہوں اس داؤد کی ماہ و کلکتہ میں آیا ہوں، میری خواہش ہے کہ حکومت میری شکایتوں کا اقرار کرے تاکہ میں شخص عزم و عزم و عزم ہوں اور لیجان نام سے وہاں رو کر بیٹھے بھائی کا ملازم کرنا سکوں۔ اور اگر حکومت نے میری شکایتوں کی کوئی چیز نہ بھاڑ کر کسی طرف نکل جائے گا۔ مثلاً عرب ہے، غم ہے۔ اور زندگی کے باقی اہم کہیں بھیک آج ان کے گڑا ہوں گا کیونکہ میرے جو تعلقات حکومت سے ہیں ان کے پہلی نظر پر گناہ گن ہے کہ میں بہت صحت مندی کسی کے وعدے سے بڑا کر میرا ہوں۔

(۱۹) عرض میری درخواست یہ ہے۔

حکومت نے جب قاتب امیر شخص خاں کو جاگیر دی ہے، تو شرط یہ تھی کہ وہ اس کی ۲۰ سو ہزار روپیہ سالانہ حکومت کو ادا کرے۔ میرے چچا نعرہ شریک خاں فوت ہوئے تو فیصلہ یہ ہوا کہ ان کے اسباب کی دیجے بھائی کریں گے اور میری عزم کے پس ماندگان کو گڑا دیں گے اور ان دونوں خاندان کے عزم میں یہ جیسے عادت کر دی گئی تھی۔ حکومت تحقیق کرے اور قاتب اس میں اس وقت سے گرفتار ہیں انہیں پر اس کا حساب طلب کرے تاکہ معلوم ہو کہ انھوں نے کتنے اسباب رکھے؟ ان پر کیا ملے؟ ۱۵۰۰ اور نعرہ شریک خاں کے خاندان کے گڑا وہ کتنے کتنے رقم ادا ہوتی؟ قاتب امیر شخص خاں نے نعرہ شریک خاں کے خاندان کے لئے خود بخود دی باپ بڑا سا مال کی رقم مقرر کر دی اور اس میں سے بھی میری عزم میں خزانے کے گڑا وہ خاں کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا گویا وہ تمام رقم قاتب امیر شخص خاں کی جائیداد میں سے نعرہ شریک خاں کے پس ماندگان کے لئے مقرر ہوئی تھی اور میں ادا کیا جانا چاہتا تھا، اس میں سے میں صرف تین ہزار سال ملے، اور وہ





ہوتے تھے۔ نادر کے نام پر خسر نے لاٹھا آیا۔ نادر کو گروہ نے جواب لکھا، فلاں کی بڑی دھمک دے گا تو میرے۔ اگر خسر نے اس احساس کو لکھ لیا۔ اس نے ایک خط لکھ کر تخت ملک کے تمام بڑے اہل قبیلہ میں بکھول دیا۔ انہیں جہذیب نامی ادارے قائم کر دیے۔ ان کا مقصد حکومت اور موزن خیرین سے رابطہ قائم رکھنا۔ حکومت کے انکار و مذاص سے عوام کو متاثر کرنا۔ حکومت کی تعزیرات اور ہدایت گشتا۔ لکھنے کے ضرور ہوا خود ہی، اگر خیرین کی معاونت پروری۔ اخلاق اور انسان دوستی کا اعلیٰ نمونہ بننا۔ عوامی چاہتوں کے خلاف اور ان کے ذہنی عوام کے رجحانات بدل دینے جائیں۔ حکمرانوں کی خیالات سے طوری یا غیر دلیلیں۔ اور سرکار کو گریہ و زاریوں اور ان کی بدلتا رہے اور کھڑے رہیں۔

انہیں جہذیب۔ انہیں مطالبہ فہم۔ انہیں اصلاح رسوم۔ سوسائٹی۔ فریضہ تمام انہیں ہو۔ اس کا مقصد اور سربراہ۔ اس شہر کا کھنڈر، قلعہ کا کھنڈر یا شیخ کا حاکم اور اعلیٰ جہد و زور بننا تھا۔ اس ادارے کے جسے شہر کے مرکزی مقام میں منعقد ہوتے تھے پہلے دوسرا اور پھر چاہ طلب لوگ میں نیت یا سیاسی مقاصد کے تحت جمع ہوتے تھے۔ عوامی دعووں سے غارت ہوئی تھی۔ حکام کے پہلو میں نقصان ملتی تھی۔ اور پہلے سے بدنامی کے لئے سلسلے تھے اور دل سکون پاتے تھے۔ اگر خیرین کا ان کے دل میں مگر کہلے اور لوگ سمجھتے تھے کہ میں عزت دی جا رہی ہے۔

تھوڑی دلی اور لاہور میں اس قسم کے اداروں کے الگ الگ نام تھے۔ انہیں جہذیب یا جہذیب بکھڑی۔ دلی میں دہلی سوسائٹی یا اصلاحی علوم و فنون، علم۔ دلی سوسائٹی تھی۔ لاہور میں انہیں پنجاب یا محلوں کے اختلاف سے متصف بنائے تھے۔ باوجودیکہ ایک نئی صورت و سببوں اور دانشمندی کو ان تمام کی قریب جیسا کہ ان تمام کے لئے نیا نیا کی شاعت کا دلیہ کام کرنا۔ دلی انہیں جہذیب کام کی انجام دینے تھی علی اور دہلی قری، انہیں اور دہلی قری مساکین پر بحث و تبادلہ خیالات سے مستفید اور سکون پرست بنائے اس کام میں بھی ہوتے تھے۔

میں نے تھوڑے کے رفقاء عام الہی، انہیں جہذیب کی لاہوری اور لاہوری کا ذکر دیکھا تھا۔ انہوں نے کہ اس وقت یہ خیال نہ آیا کہ اس کا مطالعہ کرتا اور مواد و امکانات۔ دلی سوسائٹی کے بارے میں کسی نے ہم کو کام نہیں کیا۔ بہت جلد جہذیب ڈاکٹر عبدالستار صاحب مدد ملی نے ایک مضمون لکھا تھا اور اس سوسائٹی کے بارے میں کچھ بات چیت میں مضمون کی ایک اشاعت۔ علی غزوہ میگزین غائب نہیں ہوئی۔ دوسری مرتبہ میں مضمون احوال غائب میں چھپا۔ میرے سلسلے میں دعا تھی، ان کی مضمون سے چند فوائد یا نتیجہ حاصل ہوئے۔

دلی سوسائٹی کا بنیادی احساس۔ اور جہذیب کا احساس اور جہذیب کے وقت کر کے بھٹن کٹر دلی کی کوٹھی پر تھا جس میں موزن مشہور اور اگر خیرین نے شرکت کی۔ بھٹن نے جہذیب کا مقصد بیان کیا۔ اور لاہور علی غزوہ وغیرہ کے حوالے سے ایک انہیں قائم کرنے کا منصوبہ پیش کیا۔ اس انہیں کے مقاصد تھے۔

۱۔ علی مضامین لکھنا پڑھنا۔

۲۔ قاریہ اور پڑھنے کے اور تعلیم یافتہوں اور لائوں کی طرف توجہ۔

۳۔ قری مجاہد و فوری۔

۴۔ ہر انہیں جیسے تھا ایک ساتھ یا دور دورہ جلسہ کرے گی۔

۵۔ کتب خانے کا قیام

۱۔ منتخب تجزیہ کی افادیت۔

ختم تفسیر کے لئے پانچ سو سے زائد تفسیریں جمع ترقی علوم و فنون - نام دیا جائے۔  
جس سے دار۔

۱۔ کرنی ہستی، کسٹرونہ، پیرن

۲۔ کہتاں میکسین { پریسیڈنٹ  
۳۔ مرزا ابی بخش

۴۔ دار صاحب سنگھ وائس پریسیڈنٹ

۵۔ ڈیویو کورسٹریم ایچ عالیہ خیلہ آئری سکریٹری۔  
میران کارکن کیٹی۔

۱۔ ڈاکٹر خیلہ ہسپتال

۲۔ ڈاکٹر ہسپتال

۳۔ ڈاکٹر ہسپتال۔ اسٹنڈنٹ کسٹرونہ

۴۔ ڈاکٹر ہسپتال۔ اسٹنڈنٹ کسٹرونہ

۵۔ غائب ضیاء اللہ ہسپتال

۶۔ ڈاکٹر ہسپتال، پرنسپل ڈاکٹر

۷۔ ڈاکٹر ہسپتال، ڈاکٹر اسٹنڈنٹ کسٹرونہ

۸۔ غائب ضیاء اللہ ہسپتال، ڈاکٹر ہسپتال

۹۔ ڈاکٹر ہسپتال، ڈاکٹر ہسپتال

۱۰۔ ڈاکٹر ہسپتال، ڈاکٹر ہسپتال

۱۱۔ ڈاکٹر ہسپتال، ڈاکٹر ہسپتال

۱۲۔ ڈاکٹر ہسپتال، ڈاکٹر ہسپتال

۱۳۔ ڈاکٹر ہسپتال، ڈاکٹر ہسپتال

۱۴۔ ڈاکٹر ہسپتال، ڈاکٹر ہسپتال

۱۵۔ ڈاکٹر ہسپتال، ڈاکٹر ہسپتال

۱۶۔ ڈاکٹر ہسپتال، ڈاکٹر ہسپتال

۱۷۔ ڈاکٹر ہسپتال، ڈاکٹر ہسپتال

۱۸۔ ڈاکٹر ہسپتال، ڈاکٹر ہسپتال

۱۹۔ ڈاکٹر ہسپتال، ڈاکٹر ہسپتال

۲۰۔ نواب خاقان تحصیل دادخیل دہلی۔

جلد ۱۔

دہلی سوسائٹی کا پچاسواں دور ۱۸۶۵ء اور دوسرا دور ۱۸۶۵ء تک ہوا اس جلسے میں نواب اسحاق خان خاقان نے  
گھڑی کی اہانت سے بے تحاشی اپنے مخزن پرکھائیں میں تیار کیا شہر دہلی اس کی بارش کا حال تھا۔ لوگ اسے سکریت لوش ہونے اور نواب نے  
کی تیار کر لیا ہوا۔

اس جلسے میں میرزا عیسیٰ قاضی گھڑی نے نواب خاقان کا نام خیر ۳ پر لکھا ہوا۔

## مضمون نواب اسحاق خان صاحب متخلص بہ خاقان

حکام مصلحت قریب ام اسحاق جان والا مقام کی جناب میں بادشاہان زمین اور داستان پر علم و فن کی طبعیت میں بلکہ مصلحت  
نہایت سے وہاں شہساز ہے اس سے میرزا اس سے کہ یا دیکھو ۱۸۶۵ء میں دہلی کے رہنے والوں نے مانگوں پر شہر کا اور خانہ بند کیا اور  
ایسے قزاق دیوانہ وادگتے زمانے کا قصہ کیا، بیگزنی کا قصہ کہلایا اس شخص کی گلی بارود سے اس پر آگ کا مینہ برسا۔ چار بیٹے چار بیٹے  
علم کی آگ کی بجائی دی۔ قلم اور قلم اس پر فروغ دیا۔ یہی آگاہ قزاق اس شہر سے ہلے ہوا کہ ہر ہمارا کو جیتا مشکل ہوا۔ قوم و گزیر کو  
خلفہ فتح غایت کی، انھوں نے سیاست کے بعد رعیت کی رعایت کی۔ ہر چند حکام کو غور و خفا میں منظور ہوا۔ مگر قریب حکام شہر کی ہر قسم سے زمین  
کا پتہ دکان کے آثار دہلی کی کچھ دہلی بازار۔ ان کو ہرگز کا مصداق اس سے بہتر ہے۔ گروہ عمارت میں ہر قسم کے ہرگز کا آمد و رفت  
وہ کو حیرت۔ خیر

سپس ہر آئینہ مشہرے میں نمایاں ہوا

وہاں کو شہر و جہاں سلامت و دریاں قیوم

رفیع فتنہ و فساد، انور امن و داد و سلم، دیکھ کر انھیں کہہ جاتی ہیں ہاں، خلافت اللہ پر محمد بن نہیں آتی، انھیں ہر ہر ہاں نکال  
دے۔ ہر شخص خست و حال رہا۔ آپ دہلی کی تاسار گری، طرح طرح کی مصیبت، درگ، جنگ کی چار دیواری، تلخوین کا تپ کی حرارت سے سنگ  
گروہ میں ہاں کیا آگ کا لگنا۔ ہر مشہور و جزا نامہ لکھتے، دریا اور کوئی کا پانی نہ رہا، منہ کے پانی کی ہر گزیر کتاب اور اسحاق  
سادق میرزا سے دو بیٹے کام ہوئے۔ سادق کے آخراں ہمدون اول و دو چار جہت ہوئے۔ جس میں پانی اس قدر ہرگز اور سیدھا  
نے حاصل فصل و چیت سے آفت و صحت۔ پانی ان کار کا حال خدا ہائے خلق اس کے سزا کو کہا جاتے۔ گزائی اسحاق خان ایک اور حکام ہے  
بجے خاصہ اپنے عرف اور عات کا ہے۔ ہوا ہوا، انھوں ہوا، اگر کوئی چھتہ قریب ہوا ہوا ہے

خسعت نے خاقان ہٹا کر دیا

وہ ہم بھی آئی تھے کام کے

میں کہاں ہر دم نشین کہاں، قلم و قریب وہ نشین کہاں۔ سزا کی خدمت گواہی کا خالق ہوں۔ نواب موت و کام کے  
نہ ہوں، اگر کسی میں ہر گز خطا کہتے کہ کہہ جاتے تو وہ ٹھیک ہوں۔ جو میری رائے میں آئے یا اگر قریب قلم و قریب کا حکم  
آئے تو کوئی کچھ نہ ہوں۔ آئندہ کام کے پسند ہوا مقبول ہوا ہے۔





زنگنه حسین فاضل محمودی

مستطیل

تکلیف و تکلیف

**سفر** | اس شہر میں علم نے وہ دروازے پایا کہ ہم کر سکتے ہیں کہ آپ نے وہی کو غنہ یونان بنا یا اس دنیا کے معجزوں میں ایک نیا

**مسئلہ نمبر ۱** نزدیک اس سے کم نہیں ہے، جاہل کا عالم عالم بگڑا۔ آپ نے جو ہر طرف ہزاروں جاہل عالم بنا دیے ہیں مگر انجاہل عالم کے قہر میں جاہل بگ

**مسطر** | فقر کام کرے عرصے جلائیے ہیں۔ روح: مرنے جسم کی اور علم مرنے عقل کا ہے۔ دانشمند کو گمبختوں و ہائیں کو علم دیتے ہیں۔  
روح سے سوا ہے۔

مطرحاً آپ میں لکھی تقریریں پڑھائیں گے جو سیایاں دلائل آپ سے فیض پاتی ہے، وہ دلائل بھی فیض پائیں گے اور اللہ جل  
سوساتھ کے میرن کو

منطوق: اس گیس کے ذریعہ یہ خشک آگے آگیا اور اتفاقاً رائے ہرگز یہ امر قرار پائے گا کہ نہیں، مسدود کی جگہ رہنا نہیں، اس کے بدلے

عزیز! نفل دیکھا ہے۔ روح علم کو جس سماں تک ہی دو چند ہوتے دو، جیسے تم کا سیلاب ہوئے اوسوں کو بھی بہرہ مند ہونے دو۔

۹۔ طریقہ: یہی وہ طریقہ ہے کہ اس کا یقین ہے کہ ہمارے حقوق کیس ہیں، ہم کو بھول نہ جائیں گے اور وہیں سے ہماری حقارتیں  
 ۱۰۔ طریقہ: توہ فرمائیں گے

طیاب امی سرور دلا دلا دلا  
شاد دلا پاؤں مغلہ دلا دلا دلا

مبارت کے بعد ۳۰ گھنٹہ کی ۲۶ تا ۲۷ اور ۱۸ تا ۱۹ نام انگریزی کی ہیں اور مسکلات کے نمونہ رقم سے ہی کہہ سکتے ہیں جاتے جویا لیں نام صاف لکھے ہیں ان کی فہرست یہ ہے۔

1999, 2000, 2001, 2002, 2003, 2004, 2005, 2006, 2007, 2008, 2009, 2010, 2011, 2012, 2013, 2014, 2015, 2016, 2017, 2018, 2019, 2020, 2021, 2022, 2023, 2024, 2025, 2026, 2027, 2028, 2029, 2030, 2031, 2032, 2033, 2034, 2035, 2036, 2037, 2038, 2039, 2040, 2041, 2042, 2043, 2044, 2045, 2046, 2047, 2048, 2049, 2050, 2051, 2052, 2053, 2054, 2055, 2056, 2057, 2058, 2059, 2060, 2061, 2062, 2063, 2064, 2065, 2066, 2067, 2068, 2069, 2070, 2071, 2072, 2073, 2074, 2075, 2076, 2077, 2078, 2079, 2080, 2081, 2082, 2083, 2084, 2085, 2086, 2087, 2088, 2089, 2090, 2091, 2092, 2093, 2094, 2095, 2096, 2097, 2098, 2099, 2100, 2101, 2102, 2103, 2104, 2105, 2106, 2107, 2108, 2109, 2110, 2111, 2112, 2113, 2114, 2115, 2116, 2117, 2118, 2119, 2120, 2121, 2122, 2123, 2124, 2125, 2126, 2127, 2128, 2129, 2130, 2131, 2132, 2133, 2134, 2135, 2136, 2137, 2138, 2139, 2140, 2141, 2142, 2143, 2144, 2145, 2146, 2147, 2148, 2149, 2150, 2151, 2152, 2153, 2154, 2155, 2156, 2157, 2158, 2159, 2160, 2161, 2162, 2163, 2164, 2165, 2166, 2167, 2168, 2169, 2170, 2171, 2172, 2173, 2174, 2175, 2176, 2177, 2178, 2179, 2180, 2181, 2182, 2183, 2184, 2185, 2186, 2187, 2188, 2189, 2190, 2191, 2192, 2193, 2194, 2195, 2196, 2197, 2198, 2199, 2200, 2201, 2202, 2203, 2204, 2205, 2206, 2207, 2208, 2209, 2210, 2211, 2212, 2213, 2214, 2215, 2216, 2217, 2218, 2219, 2220, 2221, 2222, 2223, 2224, 2225, 2226, 2227, 2228, 2229, 2230, 2231, 2232, 2233, 2234, 2235, 2236, 2237, 2238, 2239, 2240, 2241, 2242, 2243, 2244, 2245, 2246, 2247, 2248, 2249, 2250, 2251, 2252, 2253, 2254, 2255, 2256, 2257, 2258, 2259, 2260, 2261, 2262, 2263, 2264, 2265, 2266, 2267, 2268, 2269, 2270, 2271, 2272, 2273, 2274, 2275, 2276, 2277, 2278, 2279, 2280, 2281, 2282, 2283, 2284, 2285, 2286, 2287, 2288, 2289, 2290, 2291, 2292, 2293, 2294, 2295, 2296, 2297, 2298, 2299, 2300, 2301, 2302, 2303, 2304, 2305, 2306, 2307, 2308, 2309, 2310, 2311, 2312, 2313, 2314, 2315, 2316, 2317, 2318, 2319, 2320, 2321, 2322, 2323, 2324, 2325, 2326, 2327, 2328, 2329, 2330, 2331, 2332, 2333, 2334, 2335, 2336, 2337, 2338, 2339, 2340, 2341, 2342, 2343, 2344, 2345, 2346, 2347, 2348, 2349, 2350, 2351, 2352, 2353, 2354, 2355, 2356, 2357, 2358, 2359, 2360, 2361, 2362, 2363, 2364, 2365, 2366, 2367, 2368, 2369, 2370, 2371, 2372, 2373, 2374, 2375, 2376, 2377, 2378, 2379, 2380, 2381, 2382, 2383, 2384, 2385, 2386, 2387, 2388, 2389, 2390, 2391, 2392, 2393, 2394, 2395, 2396, 2397, 2398, 2399, 2400, 2401, 2402, 2403, 2404, 2405, 2406, 2407, 2408, 2409, 2410, 2411, 2412, 2413, 2414, 2415, 2416, 2417, 2418, 2419, 2420, 2421, 2422, 2423, 2424, 2425, 2426, 2427, 2428, 2429, 2430, 2431, 2432, 2433, 2434, 2435, 2436, 2437, 2438, 2439, 2440, 2441, 2442, 2443, 2444, 2445, 2446, 2447, 2448, 2449, 2450, 2451, 2452, 2453, 2454, 2455, 2456, 2457, 2458, 2459, 2460, 2461, 2462, 2463, 2464, 2465, 2466, 2467, 2468, 2469, 2470, 2471, 2472, 2473, 2474, 2475, 2476, 2477, 2478, 2479, 2480, 2481, 2482, 2483, 2484, 2485, 2486, 2487, 2488, 2489, 2490, 2491, 2492, 2493, 2494, 2495, 2496, 2497, 2498, 2499, 2500, 2501, 2502, 2503, 2504, 2505, 2506, 2507, 2508, 2509, 2510, 2511, 2512, 2513, 2514, 2515, 2516, 2517, 2518, 2519, 2520, 2521, 2522, 2523, 2524, 2525, 2526, 2527, 2528, 2529, 2530, 2531, 2532, 2533, 2534, 2535, 2536, 2537, 2538, 2539, 2540, 2541, 2542, 2543, 2544, 2545, 2546, 2547, 2548, 2549, 2550, 2551, 2552, 2553, 2554, 2555, 2556, 2557, 2558, 2559, 2560, 2561, 2562, 2563, 2564, 2565, 2566, 2567, 2568, 2569, 2570, 2571, 2572, 2573, 2574, 2575, 2576, 2577, 2578, 2579, 2580, 2581, 2582, 2583, 2584, 2585, 2586, 2587, 2588, 2589, 2590, 2591, 2592, 2593, 2594, 2595, 2596, 2597, 2598, 2599, 2600, 2601, 2602, 2603, 2604, 2605, 2606, 2607, 2608, 2609, 2610, 2611, 2612, 2613, 2614, 2615, 2616, 2617, 2618, 2619, 2620, 2621, 2622, 2623, 2624, 2625, 2626, 2627, 2628, 2629, 2630, 2631, 2632, 2633, 2634, 2635, 2636, 2637, 2638, 2639, 2640, 2641, 2642, 2643, 2644, 2645, 2646, 2647, 2648, 2649, 2650, 2651, 2652, 2653, 2654, 2655, 2656, 2657, 2658, 2659, 2660, 2661, 2662, 2663, 2664, 2665, 2666, 2667, 2668, 2669, 2670, 2671, 2672, 2673, 2674, 2675, 2676, 2677, 2678, 2679, 2680, 26

- |   |                        |
|---|------------------------|
| ● مرزا اہلی بخش                         | ● نمر سید شفیق عت      |
| ● چوند اہل انوری کیمبرش                 | ● عبد القادر           |
| ● غلام حمید رفائی                       | ● راجہ دریا سنگھ       |
| ● راجہ سالک دھام                        | ● محمد الطیف حسین      |
| ● ہیش داس انوری کیمبرش و دیگر نسل کشوری | ● حکیم چند             |
| ● نیاز پو خدا گنگ چند                   | ● ..... اعل            |
| ● محمد ضیاء الدین                       | ● سالک دھام مشہور دہلی |
| ● غلام رضا                              | ● خدا بخش              |



دائے ہم دگرے ہر قرینے لاکر نہیں مسد کی جگر دھار نہیں ۔ دیا کے پانی میں بکھل دو کار نہیں  
 دھان علم جو کھانگ میں دو چند ہونے دے جیسے تم کا سیاب ہونے ابدوں کو بھی بہرہ مستند  
 ہونے دے

دینکے پانی کی روحانی سیاری اند بکلی سی حرکت ۔ اپنی غرض حق اور وہ سروں کی قربانی کشنی غرض صورت ہے ۔ نصحت ہونے  
 والے کے دل والے صاف سے غور کیا ہے تم نہیں کہو تے بلکہ پنجاب دلوں پر رشک آتا ہے کہ وہ لوگ کو لاسٹریم کی سماء دے دے ہی سٹیشن  
 پائیندے ادم غورم نہ جانینگے ۔ پھر کاشیں کرنے کا بھی گپے جو انواریت سے کہ ان کا کرتے  
 سہا سنے کے نالہ میں دو شروں کا ایک تعد بھی ٹکد ہے جس بھی رنگ اشعار خاکسبر کے دفتر میں میر کا تجربے نہیں گزرا

یا رب اس سرور دلاور کو  
 اس خداوند ہندہ پرور کو  
 مشاد و آباد و مستادان رکھو  
 اور ہم سب ہ ہرمان رکھو

سپاس آئے کے جہل کے کچے پڑے نواسش خدا تعالیٰ سے ایک تجربے ، لیکن یہ کہ یہ نوٹ خود کو لاسٹریم کے ہاتھ کی قریب ہوں اس  
 نوٹ میں لکھا ہے ۔

”یہ سپاس نامہ ”وارہا شقشہ“ کو دیکھ میں میرے گریہ کی سوسائٹ کے بیرون نے پتیل کیا تھا  
 میری دل کا یہ دفتر ناب شہاب الدین خان ، محمد نائل ، ہمیش داس اور دیر سٹنگے پر مشتمل تھا ۔  
 اصل عبارت یہ ہے ۔

THIS SPAS NAMA WAS PRESENTED TO ME AT MY  
 HOUSE IN DELHI ON THE 12ND OF MARCH, 1916 BY  
 A DEPUTATION OF MEMBERS OF THE DELHI SOCIETY  
 CONSISTING OF HANNA SHAHABUDDIN KHAN, CHURCH HILL  
 MENESH DAS, WAZIR SINGH

ناکردہ گنت ہوں کی بھی حسرت کی ملے داد  
 یا رب اگر ان کردہ گنت ہوں کی سزا ہے  
 تمہیں ہی وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں  
 تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے بستم ہوئے

- ہر دم مشتاق کیل دوا نہ ہوا
- پہلے کا شیرازہ کیا مشتاق شیرازہ بھی تھا
- میں ہوں مشتاق پہلے کا تھا پہلے پہلے اور بھی
- پھر ہوا وقت گھر ہوا دل مشتاق میں نظر آئے
- پانچے خاؤں سے پہلے خاؤں خاؤں خاؤں
- اسے تارہ نشاۃ چکر سو گئے کیا ہے
- جہاں ہم ہیں وہاں دہرہ دہریہ کی آواز گونج رہی ہے
- کسی کو جسے سے دل کوئی تارہ نشاۃ کیوں ہو
- دل سے تری نکالو ستر گنگا نہ گنجی
- ہوس کو جسے لطف بدکار کیا کیا
- ہاں ہجوم آتش سے تارہ نشاۃ یا سب مت
- نہیں تری گنگا کا ہوا دھوکہ بیشتا نہ ہوا
- میں غنیمت یہ بخشش یا ہر طرح ہوں

# اعْتِبَارِ نَغْمَہ

(نذرِ غالب)

## غالب

### نصیح خاوند

دل سے گیا پھر بھی اسے دلیر نہ کہا جائے	طلحہ بید و حق آنست کہ دلبر نتواں گفت
بیدا و ہے جائیں، ستم گز نہ کہا جائے	بیدا و تراں دید و ستم گز تراں گفت
مذکور کہاں دن میں تھے تیج و سناں کا	در بزم غیش ناپیچ و شجر نتواں برد
مثل میں تری یاد و سافر نہ کہا جائے	در بزم غیش یاد و سحر نتواں گفت
مے دیتا ہے دن رات یہ ساقی کہیں کیسے	پیراستہ دم یاد و ساقی نتواں خواند
ہمت کی صاف ہے روزہ آؤ نہ کہا جائے	ہموار تراشد بیت و آؤ نہ تراں گفت
اب بیت چکا جو بھی گزرتا تھا فناں کیا	ہنگام سیر آمد چہ زنی دم ز تعلیم
ڈھانچے ہیں ستم، پر سر مشرد کہا جائے	گر خود کستے رفت بمشتر نتواں گفت
یہ گرم دوی سائے نہ چٹکی کی طلب ہے	در گرم دوی سایہ و سر مشرد بخونیم
ہم سے سخن طوئی و کوثر نہ کہا جائے	یا ماسخن از طوئی و کوثر نتواں گفت
جو راز ہے سینے میں نہاں، غلط نہیں ہے	آں راز کہ در سینہ نہاں است نہ غلط
بردار کہا جائے، یہ شہر نہ کہا جائے	بردار تراں گفت و یہ شہر نتواں گفت

## غالب رفیق خاور

محو کر نقشِ دولہا زورقِ سینہ ما  
 ہو کر نقشِ دولہا کو ورقِ سینہ سے  
 وقت تاراجِ غمِ قسمت چہ پیدا چہ نہاں  
 آجھو رنگ از رنگِ ما رفت دل از سینہ ما  
 چہ تماشا ست ز خود رفت حیرتِ برون  
 صورتِ ما شدہ عکس تو در آئینہ ما  
 عرصہ بر الفتِ انہار چہ تنگ آئند ہست  
 غرضِ فرو رفتہ بہ طبع تو خوشا کینہ ما  
 محشم زادۂ اطراف بساطِ عذیم  
 گوہرا ز ہیضہٴ عنقا ست بہ گنجینہٴ ما  
 نیست مستان ترا تفرقۂ بد و بدال  
 یادہ بہتاب ہند در شبِ آدینہ ما  
 خونِ دل تھادہ مگر جو پے ٹپک جانے کو  
 کیفِ آشام ہوئے میں سے دوشینہ سے

## عنابت فیض خاورد

ہوا خا ہر جہاں میں عاجزی سے خطر اپنا  
زینت دست ہے گریہ قباہش رشتے کھراپنا  
خوشا وہ جاں کہ میں غم ہی غم ہو سرے پاؤں تک  
فدا پر پھر تو زمین کی سے لطف انتظار اپنا  
سہرا چہ تیرے بیٹھا اک کیف رکھتا ہے  
کہ جو بھی خود سے جائے گا وہ ہوگا ہم کنار اپنا  
جہاں شور محبت کو ترے بلے پردہ پالیتا  
اگر داما بن خصل گل نہ ہوتا پردہ دار اپنا  
ابھی تک آنکھ کی مٹی میں اک طرف تماشا ہے  
ہے شبنم موج بادہ پر تو شمع مزار اپنا  
خوشا آوارگی اگر نہ درد شوق میں باندھے  
پرتاب پرین شیار زہ مشقت عبا اپنا  
ہاں شمع زمینت دیاں ہوتے ہے کاہش سے  
گھنا ز جو ہر ہستی ہے غالب آبدار اپنا

یہ گیتی شد عیاں از شیوہ عجز اضطراب  
زینت دست مابا شد قباہش رشتے کار ما  
خوشا جانے کہ اندھے فرو گیر دسرا پائش  
دفعہ میدی توان پرمید لطف انتظار ما  
لشون بر سر راہ خمیستر علیحدہ دار  
کہ ہر کس میرود از خوش میگردود چار ما  
حریفان خوش عشق ترایے پردہ دینے  
بیا ماں عزت گشتے موسم گل پردہ دار ما  
ہنوز دست چشم تو میں بالدم شائے  
بموج بادہ ماند پر تو شمع مزار ما  
خوشا آوارگی گرد درد شوق بر بند  
بتاروا خنے شیرازہ مشقت عبا ما  
ہاں شمع را با نیست از کاہدنت اینجا  
گھنا ز جو ہر ہستی است غالب آبدار ما

## عناص

ترجمہ  
رفیق خاور

برہنہ آید ز چشم از جوش میرانی مرا	آنکھ سے باہر نہ آئے ہے وہ میرانی مجھے
شد شب ز قار تسبیح سلیمانی مرا	ہے نگہ ز قار تسبیح سلیمانی مجھے
ہم جوش بیگانہ زنی با من دل و جان کسے	ایسے ہی بیگانہ رہ محبت مرے جان و دل
بدگماں کروم اگر دامن کہ می وانی مرا	یہ جانا کہ جانتے ہو عین نا وانی مجھے
باہم فرسندی از دوسے شکوہ ہا دارم ہے	اتنا خوش ہونے پر بھی کیا کیا مجھے شکوہ نہیں
تا نذا صید پر سہاٹے پہنانی مرا	تاکہ چلتے صید پر سہاٹے پہنانی مجھے
تا براحت مروم و بیکہ بھانک نامدی	جب سے تری رہ میں جاں دی تو نہ آیا خاک پر
دوڑنے گردیدہ اندوہ پشیمانی مرا	میں گیا دوزخ یہ اندوہ پشیمانی مجھے
خوشی را چوں موج گوہر گرچہ گرد آورده ام	گرچہ خود کو موج گوہر کی طرح سمٹا لیا
دل پرست از فوق انداز پر افشانی مرا	دل ہے پر از فوق انداز پر افشانی مجھے
تشنہ لب بر ساحل دریا زینت جان و دم	تشنہ لب ساحل پر ہاں ہے ڈالوں غیرت کے سب
گر موج افتد گمان پیمانی مرا	موج پر گر ہو گمان پیمانی مجھے
با سراج الدین احمد چارہ جز تسلیم نیست	با سراج الدین احمد چارہ جز تسلیم کیا
ورنہ غالب نیست آہنگ غزل خوانی مرا	ورنہ غالب کی ہے آہنگ غزل خوانی مجھے



## عالم تجربہ رفیق خاور

از تسک اگر ساختہ پروا خستہ ما  
ہے تجھ سے اگر ساختہ پروا خستہ اپنا  
کفر سے بنود مطلب ہے ساختہ ما  
کب کفر مرا مطلب ہے ساختہ اپنا  
پروہ و کلام نازیم بہ رحمت کدہ عجز  
پروہ و کلام نازیم بہ رحمت کدہ عجز  
برہائے تو باشد سرا فرا خستہ ما  
برہائے تو باشد سرا فرا خستہ اپنا  
ہم طرخی سودا زدگان تو بلا مشد  
ہم طرخی سودا زدگان تو بلا مشد  
کامشائے امنیاء برا خدا خستہ ما  
کامشائے امنیاء برا خدا خستہ اپنا  
در عشق تو بر ماست دیت اہل نکر ما  
در عشق تو بیخ بخیال آخستہ ما  
ایروئے تو تیغ بخیال آخستہ ما  
ایروئے تو تیغ بخیال آخستہ اپنا  
حیرانی ما آئینہ مشہرت یارست  
حیرانی مری آئینہ مشہرت مجرب  
شد جاودہ بگویش نفس با خستہ ما  
کوچہ کی طرح ہے نفس با خستہ اپنا  
دقت ست کہ چوں گرد ز ترکیب نیے  
دقت ست کہ چوں گرد ز ترکیب نیے  
ریند پرواہی نفس فاختہ ما  
ریند پرواہی نفس فاختہ اپنا  
ہر جاوہ گہ از نقش پئے شست بہ گلشن  
ہر جاوہ گلشن ترے نقش کف پاسے  
چاکیت بہ حبیب ہوس انداختہ ما  
چاکیت بہ حبیب ہوس انداختہ اپنا

## غالب ترجمہ رفیق خاورد

نہ کو نہیں یقیں اگر زمست انتظار	زمین گریست بود باور انتظار بیا
یونہی بہانہ جو نہ بن اور سیزہ کا	بہانہ جو کہ صباش و سیزہ کار بیا
ایک دو رنگ جوست کیے ہوشا دیاں یہ دل	ایک دو مضبوطیہ ستم دل نمی شود خیزش
تیرے تیارے کے تو کلفت روزگار	ہر گز من کہ بہا مان روزگار بیا
تیرا مدد یہ التفات و دگرگان شوق ہے	بہانہ جوست و الزام مدعی شوقست
دل کے امید کے خلاف حاجی امید وارا	بیکہ بر عزم دل تا امید وارا بیا
مست جمال کے لئے خیرہ ضبط مرست ہے	ہلاک شیوہ خشکیں خواہ مستان را
باہر پار کی طرح لوٹ کے رہ سپار	عنان گسست تراز با تو بہار بیا
ہم سے قرار تو ذکر دوسروں سے ہولہ شوق	زما گستی و با و یجراں مسر و ہستی
عہد وفا تہیں ترا حیف کہ استوار	بیا کہ عہد وفا نیست استوار بیا
تیرا فراق تیرا وصل ، دونوں میں اور جن شرا	و دار و وصل جدا نکا نہ لاتے وار و
ہاں تو ہزار بار چاہاں تو ہزار بار	عسراں بار و بر و صد عسراں بار بیا
تو ہے کہ ملحق سادہ دل اور حریف فقار	تو لطف سادہ دل و ہم نشین بآموزست
گر تو جہانہ پردہ آئے اخیر سب ہزار	جہانہ گزرتاں دید بر مزار بیا
ہائے وہ ناز کے سنوں ، کیا کہوں دل میں کیا نہیں	فریب خوردہ نازم چہا نمی خواہم
ایک فدا بہ پریش حاجی امید وارا	بیکہ یہ پریش جان امید وارا بیا
تیرے شراز سے فزون ناز کنی شکیب جاں	زخوئے گشت نہا و شکیب نازک تر
آ کہ ہے اب تو جا رہا امت سے اختیار	بیا کہ دست و لم می رود ز کار بیا

## عَبْدُ الْحَمِيدِ عَدَم

کچھ ہوا کارِ عشق یا نہ ہوا  
 عینِ دھوکے میں مبتلا نہ ہوا  
 حیلہ کو اپنا گھر تو مت سمجھو  
 دامنِ غر و ہاں کھٹکا نہ ہوا  
 حلقِ بھینٹا آدمی سے عیشا  
 لیکن اس بات کو زمانہ نہ ہوا  
 کچھ تو ہوتا ہے۔ شیک ہو کہ غلط  
 خیر جو کچھ ہوا۔ بُرا نہ ہوا  
 اُن کے احساں تو بے نہایت تھے  
 اتفاقاً مرا سمجھنا نہ ہوا  
 مصلحت کے تمام رشتے تھے  
 کوئی جنجال دیر پا نہ ہوا  
 ہائے وہ بد نصیب غطرہ علی  
 جو قاصدِ یارِ قبا نہ ہوا

کچھ نہ کھاتا ہے اور نہ پیتا ہے  
 اک فرشتہ ہوا، خدا نہ ہوا  
 مدعا خود ہی مر گیا ہنس کر  
 مشکوے غرقِ مدعا نہ ہوا  
 بات کی آن رہ علی ثامت  
 بات کا کوئی فیصلہ نہ ہوا  
 میں نے پیڑا مت مصلحت ملے  
 وہ بھی کچھ سون کر خفا نہ ہوا  
 جوئے شیر ایک مرتبہ نکلی  
 پھر کوئی عہدِ وفا نہ ہوا  
 میں تو در توڑنے لگا تھا عدم  
 پاساں حوصلہ سُزا نہ ہوا

## جمیلہ الہیہ عانی

①

ہوئی تاخیر تو مشورہ نہ تھا خیر بھی تھا  
کیا جانتے کہ ادھر کئی عیاں گھر بھی تھا

②

پیری ہر بات جفا ہے تو جفا اور بھی  
اپنا پیر بھی گلا ہے سو گلا اور بھی  
یوں بھی کچھ کم تو نہ تھا اتنی بہاروں کا حجوم  
ان میں شامل ترے دامن کی ہوا اور بھی  
میں مُصر بھی تھے اظہارِ نہایت پہ نہیں  
آج سے معنی اندازِ وادا اور بھی  
سو برس بعد غلٹی نے غزل پھر لکھوائی  
کم ہوا مدح تو خوب اور بڑھا اور بھی

عمر بھر تہمت و حشت سے نیا ہی ہم نے  
گو ہمیں مدحِ حراں ہا رہی زنجیر بھی تھا  
ہائے یہ جبرِ خوشی کہ ہم اس مغل میں  
ایسے تازاں ہیں کہ گویا بے تکرر بھی تھا  
حیف عانی بھی غزل اُس کی غزل پر لکھیں  
وہ جو غالب بھی تھا اور معتقد میر بھی تھا

سہ حضرت علامہ ذالرحمن عثمان عانی عین الہیہ عثمانی کے دادار کے۔

### شیر افضل جعفری

دل کی ٹپن پہ چمک اٹھی ہے کیا موج شراب  
 دے رہی ہے مجھے کھاگن کا پتا 'موج شراب'  
 جلنے بجھنے میں ہے جوبات پکے میں کہاں  
 کبھی دیکھ، کبھی ملہا رستا موج شراب  
 رُوح میں پہل چلتی رہی صبا کی طرح  
 دے گئی پھر اسے بھل کی ادا، موج شراب  
 یہ تو کروز کو ہتھیلی پہ جنم فرماتا ہے  
 خطِ تقدیر کھینچا اور کھینچا موج شراب  
 گسگساتی ہوئی آنکھوں کے ہل ٹھوڑوں میں  
 کوئی بتلائے لت راک ہے یہ موج شراب  
 آرتی کرنے کو چمپا ل پھارن کی طرح  
 من کے مندر میں جلاتا ہے دیو موج شراب  
 دُور بوتل میں تو یہ آگ پڑی لگتی تھی  
 آگے ہونٹوں پہ ہوئی آبِ بقا موج شراب  
 پس کی رات میں کھٹکڑے ہوئے ناپ کے ٹکے  
 بن گئے جیڑ کی دھوپ اور ضیا موج شراب

## ۔ جھڑپا ہٹ

میں الفاظِ ذیہ طرفہ معانی مانگے  
 آج کا دور تو آشفستہ بیان مانگے  
 صبح اک زخم جو ہر گل کا گرجا بنی ہے  
 شام چھائے تو چمن مرثیہ عزانی مانگے  
 آنکھ اک ابرو شفق رنگ بنے اور پرے  
 غم کی یہ آگ تو طوٹتا بہ نشانی مانگے  
 اب جو اگلے توکوں بن گیا ٹھٹھے بوجِ فزا  
 آج اک تیر مری تشنہ دہانی مانگے  
 یہ نگاہوں کا نتیجہ زبانون کا سکوت  
 اور کیا موت کی توہم سے نشانی مانگے  
 مژدہ اسن دامانِ نفوذی غم میں حیات  
 آج اندازِ بے عالم فانی مانگے  
 کارواں تشنہ ہے یاد کوئی چشمِ چھوٹ  
 چشمِ صحرا کسی زمرم کی روانی مانگے

جنتِ عشق سے کمزور خبردار نہیں  
 آگ سے بھول تو پھرے یہ پانی مانگے  
 گوریا، مصر، فلسطین، جنوبی ویتنام  
 آج کیا کیا نہ تری ریشہ روانی مانگے  
 ہم تہی دست و سخن مست قلند و محلیہ  
 جلتے کیا ہم سے یہ دنیا یہ ودانی مانگے  
 تختہ دل پر اسے برسوں سے بھارا رکھا ہے  
 کیا کروں یا تو اب تاج کیانی مانگے  
 غم فرا د میں کیا پھوٹ کے رختے ہیں پیاز  
 اسے کیا بہنو شیریں یہ کہانی مانگے  
 دیکھ یہ طرز و طراز سخن و طور و کلام  
 دادِ غالب سے مری، مجیدانی مانگے  
 ہم شہنشاہوں سے واقف نہیں جعفر طائر  
 ہم سے ہیبت کوئی نوخیز جوان مانگے

## یزدانی جاندھری

تسلیم درما شیوہ اریابِ وفا ہے  
ہیں زخمِ یکجے میں تو ہنٹوں پہ دعا ہے  
تہنائی میں یوں بھی مجھے مسوس ہو ہے  
میں طرح کوئی میری طرف دیکھ رہا ہے  
اک حشر شبِ حیر کے پہلو میں پہا ہے  
تہنائی کا بر لو مجھے ڈسنے لگا ہے  
جو آنکھ ہے تصویر سی ہے سوزِ دہوں کی  
جما شک ہے آئینہ احساسِ وفا ہے  
دُعاؤں کوئی ساتھی جو کسی دشتِ دہا میں  
اک اپنا ہی سنا یہ مجھے ہمراہ ملا ہے  
اب دیکھئے ہنگامِ سحر ہوتا ہے کیا رنگ  
یہ دل کا دریا جلنے کی حد تک تو جلا ہے

معزور رہا ہو خود پہ تو اسے شمعِ فروزاں  
پروا ہے کی آنکھوں میں کوئی اور ضیاء ہے  
دُعاؤں کی عجب صُوت ہے ویرانہ دل میں  
بیسے کسی دیوانے کے حُسن کی صدا ہے  
اس طرح انگ بیٹا ہوں صُورائے دہا میں  
جیسے کوئی نغمہ دلِ مطرب سے بجا ہے  
ہے مطلعِ حالات پہ یوں مہرِ تغیر  
جیسے کسی شاعر نے نیا شعر کہا ہے  
اختلائے حقیقت ہے حقیقت میں بڑا جہم  
منصور ہے یہ مازِ مہر دار کھٹلا ہے  
یزدانی سے ملنے چلے آئے ہیں بگولے  
پر ہا دلِ وحشی کا بہت دور گیا ہے

## شرق بنے شہرِ شوق

صرف اتنی سی نسبت ہے مجھے زادِ سفر سے  
سرمایہ مری راہ کا ہر عنصرِ شوق پاس ہے  
رہنے دو مجھے خوشترِ خلعت میں ہی یاد !  
بدنام اُمالوں سے اندھیرا ہی بھلا ہے  
نسکین کی باتیں بھی بڑی چیز میں یکن  
دل محو رہے تباہی، سیلابِ غم ہے  
بکھرے ہیں ہر اک راہ میں اشکوں کے نشانے  
مضطرب بہت شہرِ رنگا راں کی ہوا ہے  
میں ڈوب کے بھی زندہ جاوید ہوں شرق  
لہروں نے مرا نام سمندر پہ لکھا ہے

جنا ہے ہم آج تو یہ کس کی خطا ہے  
خود سوکھے ہوئے پتوں نے شلوں کو چنا ہے  
رنگ اس کا ہے شامل مری خوشبوئے فنا ہے  
یوں بگنے کو ہر پھول بہاروں کی عطا ہے  
یہ فیصلہ کرنا بڑا گوشوار ہوا ہے  
تو کب سے مرے ساتھ ہے تو کب سے جدا ہے  
نغمے ہی نہیں بگتے ہیں اب نغمہ سرا بھی  
دلچسپ بہت جرمِ بصیرت کی مزا ہے  
وہ شمعِ طرب ہو کہ چراغِ شب بھراں  
ہمدانہ ہر اک رنگ میں پا بند فنا ہے  
اب من و محبت میں کہاں رشتہِ خاطر  
انسان خود اپنے ہی مناصرے نفا ہے



## خزینے لہ ہیا نشوئی

بہر سو، سر کی، جاں کی، تن کی، من کی آزمائش ہے  
 "جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسی کی آزمائش ہے"  
 چمن ویاں، گلن، انروہ، ہوا ساکت، فضا دھندلی  
 وہ موسم ہے، مشوار اہل فن کی آزمائش ہے  
 کڑکچ بھلیاں ہیں، آندھیاں ہیں، ریح ہوائیں ہیں  
 شجر کی، شاخ کی، گل کی، چمن کی آزمائش ہے  
 مہر و شست و شا ایسی ہوائیں چل پڑیں یا رو  
 گریباں کیا، بدن کے پیر من کی آزمائش ہے

کہیں آئینہ بندی ہے کہیں گھر عمر ہے ویرانی  
 خرو کے شہر میں دیوانہ پن کی آزمائش ہے  
 اسے تیشے کے راقوں کی میٹھ نہیں کاٹنا ہوں گی  
 نئے انداز سے اب کوہ کن کی آزمائش ہے  
 فضا کو ٹھیک کا نا ہے، چراغوں کو جھلانا ہے  
 اندھیری شب ہے، اہل انجمن کی آزمائش ہے  
 مہار کی کچ کلا ہی منتم ہو جانے کے دن آئے  
 سبر متقی ہمارے باچپن کی آزمائش ہے  
 وہاں تھا امتحان مقصود و غائب کی تمت کا  
 یہاں تو اسے سڑیا ہر اہل فن کی آزمائش ہے

## امورِ حارثیہ

حسرم ناز میں مشرقِ مراتب درمیاں کیوں ہو  
 شیا زبے سروں کا ماں سرِ یضو آساں کیوں ہو  
 یہاں ہر لحظہ برق و باد کی ہنگامہ آرائی  
 جسے ہے فکرِ فردا وہ قریبِ آسماں کیوں ہو  
 کیا ہے قصداً جس در کا بعد کا ماںِ رسوائی  
 گریباں خندہ زن جب ہے تو غیبِ راز داں کیوں ہو  
 ابینِ ماز ہی حنا و مہیاں و شمعِ عزت میں  
 لبِ گلِ پائے رنگیں پر جنوں کی داستاں کیوں ہو  
 پیغامِ آستانِ سبزه بیگانہ دیتا ہے  
 چن داو! جنیں پھر فکرِ لطفِ باغیاں کیوں ہو  
 دلِ بے راہ رو جب ہر قدم پر فکرِ منزل ہے  
 مرا ذوقِ سفرِ رہن درائے کارواں کیوں ہو  
 ادائے خاص سے اس بحر میں عارثِ غمخوار ہے  
 ولے ہر شعر میں مناسبت کا اندازِ بیاں کیوں ہو

## کھار پاشی

دل کی صدا سے درد یوں نہیں پہلے اتر گئی  
 لفظوں کی اک لڑائی کہ گرمی اور بجھ گئی  
 اک چاند کی تلاش میں اپنی یہ زندگی  
 عظمت کے اک حقیقہ سمجھ میں اُتر گئی  
 منظر کھٹلا جو سامنے اُن کے جہاں کا  
 دنیا میرے خیال کی رنگوں سے بھر گئی  
 نکلے دیارِ خوابِ طرب سے تو کیا ہوا  
 اک دشتِ بے کراں تھا جہاں ہمک نظر گئی  
 اک شعلہ فنا سمیت جو تن من میل گیا  
 اک موجِ سخی ہوئی جو سر سے گزر گئی  
 مشغول ہیں کہہ گیا ہوں میں پاشیِ حویثِ دل  
 فالتب کی یہ زمیں بھی بڑا کام کر گئی

## حسنِ اکبر کما لے

نہ تھا چلے سے وہ بدلا ہوا کسی  
 کہا کیا ہیں نے اور اُس نے سنا کیا  
 تھی اپنی خوش گمانی، دردا سے  
 قلق تھا نہیں تو ٹوٹا کیا  
 یہ آنکھیں مجھ دیں پہل کر نے  
 مجھے تھے رت جگوں میں خواب کیا کیا  
 تب تم اب بھینپا دے ہوں کا  
 گیا، تو لے گیا وہ مجھ سے کیا کیا  
 شب و روز تہا کا ہے سب کہیں  
 صنمِ نا آشنا و آشنا کیا  
 نہ پا کر بھی اُسے ہم ہیں اُسی کے  
 اسی کو لوگ کہتے ہیں وفا کیا  
 یہ خالی گھر نمائش کے لئے ہیں  
 کسی بھی در پہ اب دیکھو صدا کیا  
 یہ آنکھیں اس قدر ویران کہ تھیں  
 کوئی آسیب ان میں بس گیا کیا  
 ردا غم ساتھ پر چھائی کی صورت  
 کہاں اپنا بھی تھا آشنا کیا

## پیکر واسطی

استلا و موسمِ گل کیا سنہرا خواب تھا  
جو تبسم کا ورق تھا آنسوؤں کا باپ تھا

یوں جہاں مغز کی صحت اٹھے پائے شوق  
راستے ہی راستے تھے نقشب پانا باپ تھا

کون پڑھتا کشتیِ عمرِ بے گیتا ہوا  
وقت کا دریا عیدِ نفاہ تک پایا باپ تھا

وہ گیا منت کش مفہوم لطفِ نفی  
ہر ترانہ اک صدائے محشر اسباب تھا

## شاہیدِ شریعت

حسابِ دوستی میں اور کئی دھیاں کیوں ہو  
بھینسِ سرفروشاں بھی رہیں آستانِ کیوں ہو

دلِ دیوانہ پا بنو جس کس واسطے ہوتا  
میں ہونہ جب منزلِ تو پا جس کا دہلی کیوں ہو

مری دیوانگی کی محبت سے ہی لانا نہ تھی پریش بھی  
سنی تم نے جو غیروں سے وہ میری داتا کیوں ہو

مجھ سے ہے چہ بختِ نیلی نام سے منزلِ تری شاہین  
مروا خیم کہاں کے اور یہ جدِ آسمان کیوں ہو

## منتخب اشعار

کیا کہیں ہم کس ازل ہی سے مل سکتے ہم کو  
ایسی تنہائی کہ تم سے بھی مدد مانہ ہوا

لوگ ہم جیسے تھے اور ہم سے خدا ہی کے طے  
ہم وہ کافر ہیں کہ ہم سے کہیں سجدہ نہ ہوا

ہیں مرے پاؤں سے پٹی رہی آکھ کی گرد  
دل کا آئینہ کہے الیا تھا کہ دھندلا نہ ہوا

ابھی سوچا ہی تھا میں نے کہ اتا الحق کہہ دوں  
کون تھا جو کہ مرے جان کا پیا سا نہ ہوا

### مکاشفۃ حیدر احسن

دل وہ شعلہ ہے کہ بجے بجے بھی ٹھنڈا نہ ہو  
منجھد آگ کا بہتا ہوا دریا نہ ہوا

مسرّت و خواب و تمنا کا وہ ہنگامہ رہا  
مدتیں گزریں کہ غروب چنے سے مل نہ ہوا

### آلے احمد سرور

دل میں اگلے آنچے تو باتی ہے ابھی ان کے فیصل  
گرچہ خوابوں سے کبھی گھر میں اُجھلا نہ ہوا

بیری خاطر میں سراپوں کو بھی دریا بہتا  
پدھر سے دیدہ بینا کو گوارا نہ ہوا

شہر میں سب پر سیاست کا جنوں طاعن تھا  
کوئی مشائش آدابِ تمنا نہ ہوا

زندگی اور محاذِ دل میں لیکچوں میں آسیر  
یہ تواریبِ محبت کا طریقہ نہ ہوا

### خلیل الرحمن اعظمی

خود بخود دور کبھی دل کا اندھیرا نہ ہوا  
جب تک اس خاک سے ہیں کوئی شعلہ نہ ہوا

### آنتا ہے شستی

ہم نے دیکھا کہ کسی غم کا مداوا نہ ہوا  
روح کے ساتھ اگر ہم بھی پیاسا نہ ہوا  
میں بھی کہ نہ سکا کوئی غزل اے شستی  
بہرہٴ ذہن پہ جب تک کوئی چہرہ نہ ہوا

### قادر ہے سمندر کا ہن

دشت اسکاں میں اک آواز کا تھکے  
لب کش کوئی اس عالم میں دوبا مانا نہ ہوا  
اپنی تصویر وہاں بھی نظر آتی جھوٹو  
یہ بھی اچھا ہوا صحرا میں جو رہا نہ ہوا

### صباحِ جیسا لیسکی

اے وادیِ سراب پوہنی رہنا جلوہ گر  
ممکن ہے آگے پھر میں یہیں آرمیدہ ہوں  
حرف اور لفظ دست و گریباں میں جھڑپوں  
گوئیئے ادب کا میں کوئی جریدہ ہوں

داغِ انتخابِ انشاوارہ بہتر صیبِ غالبِ مکتوبی  
نہا ہوا نامِ انجمنِ اردو کے مکتوبی غزل

حجر بھر کے لئے بن پاس ملا ہے ہم کو  
سُرو اک پہلو کو یہی احساس کا سحر نہ ہوا  
یہ بھی کیا کہے کہ تنہا کا غم ساتھ رہا  
یہاں بھی غلوٹِ دل میں بھی اکیلا نہ ہوا

### غصہ سر کیا

آندھیاں آنی لھتی ہیں کبھی ایسا نہ ہوا  
خوف کے مارے مجھ کا شاخ سے پٹا نہ ہوا  
خوب دُنیہ ہے کہ سونے سے ثابت تھی نہیں  
اُن کو نہ مل کسی دیوار کا سایہ نہ ہوا  
وقت کی ڈور کو تھامے رہے مضبوطی سے  
ادب میں چھوٹی توانوس بھی اس کا نہ ہوا

### فیشہ بیوہ بکدار

احساس کو یہ ناز کہ وہ لفظ سے بلند  
لفظے کو یہ غرور کہ میں ناشیدہ ہوں  
دردِ داغِ زندگی کا تھیں میرے واسطے  
خوش قاصدی کے جرم میں کب سے خمیدہ ہوں  
یہ زندگی اکائی ہے تقسیم کیوں کروں  
میں بھی نہیں کتاب پڑھنا مجیدہ ہوں

# گوشہٴ بساط

(نئے مضامین)



## مولانا عیلام رسول مہر

# فکر غالب کی معجزہ آئیات

## حیدر علی خان صاحب

درجہ ہر صرف غالب حیدر علی خان صاحب  
تازہ دی تم کو سر مست سخن خواہ شدت

شعر کے بڑے معجزہ ہیں۔ جن تین اور لطف آدائی معنی اچھوت، دل ناز، بلند اور حقائق زندگی سے  
گہری وابستگی کا حامل ہوا اور اسے بیان ایسے انداز میں کیا جیسے کہ کوئی ضروری گوشہ نظر انداز نہ ہونے پائے۔  
کچھ اسلوب بالکل نئی اور فطری ہو، اسے عمل زندگی سے جتنا گہرا تعلق ہو گا اسی کے تناسب سے وہ دلوں کو  
سجھانے کا اور زبان پر جاری ہو جائے گا۔

میرزا غالب کی متعدد خصوصیات ہیں، جن کی جامعیت کے باعث وہ شعری دنیا میں منکبت کے بلند مقام  
پر فائز ہو گئے۔ بلکہ حقائق بیان میں روشنی کا ایسا مینار بن گئے، جن کی جلوہ ریزیوں اور نورانی شیوں سے اپنی  
حیات بھر پردہ خشاں رہے گا۔ قدیم نے انہیں ایسی ہر گیر و ہر رس نظر عطا کی تھی کہ وہ ہر صنف کے طبع و  
فطری ماحول کا اندازہ ٹھیک ٹھیک فرما سکتے تھے۔ یہاں تک کہ کلا فزوری تحریک طلب پسندوں سے اوچل نہیں  
ہونے پاتا تھا۔ پھر اسے بیان کرنے میں ایسا انداز اختیار کر لیتے تھے جس میں معنی کے تمام پہلوؤں کا مستقصا  
پیدا ہوتا تھا۔ شعری معنویت سے پوری طرح آگاہی حاصل کر لینے کے بعد خود بخود یہ حقیقت بھی ہر فرد  
پر عیاں ہو سکتی ہے کہ اس سے بہتر انداز ہر ممکن ہی نہ تھا۔

## مصطفیٰ خاں شفیقتہ کا بیان

زاد مصطفیٰ خاں شفیقتہ مرحوم نے۔ گلشن بے غار میں میرزا کے متعلق لکھا ہے :  
مضامین شعری را کا ہو حقمے فہم وہ جمیع نکات و لطائف

پہلی ہیر واپس فیصلہ است مخصوص یعنی اپنی سخن۔ اگرچہ سخن شمس  
واری یا اپنی نکتہ وندسی، چہ خوش فکر اگرچہ کیا اب است، اما سخن ہمیں  
کیا اب تر..... بالکلہ پیش نکتہ سخن نغز گفتار کمتر مرئ شد۔

اس اقتباس کا مفاد یہ ہے :

- ۱۔ میرزا غالب معنایں شری کو اسی طرح کہتے ہیں جو کہنے کا حق ہے۔
- ۲۔ وہ تمام نکات و لطافت کی جہ تک پہنچتے ہیں۔
- ۳۔ اس حقیقت کا صحیح اندازہ صرف سخن شناس سمجھتی ہی کر سکتی ہیں۔
- ۴۔ اگرچہ خوش فکر ہی کیا اب ہیں مگر سخن ہم کیا اب تر ہیں۔
- ۵۔ فرض ایسا نغز گفتار نکتہ سخن بہت کم دلچسپا گیا۔

### اردو مکاتیب میں مثالیں

واقعہ ہے کہ غالب مصطفیٰ خاں شفیقہ، جہر غالب مسک بہت جلد مرتبہ سخن را اور نکتہ شناس بزرگ  
تھے، اور میرزا کے متعلق اہلوں نے جو کچھ فرمایا اس کی تائید میں میرزا کے اردو مکاتیب سے متعدد اقتباسات  
پیش کئے جا سکتے ہیں، جن میں انہوں نے قرنی یا غورسی کے اشارے یا بیانیہ اشارے کی مشورہ کی۔ ان اشاروں  
سے پورا اندازہ ہو سکتا ہے کہ کس طرح شعر کا ایک ایک جملہ اور لفظ ان کے پیش نظر رہتا تھا اور وہ ایک ہی حرف  
کو معنویت کی آرائش سے بے معرفت یا بے عمل نہیں سمجھتے تھے۔

جس فرد فرید کو خوش فکری کے علاوہ خوش فہمی میں یہ دورچنکماں حاصل تھا، عزیز فریادے کہ اس کے اپنے  
اشارے میں یہ تا دیر صلا حیت کس اعلیٰ پایا سے پر معرفت ہوئی ہوگی۔ ذیل میں اسی صلاحیت کی بین کر ظفر فرمایوں کا  
ایک سرسری خاکہ پیش کرنا منظور ہے۔ اس خاکے کی روشنی میں آپ میرزا کے پورے اردو اور فارسی کلام کا جھٹکا  
زیادہ معائنہ فرمائیں گے یقین ہے کہ اس سے میرزا کی عظمت و برتری کا زیادہ گہرا نقش آپ کے قلب و ذہن  
پر مرتسم ہوتا جائے گا۔

میرزا انتخاب کر وہ مومن و رحیم پیہ نہیں تا ہم تشبیہ میں ایک مثال پیش کر دینے سے آپ پر اہل دقتا ذیل  
واقعہ ہر جگہ گھا۔ سب سے پہلے اس مثال پر غور فرمائیے۔

### قرنی کا ایک شعر

قرنی کے ایک قصیدہ کا یہ شعر ضربِ اسفل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے کہ :

لذیر بود مکاتیب و راز تر گفتار  
چنان کہ حرف عصافعت موسیٰ اندر طوط

ظاہر ہے کہ عرفی نے دراز نفسی کے لئے جو مثال چنی وہ سورہ طہ کی چند آیات کریمہ سے ماخوذ ہے۔  
 طور: حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا تھا کہ اسے موسیٰ تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ عرفی کیا کرے  
 میرا اھلیہ (ہذا عصای)

اصل سوال کا جواب اتنا ہی تھا، اس سے زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ یقیناً پوچھا نہیں گیا تھا کہ پھر  
 تیرے اپنے ہاتھ میں ہے اس سے کیا کیا کام لیا جاتا ہے۔ تاہم حضرت موسیٰ علیہ السلام اصل جواب پر گئے کہ نہیں  
 بلکہ عرفی کرتے گئے کہ اس عصا سے میں :

چھپنے میں سہارا لیتا ہوں، اپنی بکریوں کے لئے درختوں سے  
 پتے چھاڑتا ہوں، اور میرے لئے اس میں اور بھی کئی ناگوں فائدے  
 ہیں۔

سوال پیدا ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کس بنا پر جواب کو اصل مدد سے آگے بڑھایا؟ کلام کو طول  
 کیوں دیا؟ عرفی نے اپنی دراز نفسی کا عجز جیٹ کر اسے کہہ دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام لذت گفتاری کو بہت  
 پسند فرماتے تھے، عرفی کے نزدیک اپنی دراز کلام کا سبب ہی تھا۔

### ”لذتِ حکایت“ یا ”ذوقِ حضورِ می“؟

یہ معاملہ ہمارے حضرت علامہ اقبال کو بھی پیش آیا، تو انہیں عرفی کی توجیہ پسندیدہ معلوم نہ ہوئی اور حقیقت  
 یہ ہے کہ اس توجیہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقام کلام سے کوئی مناسبت نہ تھی، علامہ نے باطل نئی توجیہ  
 پیش کی، اور آپ کو سننے ہی نہیں سوجانے کا کہ حقیقی، صحیح اور اوقاف توجیہ وہی تھی، جس پر علامہ کی فکر و فکر رسوں  
 پہنچی۔ کہتے ہیں :

یہ حرف ہے زبان گفتگو تفتے جھانے کا

میں از ذوقِ حضورِ طول وادامہ داستانے کا

یعنی دنیا بھر کی مثالیں اور آرزوئیں حقیقتاً ایک حرف ہیں ادا کی جاسکتی ہیں، جس طرح عرفی کہتے ہیں :

تمام بود یک حرف گرم و ما خاف

حکایت کے ہر نام تمام ہی گفتگو

لیکن مجھے ذوقِ حضور کی داہیت نے داستان طرازی پر مائل کر دیا۔ حق یہ ہے کہ حضور موسیٰ علیہ السلام  
 کے کلام کا پسند و۔ ذوقِ حضور۔ ہی کا کرشمہ تھا، کیونکہ جب تک معروضات کا دامن وسیع ہوتا جاتا، شربت  
 حضورِ کامل رہتا۔ حضرت کلیم اشرفیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصود حقیقی اپنی داستان کی لذت نہیں ہو سکتا تھا  
 صرف ذوقِ حضور ہو سکتا تھا۔

قرن بہت بڑا شاعر تھا، کسی ایک معاملے میں صحیح توجیہ تک تار سرائی کے باعث اس کی غلطی ہو گئی اور

نہیں پڑ سکتا۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ قدرت ہر معاملے میں حقائق کے دروازے کسی ایک ہی قلب پر نہیں کھول دیتی۔ عرفی نے خود ایک قصیدے میں پورا الغرض اور افوری کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ بے شک :

اول رو میں نغم خروائشاں بہ سپرد نہ  
پس باز تو درکم بہہم منزلی ہم را

### میرزا کا ایک شعر

اس بہت ہی تحریر کے بعد آپ میرزا غالب کا ایک سادہ سا اردو شعر ملاحظہ فرمائیں :

میں نے چاہا تھا کہ اندوہ و فاس سے چھوڑوں  
وہ ہستم غم سے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

بنائیت سلیس اور عام فہم الفاظ ہیں، جنہیں پڑھتے وقت خاص معنویت کا احساس نہیں ہوتا اور مجھے یقین ہے کہ شاید ہی کسی کی نگاہ میں اس شعر پر کی ہوں یا اس پر خاص غور و فکر کی ضرورت سمجھی گئی ہو، لیکن آپ سوچیں گے تو اس میں معارف کا ایک عجیب و غریب مرقع نمودار ہو گا اور پتہ چلے گا کہ اس کا ایک بھی لفظ ایسا نہیں جو میرزا کے اس شعر کا مصداق نہ ہو :

محبوبیت منہ کا قلم اس کے کبھتے  
جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آوے

### معارف کی دنیا

(۱) اس شعر کا مرکزی مضمون و قلب یہی ہے کہ وہ وفا نہیں ہیں کا ذکر اردو اور فارسی کے بے شمار اشعار میں ملتا ہے۔ حالانکہ اس کی اصل حقیقت سے نہ کہنے والوں کے قلوب و ادیان آشنا ہوتے ہیں اور نہ سمجھتے اور نہ پڑھنے والوں پر اس سے کوئی اثر مرتب ہوتا ہے، شاید ایسے ہی عالم تاثرات میں میرزا نے کہا تھا :

ہے یہ وہ لفظ کہ مشر شدہ معنی نہ ہوا

(۲) وفا کا مطلب ہے اہم اور بلند مقاصد کے لئے استقلال و استقامت کے ساتھ ہر دھبہ کا پیمانہ بذبح اور کسی بھی حالت میں اس سے روگردان نہ ہونا۔

(۳) اس پیمانہ وفائے واجبات و لوازم کی بجائے آدری سہل نہیں۔ جب ابتلا و آزمائش کی زبوں گزشتہ سے سابقہ پڑتا ہے تو بڑے بڑے جان بازوں اور مذکوروں کے پائے ثبات میں تزلزل آجاتا ہے۔

(۴) میرزا کہتے ہیں کہ پیمانہ وفا یا بندھ تو لیا تھا، لیکن قلم قدم پر کافات و حوادث کے طوفان اٹھنے شروع ہوئے اور آلام و مصائب کی بھلیاں ہر طرف کوندنے لگیں تو قلب و روح پر سراسیمگی طاری ہو گئی۔ خیال آیا کہ شاید اس استقامت آخری دم تک ساتھ نہ دے سکے۔ یہ پوری داستان زیرِ قلم شعر

کے صرف دو لفظوں میں بیان کر دی ہیں۔ "اندوہ و فنا۔"

(۵) مروان کار کا مشیر و شمار یہ نہیں ہوتا کہ کوئی جھوٹ کر لیں تو آزمائشوں کے قوا سے گھبرا کر اسے توڑ دیا جس کا اس کے واجبات اور کسے سے گناہ کش ہو جائیں۔ اضطرابی حالت سامنے آگئی تھی۔ وہ اسے تعانوں کو پر امن بھی ممکن نظر آتا تھا اور ان کی تکمیل میں ہر نظر موت کی تیزوں کا جام زہر یوں سے دھکے دے رکھے کی مہمت بھی ساتھ دیتی معلوم نہیں ہوتی تھی۔

مجھے کیا بُرا تھا سراسر اگر ایک بار ہوتا

کی صورت پیدا ہو گئی تھی۔

(۶) یہ تو ممکن نہ تھا کہ عہد وفا توڑ دیا لیں۔ یہی مناسب سمجھا کہ جان سے دیں تاکہ مستقل عذاب الیم سے کھات مل جائے اور وفا کا دامن بھی دھارہ نہ ہو سنے پاسے۔

(۷) لیکن محب و عاشق کوئی کام محبوب کی رضا مندی کے بغیر کر نہیں سکتا تھا، جس سے پیمان وفا باندھا گیا تھا۔ مرنے کے لئے بھی یک طرفہ فیصلہ حال قطعی تھا۔ سوچا کہ چلو محبوب سے ازل سے کرالوہ و فنا سے چھوٹ جائیں۔

(۸) محبوب کی بارگاہ میں پہنچنے تو مر جانے کا اذن بھی نہ ملا اور عاشق کے لئے ہاں کا دیوں کے قیامت لاً میں وفا کے نقشے پر اسے کہنے کے سوا چارہ کار نہ رہا۔

### حاصل مطالب

پھر ملاحظہ فرمائیے کہ یہ سب کچھ ماضی کے ایک واقعے کی حیثیت میں بیان کیا، راہ وفا کے طوفان حادثہ و ہلاکت کی کہانی بھی سنائی۔ میں میں شب و روز زندگی گتارنے کے بجائے جان سے دینا ہزار مرتبہ سہل تھا۔ پیمان وفا پورا ستواری و استقامت کا درس میں اپنے عمل سے دے دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ میں معذور رہنا ہے محبوب کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔

یہ اس شعر کی مناسبت کا سرسری نقشہ ہے۔ میں ہے اصل مشاعرے، جس کی یہ دولت آج میرزا کی میرزا پر ہی عالمی پیمانے پر مانی جا رہی ہے۔ میرزا کے علاوہ کسی عالمی شاعر و دنیا میں موجود ہیں تاہم جمہور اتفاق ہے کہ عالمگیر تعلیم و برتری کا یہ مقام کسی طور پر آج تک کسی کو نہ ملا، اور اس کی ابتدا قدرت نے میرزا کے لئے مختار رکھی۔

### ہیرانی تو حییات پر منحصر کیوں؟

پھر ایک سوال یہ بھی ہے کہ ہم اس شعر کا ایسے ہی دوسرے اشعار کی ان نمبروں پر کیوں مصرعے جو سفا رحیم غلام غالب نے وقتاً فوقتاً لکھے۔ کیوں یہ نہ کہا جائے کہ میرزا نے اس شعر کے ذریعے سے جہد مقدس

کے لئے جانیں چڑا دینے کی دعوت دی ہے، ساتھ ہی واضح کر دیا کہ اگرچہ اس منزل میں کام زنی جان سے دینے کے بھی بددعا زیادہ ممکن ہے لیکن جن سینوں میں پیروچہ و انسانیت کے لئے بلند مقاصد کی آگ بجڑ رہی ہو ان کے لئے ہرگز ذیابہ نہیں کہ یہ راستہ ترک کریں یا جان سے کس وجہ کی منتیں اور مشقتوں سے نجات حاصل کر لیں چاہیں۔ انہیں تمام مصائب مرواؤں دار پر مشقت کی لینے چاہئیں تاکہ آنے والی تسلیس راحت و اطمینان کی دنیا میں سانس لیں اس کا نام عزیمت ہے جو اٹھائیت کا سدرۃ المنتہی ہے۔

اب آپ یہ شعر دوبارہ پڑھیں :

میں سے چاہا تھا کہ اندھ و فاسے چھوڑوں

وہ ستم گر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

حبوب کے لئے ستم گر کا لفظ میں محل و مقام پر استمال کیا ہے وہ عاشق کی انتہائی مصیبت و شہینش کی دستاویز ہے اور اس شہینش کا صحیح اندازہ وہی اصحاب فرما سکیں گے جنہیں شمر کی منوی لذت کے ساتھ الفاظ کے مقام و محل کا صحیح اندازہ ہو۔

## نظیری اور غائب

یہاں اب صرف چند ایسی شاعریاں پیش کر دی گئیں ہیں سے آپ پر واضح ہو جائے کہ ہندو مشنوں میں میرزا غائب کی وقت نگراں کمال مقام کی مشائے کی حقیقی مشیت کیا تھی۔

نظیری کا ایک شعر ہے :

بہر حال ازاں خادم کا زتشویش آناں

نہوئے نہ دارم تاکہ از دست من لگے

میں بہر حال پر غرض ہوں اس لئے کہ تشویش سے تھکت مل گئی، میرے پاس نہاں ہے ہی نہیں جسے کوئی پھینکے جائے گا۔ یہ ملائکہ دہتری سے انقطاع کا معاملہ ہے۔ معنون اچھا ہے مگر محض اداکارہ گیا، اور اس میں دقوی صورت پیدا نہ ہو سکی۔ کیوں بے سرو سامان ہوتے؟ اس کا سبب کیا کہا جاسکتا ہے؟

میرزا غائب نے بھی معنون لیا تو یوں چٹکی کیا :

نہ مستحق کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا

وہ کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں دہتری کو

گویا میرزا نے یہ کہنا پسند کیا کہ میں بے سرو سامان ہوں اور اس پر غرض ہوں۔ کہا کہ سامان تھا لیکن وہ دنیا کی دہشتی میں دہتری ٹوٹ کر لے گیا اور دہتری دنیا ہی کے جنت یہ زور و بہرہ جبروت ہے۔ رات آئی تو بالکل بے سرو سامان نکلتے، اس صورت حال میں اطمینان خاطر کا یہ پہلو پیدا کر لیا کہ چوری کا کھٹکا اور غرضتہ باقی نہ رہا اب بے خوف و بے خبر ہو کر سوئیں گے۔ یہ بیان کرنا تفصیل حاصل ہے کہ سونے کا وقت رات ہی ہے۔ وجعلنا

الکبیل مہاسنا و جہلنا الشما و معا شد، اصلًا فتراف فاطرک منوریت رامت ہی کو پیش آتی ہے اور چرخوں کا خوف رامت ہی کو ہوتا ہے نہ کہ دن کو۔ گویا میرزا نے ایک ادعا کی معنوں کو ہر پہلے طبع، فطری اور قوی صورت دے دیا۔

### حلقہ صد کام نہنگ

نظیری کا ایک اور شعر ہے :

خشتے گہر سرخ شام داد و دریائے  
کہ در ہر گام صد چاند ہر گام نہنگ ہند

گہر کی گہر و گہجے اس دریا میں سرگرداں لئے پھرتی ہے جہاں قدم قدم پر سو میرتبہ نہنگوں کے حلقوں پر سے گزرتا ہے۔ پڑا ہی عمدہ شعر ہے لیکن میرزا نے ایسا ہی معنوں اور اس کا اندھا قرا سے زمین سے آسمان پر پہنچا دیا۔ فرماتے ہیں :

دام ہر موج میں ہے حلقہ صد کام نہنگ  
دیکھیں کیا گندے ہے فکرے پہ گہر ہونے تک

نظیری کے شعر کا مطلب یہ تھا کہ انسان کو اعلیٰ اوصاف و خصائص پیدا کرنے میں جسے خدوں سے گلدانا پڑتا ہے۔ نفس اور شیطان دونوں قدم قدم پر رہزنی کے لئے آمادہ رہتے ہیں۔ میرزا نے اس معنوں کو اولاً ارتقا کے انسان کا رنگ دے دیا۔ ثانیاً اس کے بیان میں ایسا انداز اختیار کیا کہ کسی بھی پہلو سے اس میں کوئی خرابی محسوس نہیں ہوتی۔

کہتے ہیں کہ دریا یا سمندر کی ہر موج ایک حال ہے جس کے حلقے ڈوروں سے نہیں بلکہ نہنگوں کے حلقوں سے تیار ہوئے ہیں یعنی بے شمار نہنگ منہ کھول کر قطار و قطار بیٹھ گئے۔ ان کے حلقوں کے مسلسل و تواتر سے چال بھٹکے۔ اس وحشت ناک ماحول کا نقشہ پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس ماحول میں قطرہ کب کو گہر شہوار جتنا ہے دیکھیں فرداں ارتقا کے بلند ترین پلے تک پہنچتے پہنچتے پانی کی بوند کو کن کن آفت و مصائب سے سابقہ پڑتا ہے۔

کمال یہ ہے کہ ماحول کا نقشہ زیادہ سے زیادہ تفصیل کے ساتھ پیش کر دیا مگر پانی کی بوند کو پیش آنے والی آزمائشوں اور ابتلاؤں کے متعلق کوئی متعین بات نہیں۔ اس میں اولاً یہ وجہ ہے کہ ماحول کا وصف خود بخود گونا گویں وحشت انگیز مبالغہ کا تصور رکھنے والا اس طرح اسے زیادہ لطیف آئے گا۔ ثانیاً مسبین بات نہ کہنے کا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر فکرے کو ایک ہی انداز اور ایک ہی نوع کے واقعات سے سابقہ نہیں پڑے گا نہ صرف اس لئے کہ ہر وجود کی صلاحیت، استعداد اور قوت عمل خدا کی یکساں نہیں ہوتی۔ معاشیہ یا ان کی نوعیت کا اختلاف ہر وجود کے خاص احوال و ظروف اور معنوی حیثیت پر ہے۔

## قطرہ و گویہر

قطرہ و گویہر کے نوکر سے بے اختیار نظام الملک آصف جاہ اول کا ایک نہایت پر معاملہ شعر یاد آ گیا، اگرچہ اسے پیش کرنے کا یہ موقع اور عمل نہیں لیکن یہ نہیں چاہتا کہ خزانہ نگاہ کو اس کے لطف و لذت میں شریک نہ کروں، اگرچہ اس مسئلے میں ایک گونہ عدم مناسبت کا ملزم ٹھہروں، فرماتے ہیں،

قطرہ بدوم و دریا مشہد ہم بدو امید

عقدہ درکار میں افتاد و جگر گردیدم

یعنی آرزو تھی کہ پوری عمر یاد اپنی میں بسر کروں، اس طرح امید تھی کہ رحمت الہی مساعد ہوئی تو میرا نگرہ دریا بن جائے گا، لیکن میرے کام میں عقدہ آپڑا اور دریا بہنے کے بجائے گڑبہر بن گیا یعنی درویشی اور خدا متقی کی زندگی بسر کرنے کے بجائے امارت و ریاست کا سہنا دلزدن میں پڑ گیا، عقدہ کے باعث دریا کے بجائے گڑبہر بن جانا ایسا معنون ہے کہ نظام الملک مرموم کے حالات اور طبیعت کو پیش نظر رکھ کر جتنی مریح ضرورت ہوئی وہی نہایت عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

## روئے دریا اور قسیر دریا

عربی کا ایک نہایت عمدہ شعر ہے

ہم سندیہا ش و ہم ماہی کہ دریمون عشق

دوے دریا سلبیل و قسیر دریا آتش است

عربی کا مطلب یہ ہے کہ عشق میں انسان کو ہر قسم اور ہر رنگ کے حالات کے درمیان زندگی گزارنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ اگر ہم عشق کو دریا مانیں تو اس کی سطح کی حالت سلبیل کی سی ہے جو سبقت کی ہر ہے اور اس کی گہرائی سراپا آگ ہے۔ پھلیاں پانی میں رستہ ہیں اور آگ سمندر کا سکن ہے۔ یہ اپنے پار چلنے والا جانور تو آگ ہی میں پیدا ہوتا ہے اسی میں پرورش پاتا ہے اور اسی میں مر جاتا ہے۔

میرزا غالب اس شعر کی عمدگی کے معجزہ تھے لیکن انہیں دوسرے مصرعے کا عام انداز پسند نہ آیا۔ اصل معنون کی مناسبت سے اسے کوئی صورت دینے کی جانتے لیکن عام حالات میں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دریا یا سمندر کی سطح سلبیل جوتی ہے جس پر کشتیاں یا جہاز چلتے ہیں اور لوگ سیر و تفریح کا لطف اٹھاتے ہیں، گہرائی میں اعتبار سے آگ ہے کہ ہر شے کے لئے پیام موت ہے۔ میرزا فرماتے ہیں، میں نے سوچا کہ یہ تو کچھ بات نہ ہوئی، چنانچہ دوسرے مصرعے کو چیت دیا، مین ہی بنا دیا،

قبر دریا سلبیل و روئے دریا آتش است

پھر اس پر میرزا محقق مصرعے لگایا،



بہ تکلف دریا ہدایت از مہم با ست  
تصویر با سلیبی دروے دریا آتش است

یاد جب تک دور رہتی ہے تو اس کا انتظار ہزاروں محبتوں اور پریشانیوں کا موجب بنا رہتا ہے۔  
جب وہ نازل ہو جاتی ہے یا ہم اس میں داخل ہو جاتے ہیں تو تمام آفتیں اور پریشانیاں محلاً ختم ہو جاتی ہیں۔  
یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ دریا کی سطح آگ ہے لیکن ہر لحظہ ڈوبنے کا ڈر رہتا ہے، لیکن دریا کی گہرائی میں  
پہرچ جائیں تو پھر کسی خطرے، کسی تشویش اور کسی پریشانی کا سوال باقی ہی نہیں رہتا۔

اس صورت حال کی ایک مثال منگھو بھی ہے جب تک جنگ نہ پھڑکے، دل گڑاؤں اضطرابات کی بر لانا  
رہتا ہے کہ خدا جانے کیا حالات پیش آئیں؟ کون کون سی چیزیں تباہ ہوں؟ کون کون سے کاموں سے ہاتھ دھو بیٹھے؟  
نتیجہ فتح کی صورت اختیار کرے گا یا شکست کی؟ لیکن جب جنگ پھڑکے تو صرف ایک ہی خیال روح و قلب  
پر چھایا رہتا ہے اور وہ یہ کہ دشمن کو شکست دی جائے۔ تمام خطرے، تشویشیں اور آفتیں اس خیال کو مٹا کر روحانی  
صورت دیتے ہیں، گم ہو جاتی ہیں۔

## وعدہ محبوب اور شادی مرگ

فارسی کا ایک شاعر محبوب سے کہتا ہے:

بیم از دوا مار، وعدہ کہ من  
از دوق وعدہ تو بہ فروا نمی رسم

یہنا سے محبوب تو مل آئے گا وعدہ کرے اور اس تشویش میں نہ پڑے کہ اس وعدے کے الٹا کی نوعیت کسے  
گی، کیا تیرے وعدہ کے خلاف سے میرے دل کی خوشی اور شادمانی اس وعدے پر نہ پہنچ جائے گی کہ میں مر جاؤں  
گا اور نوعیت وعدہ سے پیشتر ہی دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔

فحش معنوں کے سمجھا ہونے میں شک نہیں، لیکن اس وعدہ ورجہ چونڈے، غیر طبیعی اور غیر واقعی انداز میں  
بذرا لیا ہے حتیٰ کہ اس کی خوبی منطوق خیز بن گئی ہے، غور فرمائیے:

۱۔ محبوب سے آنے کا وعدہ لینا شکر ہے اور اسے چکر دینا عار ہے کہ وعدہ  
کرے، الٹا کی نوعیت نہ کہنے کی۔

۲۔ کیوں نہ کہنے گی؟ اس لئے کہ میں وعدے کی خوشی میں شادی مرگ کا شکار ہو  
جاؤں گا۔

۳۔ گویا شاعر جانتا ہے کہ محبوب کی طرف سے وعدہ ہونے ہی جاں بحق ہو جاؤں گا  
وعدے منطوق میں محبوب سے وعدہ آمدینا خود کشی کا ایک بہاؤ ہے۔

۴۔ جب شاعر جانتا ہے کہ محبوب کی طرف سے وعدہ ہونے ہی مر جاؤں گا تو اس

پہا صراحت کیوں ضروری سمجھا گیا؟ مرنا ہی منظور ہے تو خودکشی کا کوئی دوسرا  
قد یہ کیوں اختیار نہ کیا؟

فرض معقول بعض معقول کے اعتبار سے اسکا تھا مگر یہاں نے اسے جبراً لگاؤ تفتیک سے دیا۔

## میرزا کا شعر

ابھے نازک معاملات کو بیان کرنا سہل نہیں۔ دیکھئے میرزا غائب نے اسے کیوں کر باغذا؟ فرماتے ہیں:

تھکے وعدے پر جیسے ہم تو یہ جان جھوٹے جان

کہ خوشی سے مرزا جاتے اگر اعتبار ہوتا

محبوب نے وعدہ کر لیا اور وفا نا آشنا مہربوں کا خیرو ہی یہ ہو کہ ہے کہ وعدہ کر لیتے ہیں اور اسے پورا کرنا  
منکر و جہی ہوتا۔ عاشق خدا جاتے ایسے کتنے وعدوں کا بقرہ کر چکا ہے اور اسے یقین ہے کہ خدا وعدہ بھی پورا نہیں کرے گا  
لہذا کہتا ہے ہم تیرے وعدے پر صرف اس لئے جیتے رہے کہ اسے جوتا کھینچتے، یقین تھا کہ پہلے بیسیوں وعدوں  
کی طرح یہ بھی پورا نہ ہوگا، اگر ہمیں یقین ہوتا کہ تو نے سچا وعدہ کر لیا ہے یا تیرے وعدے میں سہاؤ کا شائبہ بھی ہوتا  
تو کیا ہم خوشی سے مرزا جاتے؟

یہ اس معقول کے بیان کا طبع اور قوی طریقہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اہل فکر و نظر کو سیکڑوں معقول سمجھتے  
ہیں مگر بہت کم اصحاب ایسا جنہیں قدمت کی طرف سے یہ سلیقہ عطا ہوتا ہے کہ انہیں طبی انداز میں الفاظ و بیانات کا  
لباس پہنا دیں۔

## آب و آتش

شراب منہ پہنا حرام ہے اور صحیح اسلامی حکومتوں میں اس کے لئے تعزیر مقرر تھی، جب اسلامی حکومتیں  
نہ رہیں تو بعض دوسرے جرائم کی طرح شراب نوشی کی سزا بھی موقوف ہو گئی۔  
میرزا کا ایک شعر ہے:

پاک خور امروز و زہارا اپنے خردا منہ

درد شریعت باوہ امروز آب و آتش آتش بہت

یعنی جو شراب پیرے پاس ہے وہ آتش ہی پانی کا، اور ان کے لئے کچھ نہ بچا۔ شریعت مقررہ اسلامیہ کے  
نزویک آج تو شراب کو صرف ایک مشروب کی حیثیت حاصل ہے جیسے پانی پلایا جاتا ہے لیکن یہ مشروب مناسب اسورت  
میں آگ بن جاتے گا، اور آتش و دوزخ میں پہنچنے کا موجب ٹھہرے گا۔

آپ خدا اس شرکے دکان پر ضرور فرمائیے۔

۱۔ شاعر کا مقصد حقیقی یہ ہے کہ شراب بالکل پانی کو ختم کر دینا چاہئے اور ان کے لئے

کچھ نہ رکھنا چاہئے۔

۲۔ دوسرے مغربے میں ایسے الفاظ لائے جی کے دوسری ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ آج شراب محض مغرب ہے، اگلے سے مغرب نہ رکھا جائے گا تو یہی کل جنگ بن جائے گا دوسرے وہ معنی جو ہمدانی ہونے کے معنی شراب محاسبہ آخرت میں مستوجب تعزیر ہے اس کے معنی اور دوزخ کی آگ میں نہنا ہوگا۔

دیکھئے، الفاظ سے دوزخ میں کس طرح خود بخود آتش کارا ہو رہے ہیں اور ان کے سلسلے میں کسی تاویل و تفسیر کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

## حال دل اور بے نیازی

بعض اوقات ایک مضمون فارسی میں ایک خاص طریقے پر ادا کر دیتے ہیں۔ لیکن اسے اردو میں لکھتے ہیں تو رنگ بالکل دوسرا ہوتا ہے اور اس کی لطافت انتہائی دلہیزی اختیار کر جاتی ہے۔ مثلاً فارسی میں لکھتے ہیں:

تا چشمش نشوئی تو مرا حسب حال خویش  
افسانہ ہائے غیر مکرر گمنیم طریح

ہم اپنے حسب حال نہ بنے افسانے تیار کر کے جہش کرتے جا رہے ہیں، آخر تک بک سنے سے بے پروا ہو کر قائم رہے گا؟

اردو میں فرماتے ہیں:

بے نیازی جو سے گزری بندہ ہمدرد کب تک  
ہم ہمیں گئے حال دل اور آپ فرما کیجئے کیا؟

یعنی ہم نے محب کسی دل کا حال بیان کیا تو آپ نے بے نیازی سے فرما دیا، کیا؟ بندہ ہمدرد! آخر یہ ضرورت کب تک چل جائے گی؟

## عجم دل اور نکتہ چینی

۔ حال دل سے۔ عجم دل۔ کالایک نہایت دل آویز مشہور یاد آگیا،  
نکتہ چینی ہے عجم دل اس کو نکتہ نہ چنے  
کیا بے بات جہاں بات نہ چنے

آپ خود بخیرہ کریں کہ اگر کسی کے سامنے کوئی دردناک داستان بیان کرتے لکھیں گے اور وہ نکتہ چینی شروع کر دے گا تو اس داستان کے عجم و حزن کی آبرو مٹ جائے گی اور اس فضا میں خصل آجائے گا جو عجم انگریز کیا نہیں کے بیانات و سماعت کے لئے لازم میں صعب ہے۔ میرزا کا محب بھی نکتہ چینی اور نفا ہے۔ میرزا جب عجم دل منانے پر

آج وہ جیتے ہیں۔ محبوب کی نکتہ چینی کے چھوٹوں سے داستان کی خم آجیٹوں اور اندوہ افزائِ ختم ہوتا ہے۔ اور بالکل وہی نقشہ بروئے کار آجاتا ہے جو عدالتوں میں ملزموں یا گواہوں پر نکتہ چینی و کیڈوں کی جیت سے پیدا ہوتا ہے لہذا میرزا کہتے ہیں کہ جہاں بات نہیں جتن وہاں کیا کیا جائے۔

## حقیقت و محاور

میرزا نے کہا ہے :

ہر چہند ہر مشاہدہ حق کی گفتگو

جتن نہیں ہے بادۂ وسوسہ کے ہنر

وہ ایک مقام پر حقیقت و محاور کا فرق : ”بادۂ وسوسہ غز ہی کے انداز میں پیش کرتے ہیں اور درحقیقت محاور سے انکار نہیں کرتا اہم نکتہ کس درجہ پر مثال طریق پر پیش کر گئے ہیں :

کہتے ہیں :

زاہد از ما خوشتر تا کہ ہر چہند کم صبر

ہی نہی والی کہ یک پیادہ نقیان کردہ ایم

اسے زاہد : ہم نے انکو کا ایک خوشتر بدلوں غنہ تیری نزدیک دیا۔

اسے حقیر : کم قیمت اور معمولی شخص نہ سمجھو۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ

یہ حقیر سے محاسبے کے ہم نے شراب سے بھرے ایک پیادہ کا

نقیان قرار کر لیا ہے۔

خوشتر : انکو کو ظاہری حیثیت کے لحاظ سے آپ کہتا ہی معمولی حقیر سمجھیں۔ یہ بھی مبالغہ ہے کہ بازار سے ایسے خوشے معمولی قیمت پر مل سکتے ہیں لیکن معنویت اور حقیقت کا لحاظ کریں تو اسی خوشے سے اتنی شراب کھینچ ہو سکتی تھی جس سے ایک پیادہ بھر جائے۔ انکو حقیر : خوشتر : خوشتر : انکو نہیں بلکہ پیادہ شراب سے محاسبے کی قدر و قیمت کا اندازہ مشکل ہے اور نہ ہر کے لئے اس شخص کی موزونیت انتہائی غز کی محتاج ہے۔

مثلاً یہ نکتہ بھی بیان کر دیا کہ جو کچھ ہم پہنچتے ہیں وہ اصل خوشتر : انکو ہی کا : خوشتر وہ ہے۔

وہی وہ بادۂ وسوسہ کہ انکو نہیں

## مطالعہ غالب کی ضرورت

غرض میرزا کے فکر و فکر کے پیرائوں کا احصا حال ہے۔ اردو میں بھی ان برکتوں کے مرتبہ نہایت عجیب ہیں۔ لیکن میرزا کے فارسی کلام میں تو حیرت انگیز نقشہ ہر قدم پر رہتے ہیں۔ کاش ان کے نظارے سے شیک شک لذت اندوزی سے والی نگاہیں مطالعے کی زحمت برداشت کریں۔ کاش میرزا کے فارسی کلام کو تمام محققین

پروفیسر احمد علی

## سُکَّالۃٔ اسْلُوْبِ اور بَکَانِ غَالِبِ

افلاک غالب اپنے اظہار کے لئے الفاظ کا نام اس اختیار کرتے ہیں، اور افلاک غالب ایک مخصوص دروہیت کے ساتھ ترتیب پاتے ہیں اور اپنے انتخاب اور میلاؤں کی بنا پر مختلف رنگ اور وزن اختیار کرتے ہیں تو شاعر کی شخصیت اور اس کی فکر کی ہم آہنگی سے اسلوب ایک خاص شکل اختیار کر لیتا ہے۔ دوا دیب ایک طرح کی شخصیت کے حامل نہیں ہوتے، اس کے علاوہ آدمی کی فکر جتنی زردہ و پیچیدہ ہوتی ہے اس کی شخصیت اتنی ہی پائیدہ ہوتی ہے، اور اتنی ہی جینے اس کا اسلوب ہو جاتا ہے۔ سوال صرف زمانے کا نہیں بلکہ زمانے کے علم و آگاہی کا ہے، اگر علم و آگاہی کے ساتھ سمجھ بوجھ پیدا ہوتی ہے، اور زمانے کے بیشتر مضمون اسرار و افلاک کا شعور ابھرتا ہے، ایک شاعر کی نگاہیں گہرائی ہوتی ہے، وہ نظریات و تصورات کو اخذ کرنے کی بڑی صلاحیت رکھتا ہے بلکہ دور عصر کو سمجھتا ہے، اس لئے اگر اس عہد کا ایسا منتظر پیش کرتا ہے جو خود اس عہد کی سمجھ میں بھی مشکل سے آتا ہے۔ اس برصغیر میں غالب اس کی مثال ہیں، اور فرانس میں پروڈائیئر (Baudelaire)۔

جو لوگ غالب کے افلاک اور ان کی پیچیدہ بیانی کو تفصیل سے سمجھنا چاہتے ہیں ان کو میری اس کتاب کا انتقال کرنا چاہئے جو افلاک میں غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر مشائش ہو رہی ہے۔ یہاں اس مختصر مضمون میں غالب کے اسلوب کی چند خصوصیات پر بحث کروں گا، اُس اسلوب غالب پر جو اس عہد کے ہر شاعر سے بلکہ انشا روی صدی صیوی کے تمام بڑے شاعروں سے اسے متاثر کرتا ہے۔ یعنی ان کے اشعار کی زبان ہیئت، روپ، اخلاذ و پیرایہ اور اس کی دلچسپ نگاہ بری جو شاعر کی شخصیت سے وابستہ ہے۔ یہ تمام چیزیں پہل نظریں دوسرے ہر شاعر سے

ۛ Ghaleb : Selected poems published in  
Serie Orientale Roma by Is. M. E. O., Rome.

اسی کو غایاں کر دیتا ہوتا ہے۔ یہ سوال کہ غالب نے اپنی شاعری میں ایک خاص لہر جنگ و ٹکر کشی، کیوں اختیار کیا؟ یہ ایک اور قابل غور نکتہ ہے۔ وہ افکار کا پروردہ نہیں تھا بلکہ جذبات کا پروردہ تھا۔ اس کا ذہن اور اس کی شخصیت اس کے تجربات و احساسات کے تشکیل کردہ تھے اور دوسرے شاعروں سے مختلف۔ اس کے علاوہ تشکیلی عموماً بھی یکساں نہ تھے۔ یہ بات ترکوں میں نہیں ملتی۔ اگرچہ وہ شخصیت کی تشکیل و تعمیر میں بڑا کردار ادا کرتا ہے، غالب کا ماضی کوئی دوسرا نہیں ہے۔ غالب تمام شعرا سے الگ ہے۔ حالانکہ تعاقب نظر ناک بھی ہوتا ہے اور گمراہ کن بھی، لیکن دیکھنے تو غالب اور میر بہت قریب دکھائی دیتے ہیں۔ اگرچہ ان کے داستانوں، طرز کلام اور نقطہ نظر میں بڑا فرق ہے۔ جگہ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں دو شاعر ایسے نیا و نو ماضی نہیں مل سکتے تھے یہ دونوں ہیں۔ میر کی زبان سادہ اور صاف ہے اور غالب کی زبان پیچیدہ اور بہیم ہے، پھر بھی زندگی کی پیچیدگیاں اور سکھوں کے بارے میں یا مسائروں اور فکر و فتنوں کے پس منظر کی تبدیلیوں کے باوجود دونوں کا انداز نظر میر گہری میں یکساں ہے۔ یہ بات حیرت انگیز بھی ہے اور قابل غور بھی۔ میر اپنے دل یا جذبات کے توسط سے ان چیزوں تک پہنچتے ہیں اور غالب اپنے ذہن یا عقل کے توسط سے، مگر اثر انگیز ہی کے اعتبار سے یہاں اوقات و دوش یکساں نظر آتے ہیں۔ میر جذبات کو ظاہر غالب فکر کو جذبات میں منقلب کر دیتے ہیں۔ اور دونوں کا حال یہ ہے کہ جب ظہور اس کی انتہا تک پہنچاتے ہیں تو باہمی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ عام ڈگری سے ہٹ جاتے ہیں، قاری کی ذہنی ساخت سے بلند ہو جاتے ہیں۔ دونوں کے پس منظر فلسفیانہ مسائل، میر و اختیار، ہم و گرفتار ہیں، اور انداز نظر مختلف ہونے کے باوجود دونوں کا محور ایک ہی ہے۔ میر کہتے ہیں کہ

اب ایسے ہیں کہ ماضی کے مزارے اوپر بہیم پہنچتے

جو خاطر خواہ اپنے ہم ہونے ہوتے تو کیا ہوتے

اس شعر میں وہ اسی نتیجے پر پہنچتے ہیں جو غالب دوسری راہ سے پہنچتے ہیں کہ

قویٰ ہے پروا خراب و مشت تنہا

آئینہ منانہ مری تمثال کو نہ بھیجے

اپنے احساس ندامت کے باوجود میر خالق کو مخلوق کے رشتے کے آگے نہیں اتر کر اس کی حقیقت کو دلچسپی لیتے ہیں۔ غالب بھی اس کو اسی گئیے میں دیکھتے ہیں، لیکن اپنی فکر کا انہدام کرتے ہیں تو جذبات کی پرکھا نہیں اس پر پڑنے نہیں دیتے۔ غالب پر لازم ہے خدا سے بے نیازی کا، لیکن میر نے، کردار رضائی، کو میں طرح بہ نقاب کیا ہے وہ اپنے معہوم کے کلاں سے غالب کے اس شعر سے بھی زیادہ تند و تیز ہے کہ

اپنی کیسے ہوتے ہیں جنہیں ہے جنگی خواہش

ہمیں تو شرم و اسیر گیر ہوئی ہے خدا ہوتے

اسکا ہی نہیں، غالب اور آگے بڑھتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ خالق مجبور ہے۔ وہ مسالہ بات دنیا و اخلاقیات عالم میں رچو خداس کی اختراع ہیں، خدا خلقت نہیں کر سکتا ہے

فرصت آئی نہ صد رنگب خروگسائی ہے  
روز و شب یک کتبہ انوس تماشا ہے  
غائب خالص عابد الطبیعیاتی سچ کی گنگنلو کرتے ہیں، حب یہ کہے میں سے  
نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ جوتا تو خدا جوتا  
ڈوبیا کچھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا  
لیکن میر تقی میری *Transcendentalism* میں سے

سراپا آئندہ ہونے سے جسدہ کر دیا ہم کو  
وگر نہ ہم خدا تھے، جو دلہے مدعا ہوتے

یہ بات غائب بغیر کہے ہوئے ہوا رنگ و بل کہہ رہے ہیں۔ یعنی ان کی بات فکری دوسرے فلسفیانہ صداقت  
کی طرح ادا ہو رہی ہے۔ جس میں دیہاتی قارئین بھی ہے۔ مگر میر، گوشت پرست، کی وجہ سے احساس خداست  
میں ڈوب جاتے ہیں۔ کیوں کہ گوشت پرست، کی وجہ سے ذات مطلق ہو جانا ناممکن ہو گیا ہے۔ روح اس میں سے  
آنکھ سے جسے گوشت پرست نے پکڑ رکھا ہے۔

جربات میں یہاں کہہ رہا ہوں، وہ یہ ہے کہ وہ مشاعرے جو شدت احساس رکھتا ہے، وہ عقل کے اعتبار سے  
کسی طرح اس مشاعرے کو نہیں ہے جو فکری فکر کا حامل ہے، اور غائب ایسے شاعر تھے جنہیں عہد بات کو سوچنے  
اور اپنے افکار کو محسوس کرتے تھے۔ دوسرے لفظوں میں اس کی ذہنی ساخت بھی یہی ہے اور اس کا ذہن بھی یہی  
ہے۔

شب کہ برق سو زول سے زہرہ ابر آب تھا  
قلعہ ہوا کہ ہر یکہ حلقہ عر داب تھا

جسکوہ لگی نے کیا ستاراں چراغاں آب جم  
یاں رواں شرکاں چشم قرعے خون تاب تھا

یاں ہر پیر شور بے خوابی سے تھا دیوار جو  
داں وہ فرقہ ناز و محو ہاشم کنواں تھا

یاں نعل کرتا تھا روش شمع ہریم بے خرواں  
جسکوہ لگی داں بسا با صحبت اماب تھا

فرش سے تا فرش واں طرناں تھامہ رنگ کا  
یاں زمیں سے آسماں تک سونٹ کا آب تھا

ناگہاں اس رنگ سے خونِ نالہ پٹسکائے لگا  
 دلِ مگر دوق کا و شبِ ناخن سے لذتِ یاب تھا  
 مقدمِ سیلاب سے دل کیا نشا و آہنگ ہے  
 غارِ عاشقِ مگرستِ ابرِ صدائے آب تھا

غائب کی یہ فزل، ان کے اسلوب کا نمونہ ہے۔ اب پوچھئے؟ اسلوب کیا ہے؟ اسلوب ایک پیرائے بیان ہے، اور پیرائے بیان، فکر کا قالب ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسلوب کو نگار یا بیان کی ساخت سے جڑا نہیں کر سکتے۔ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ نگار الفاظ کے ذریعے بیان کی جاتی ہے، اور الفاظ کچھ محدودات کے حامل ہیں۔ ممکن جذبات خود الفاظ کوئی معنی نہیں رکھتے۔ الفاظ کیا ہیں؟ آوازیں یا تصویروں، جو ہم نے وضع کر رکھے ہیں۔ خاص خاص اشیا اور خاص خاص جذبات و افکار کی ترجمانی کے لئے، جو دراصل کیفیتیں ہیں؛ ذہن کی معروضی اور معرفتی حقیقتوں کے رد عمل کی۔ ذہن سے باہر خارجی اشیا کے علم و آگہی کی۔ اور مہمانِ احساسات کے شعور کی۔ سب یہ ذہن اور جذباتی کیفیتیں، ایک دوسرے میں محلول ہو کر پیچیدگی اختیار کرتی ہیں، تو الفاظ ان کے بیان کی کفایت نہیں کرتے۔ اس وقت ہم ان حالات کی ترجمانی کے لئے وہ دوسرے طریقے اختیار کرنے لگتے ہیں جو فارسی کے احساسات کی گہرائی و کثافت کی علامت ہے، اور اس کے اپنے تجربات کی بنا پر زیادہ بوسل ہوں۔ ایسے جن کی نکاسی عمر کا ہو یا جوان سے قریب تر ہوں۔ اس طرح ہم ایسے ترجمان ذرائع اختیار کرتے ہیں جو فارسی کے اندرونی جذبات کے لئے حرکتِ ثابت ہوں۔ یہ ذرائع تشبیہ و استعارہ کہلاتے ہیں۔ اور فکر کی روانی کے لئے جو کثرت کی بندشوں کے اندر رہ کر آگے بڑھ سکے۔ ہم صرف و نحو کی دوسری ترکیبیں اختیار کرتے ہیں۔ جو الفاظ کو مناسب بندشوں میں بندھتے ہیں۔ مثلاً سماع، یہ مختلف لفظ کا ایک ہی حرف سے شروع ہونا، تقلیب؛ اضافات اور دیگر طریقے، مثلاً تفعیل لفظی، ایہام اور جملہ و فراق۔

اس اجمالی تبصرے کے بعد آئیے اب ذرا تفصیل سے نگاہ ڈالیں۔ اسلوب کا پہلا جزو الفاظ ہیں غائب انتہائی فارسی فرہنگ (ڈکشن) استعمال کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ غائب نے وہ سادہ زبان استعمال نہیں کی جو میر و درو، سودا یا عمن نے استعمال کی ہے۔ اور جیسے غائب خود سمجھتے ہیں۔ میں چر وہ بچوں کی طرح ناز بھی کرتے ہیں۔ یہ ان کی زبان کی خصوصیت نہیں ہے۔

نظمِ سعید کے پہلے منزلِ تجزیہ کے لئے چلیں کہتا ہوں کہ

نقشبِ فردوسی ہے کس کی شوقِ سحر ز کا  
 کاغذی ہے ہیرہن ہر سپید تصویر کا



آتشیں پا ہوں گداہ و حشت زنداں نہ پوچھ  
 مونے آتش دیدہ ہے ہر علقہ زبان زنجیر کا  
 شوخی نیرنگ صید و حشت طاؤس ہے  
 دام سبزہ میں ہے پرواز چمن تیز کا  
 لذت ایجاد تازہ منوں مرن ذوقِ قتل  
 نہل آتش میں ہے تجھ یار سے پیچیر کا  
 کاوے کاوے سخت مائی بائے تنہائی نہ پوچھ  
 بج کر ناشام کا لانا ہے جوئے سفیر کا  
 حشت پشت دست گلزارِ وقاب آتش و دلا  
 پھر ہوا ہے بیل سے پینا دمس تبیر کا  
 و حشت خوابِ عدم شور تما مشہر ہے اسد  
 جو مژدہ جو ہر جنبش آئینہ تبیر کا

پہلا اور پانچواں شعر زبان اور ساخت کے اعتبار سے جس کو میں انفقا کا دروہست کہتا ہوں، تو یہ طلب ہے۔ اگرچہ وہ فنِ اہمیت کے حامل ہیں، جن پر ہمیں روشنی ڈالوں گا۔ یہاں میں آپ سے درخواست کروں گا کہ بقید شعروں میں انفقا کو میں انفاز سے انہوں نے کیا ہے ان پر غور کیجئے۔ اس سے پہلے کہ میں ان پر غور نہ کرے کروں، ایک مرتبہ پھر شعر آپ کے ساتھ دہرانا چاہتا ہوں۔

آتشیں پا ہوں گداہ و حشت زنداں نہ پوچھ  
 مونے آتش دیدہ ہے ہر علقہ زبان زنجیر کا  
 دیدے کے تمام اشعار

اس طرح کی بندش دیکھی کسی نے دیکھی اور نہ اردو کے کسی دوسرے شاعر نے ایسی بندشیں ہتھالیں کیں۔ یہ غزل، روشنی اور سلا سے سمجھو۔ اس میں شعلہ آتش کی لپک اور چنگا ریلوں کے پھول، مید، رنگ ہے، پانی ہے اور آئینے کی چمک ہے۔ اس دیوان (شعرِ سمید) کی پہلی غزل ہونے کے لحاظ سے نہایت موزوں۔ کیونکہ یہ فکر کی ہر گامی، عشرِ سامانِ نشان (محض صدمہ) اور پیش میں رنگا فک شعورِ صیقل سے مالا مال ہے، اور اس سے بھی زیادہ ان کے اسلوب کو واضح کرنے والی چیز انفقا کا وہ انتخاب اور ان کا وہ دروہست ہے جو میرت، انجمن، و شوار علیہم قاری کے قابو میں نہ آئے۔ مگر ساتھ ہی غور نہ کر کے پر بھی نہ کرے دے لے ہی۔

اس نثر میں غالب کے اسلوب کے متعلق ایک عام سی بات یہ ہے کہ ان کے الفاظ بالعموم فارسی کے ہیں۔ صرف افعال اردو کے ہیں۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ غالب کے الفاظ انتخابی قرانی اصناف سے چڑے ہیں جن سے نیاں اشعار قائم ہوتا ہے کہ وہ عیناً از فہم ہیں۔ یہیں فارسی الفاظ کے انتخاب پر کچھ زیادہ بچنے کی ضرورت نہیں۔ بہر حال غالب فارسی زبان کے محقق اور شاعر تھے۔ ان کے والد کی زبان اور ان کے اجداد کی زبان فارسی تھی۔ انھار میں صدیوں سے سودا سے لے کر تہذیب کے تمام شعبہ کے الفاظ لڑکھن، پیرا، ہوان اور شاعری کی ساخت پر فارسی غالب رہی ہے۔ جہاں تک قرآنی اصناف کا متعلق ہے، فارسی اصناف کی زبان ہے، لیکن غالب کے یہاں اصناف کا استعمال نہ تو عام ہے اور نہ آسان ہے، اور نہ وہی ہے جو عام طور پر اہل فارسی مستعمل کرتے ہیں۔ یہ غالب کے اسلوب کی خاص خصوصیت ہے۔ ان کے ہوان کا انگ ڈھنگ ہے۔ جس کے ذریعے وہ الفاظ کو اردو تصورات کو ایک خاص طریقے سے گزرتے ہیں۔ تنہیک اسی طرح جیسے انگریزی زبان کا شاعر ہرپکشی کی بجائے جس کی مشاعرے اسلوب اور تکنیک کے لحاظ سے غالب کی مشاعری اور اسلوب کے متن جاتی ہے۔ وہ غالب کا ہم عصر بھی ہے، اس کی وفات ۱۸۸۹ء میں ہوئی۔ اگرچہ وہ نون کے درمیان بڑا فاضل تھا، وہ سمیت مستند علم اور غالب اس پار کے، اور تہذیب اور فضا دونوں کی ایک دوسرے کے لئے دو مختلف تمدنوں کی طرح ہی صدر اور اجنبی! غالب کا اصنافی اسلوب اردو زبان میں اس طرح حیرت انگیز اور دم بخود کر دینے والا ہے جس طرح انگریزی زبان میں ہرپکشی کا طرز نظام۔ ہرپکشی کی نظم *The Wreck of the Land* - کا ایک حصہ سنئے:-

No, but it was not these.

The jading and jar of the cart,  
Time's tasking, it is fathers that  
asking for ease

Of the sodden-with-its sorrowing  
heart,

Not danger, electrical horror; then  
further it finds

The appealing of the Passion is tenderer  
in prayer apart:

Other, I gather, in measure of mind's  
Burden, in wind's curly & beat of endranged  
seas.

کیا آپ نے دیکھا، وہی بڑے بڑے الفاظ، اصناف کی صورت رکھنے والے شاعر - Sodden -

its - sorrowing heart - غالب کے یہاں یہ اضافات زیادہ پیچیدہ اور دم بخود کر دینے والے ہیں۔

### ذاتِ ایمان کا انسانی عنصر، ذوقِ قتل

یہ پورا مصرع اضافوں کا ایک سلسلہ ہے۔ سارے الفاظ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ ذہنی اور جذباتی کیفیت کو مزید گہرائی کے ایک وحدت بنا رہے ہیں۔ بین بیک وقت غارت، اہدام اور مبالغہ آمیز تقابل کو ایک لائیف لک وحدت میں سمجھ رہے ہیں۔

غالب طبیعیات، ذہنی کیفیات اور جذبات کو باہم گوندھ کر ایک کر رہے ہیں۔ یہ ایک پیچیدہ مرکب ہے مرید اور غیر مرید کیفیوں کا ملا جلا مرکب ہے جس میں الفاظ صرف و نحو، تصورات و خیالات، مستحقت و اضافہ، احساسات و جذبات، صیغہ اپنا اپنا کردار ادا کرتے ہیں اور مل جل کر ایک وحدتِ کُل کی حیثیت میں بھی ادا کر رہے ہیں۔ یہ بات جو پکٹس یا کسی دوسرے شاعر کے یہاں نثر نہیں آتی۔ ڈون ایسکو (Don Bosco) کے یہاں بھی نہیں، اور اس کے ہمرنگوں میں بھی نہیں، جو تکنیک کے معاملے میں مختلف پہلوؤں سے غالب سے قریب تر ہیں۔ اب ہم اسلوبِ غالب کی تیسری خصوصیت یعنی ایسا مہر پر خود کر رہے ہیں۔

قائل ہیں کہ الفاظ جذبے کے انبار ہیں، کفایت نہیں کرتے، یہ قائل اضافات و صحت نگرانی یا جذبے کی تدریجی رفتار تک ذہن کی رسائی میں مدد دیتی ہیں۔ اس لئے کہ جذبہ ایک پیچیدہ اور مرکب حالت ہے جو رنگ کی طرح اصل شے کو جلا دیتی ہے، اور دوسری چیزیں اور سیاقی کیفیتی پیدا کر دیتی ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ان اجزائی ترکیب سے نئے پہلو اور پھر ان کی نفاذی شکلیں پیدا کرتی چلی جاتی ہے۔ یعنی اصل شے تدریجی طور سے گزر کر مہر ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ بالکل نئی چیزیں ساتھ آجاتی ہیں۔ یہ تحولی عمل جتنا شدید ہوگا اتنے ہی

اجزاء ترکیبی پیچیدہ ہوں گے، اور اتنے ہی دقیق انداز بیان، مشادات اور تکیج بھی ہوں گے، لہذا اصل شے کی جانب لوٹنا (یعنی الفاظ کی طرف) بہت دشوار ہو جاتا ہے اور گہرے تحلیل و تجزیے کا مطالبہ کرتا ہے، اور نئی تشکیل چاہتا ہے۔ اگرچہ عموماً ممکن ہے کہ اصل شے کو دوبارہ ساتھ لایا جائے، اس لئے افکار، احساسات اور جذبات اضافی چیزیں ہیں، ان کی ابتدا و افراط، حالات اور تشکیل موشرات اور محسوس کیفیات پر منحصر ہیں، جو کبھی دماغی اور ذہنی درمیان یکساں نہیں ہوتے، لہذا عاشق اور مشاہد اشیا پر ہمیں قناعت کرنی پڑتی ہے۔ بین قریب تر پیچیدگی والی چیزیں اختیار کرتی پڑتی ہیں، تاکہ بنیادی ابتدائی حالت خود قاری کے ذہن میں پسیدہ ہو

جائے۔ جس طرح زمین یا نیچے پڑ کر پھوٹتا ہے اور اپنے مراحل سے گزرتے ہوئے بار آور ہوتا ہے۔ بدینہ ہی صورت قاری کے ذہن میں بنیادی ابتدائی حالت یعنی خیال کے پیدا ہو جانے سے لے کر پیرائے بیان میں آجائے تک ہوتی ہے الفاظ کے استعمال میں یہاں ہے وہ دشواری میں ہر ہم طور حاصل نہیں کر سکتے، یہی وجہ ہے کہ انتہائی شخصی اور داخلی احساسات تو دیکھ کر روزِ مرد کے مقابلہ میں کیفیات کا اظہار مشکل، مشکل اور خاص کے ذریعے نہیں کیا جاسکتا، مثال کے طور پر آواز اور رنگ کو الفاظ میں کوئی کیونکر ادا کر سکتا ہے؟ ہمیں مجبوراً یہ صورت اختیار کرنی پڑتی ہے کہ

ہم ایسے تحریک پیدا کریں جو قاری کے ذہن میں خود اس کے ردعمل کو پیدا کر کے اپنے تاثرات کے ذریعے ان اشعار کی قریب قریب شکلیں جس طرح دے۔ حلقہ دہلی کے (ہنر کی سیٹی کی آواز بہت عام ہے۔ مگر اس عام آواز کے بارے میں ابھی ہم کہہ کرنا چاہیں تو یہ دقت ہے کہ الفاظ کے ذریعے ہم اس کی جو بہو نقل چاہیں نہیں کر سکتے۔ لہذا ہمیں اس پر توجہ دینی چاہیے کہ سیٹی کی اس آواز کے بارے میں قاری کے جو احساسات ہیں انہیں پیدا کر دیں۔ لیکن اسے بھی نہ بھولیں، یہ لازمی نہیں ہے کہ قاری کے احساسات اس سیٹی کے بارے میں جو کہہ چاہیں وہ بالکل وہی ہوں جو ادیب کے ہیں، پھر یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ میں شخص نے سیٹی کی آواز بھی نہیں سنی، اس کے ذہن میں ہم سرے سے کسی تاثر و ارتباط کو پیدا نہیں کر سکتے۔ یہی حال رنگ کا ہے۔ قاری کے ذہن میں گھاس کے کسی خاص رنگ یا آسمان کے رنگ کو بینہ اس کی صورت میں کسی طرح پیش کر سکتے ہیں؟ روشنی کے اثرات کو کسی طرح دکھا سکتے ہیں؟ چاہے کتاب ہی ممکن نقشہ ہم پیش کیوں نہ کریں۔ جیسے ٹینکس نے لفظوں کے ذریعے تصویر کھینچ دی ہے۔

"The pavement grows a  
glimmering square."

ہمیں ایسے مشعر کی بیانات و معانی اشعار استعمال کرنے پڑتے ہیں جو قاری کے ذہن میں وہ کیفیت پیدا کر دے جو مصنف کی ذہنی کیفیت سے متن الامکان قریب تر ہو۔ لیکن جب ذہن اور جذباتی احوال کا معاملہ ہو تو یہ بات دشوار تر ہوجاتی ہے، اس واسطے کہ خام و عام لوگوں کے مقابلے میں زیادہ حساس اور مضطرب احوال اور صرغ ش ہوگا ہے، اور اثر و اثر و کہیں وہ جو میں نے ہوپ کنس (Hopeless) یا غالب کی طرح جذبے کے آغوش میں پردہ نش پائی ہو تو اس کی فکر و احساس کی نزاکتیں اور وقت طلبیاں تقاضے کرتی ہیں کہ اس کی زبان انجام میں ہو اور توجہ بھی۔ یہی سبب ہے کہ ہوپ کنس کی طرح غالب ہمیشہ نئے الفاظ تلاش کرتے ہیں، اور نیا پیرایہ بیان اختیار کرتے ہیں۔ مثلاً خوشی، نیرنگ، آتشیں پا، گداؤ و حشت، آتشیں وہ، ناز و انوس، حشت پوش، دست بجز، آغوش و دار، شور و شاش، آئینہ قبیر، جو اس فزل میں موجود ہیں جو زیر پرست ہے۔ اس سے کچھ زیادہ چہچہ پر یہ مصرع :

لوتہ ایجا دنا نای المون مسرخی دونی قتل

جو ایک دوسرے سے تو ان الفاظ قتل کے ذریعے، مربوط، ایک واحد، جذباتی تصویر پیش کر رہے۔ غالب الفاظ کو اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ وہ ان تصوراتی حالات کا ادب اختیار کرتے ہیں، جو خوان کی ذہنی و عقلی کیفیات اور نفسی تخلیق عمل کے مطابق ہوتے ہیں۔ جیسے - وحشت - ایک مخصوص کیفیت کے لئے استعمال کیا ہے، جو فکر کی تجربے اور عاری دونوں صورتوں کا حامل ہے، "تسمیر" عقلی سطح پر معین ہوجانے کے لئے استعمال کیا ہے - طرہ - آنکھ کی جگہ پر استعمال کیا ہے - "آئینہ" روشنی اور علم و غیرہ کے لئے استعمال کیا ہے - غائب کی دنیائے لغات - وسیع متنوع اور مشتبہ جذبات کی حامل ہے - اس لئے مخصوص توجہ کی ضرورت ہے۔ علم و تحقیق کا یہ نیا پہلو میں ماہرین کے لئے چھوٹی ہوں۔ گیتے اس پر غور کریں کہ غالب کے اس ایسا ہی طریق بیان میں الفاظ کا

معروف دروہیت اتنا غیر معروف و غیر معمولی صورت اختیار کرنے پر مجبور کیوں ہو جاتا ہے؟ جملوں اور فقروں کی بندش اُنٹ کیوں جاتی ہے؟ صرف وہ غروٹ کیوں جاتے ہیں؟ الفاظ اپنے خاص عمل و مقام پر باقی کیوں نہیں رہتے؟ وہ ایک جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ — معانی کی جگہ — کیوں بٹھا دیئے جاتے ہیں اور انحال ایک سے زیادہ فقرے کی طرف اشارات کرتے نظر آتے ہیں، جس سے قواعد کی پیچیدگیاں اور بھی بڑھ جاتی ہیں اور ابہام پیدا ہو جاتا ہے۔

شوقِ نیرنگ صبر و مشقِ طاؤس ہے

دامِ سبزے میں ہے، پروازِ چمن شیر کا

ہوپکنس بھی یہی تکنیک استعمال کرتا ہے:

*Ah, touched in your tower of bone  
Are you! turn for an exquisite smart,  
Have you! make words break from me  
here all alone.*

*Do you, mother of my being in me, heart.*

”Do you“ کا ٹکڑا جگہ میں غلط مقام پر ہے۔ ٹھیک اسی طرح جیسے غالب کے مصرع:

”دامِ بہرہ میں ہے، پروازِ چمن شیر کا“

میں ہے۔ اپنے محل سے ہٹ کر ذاتی ہوا ہے۔ اسی طرح ہوپکنس کے مصرعے میں ”Heart“ کا لفظ قواعد کے دوسرے اپنے مقام پر نہیں ہے جیسے غالب کے مصرعے میں لفظ ”دام“ اور ”پروازِ چمن“ ہے۔ یہ احوال کا محل سے ہٹ کر واقع ہونا، جسے تعقید و لغتی، کہتے ہیں ابہام پیدا کیے قاری کے ذہن کو آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔ یہ عقیدہ حق ہے، جسے غالب براہِ استعمال کرتے ہیں، لیکن دانستہ نہیں، جس طرح ہوپکنس عموماً کرتے ہیں۔ مثلاً:-

*When will you ever, Peace, wild wood  
dove shying wings shut,  
Your round me roaming end, and  
under be me boughs? - Peace*

یہی صورت حال ہم غالب کے یہاں بھی دیکھتے ہیں۔ لیکن وہ اس سے مختلف ہے۔ غالب کے یہاں یہ صورت حال درحقیقت افکار کے طوفان اور صرف و کلام میں تعقید کا نتیجہ ہے۔

مثلاً وہ ایک فعل کو ایک سے زیادہ فقروں سے اور ایک سے زیادہ فقروں اور تجزیہ کی بیخودیاں سے مراد کر دیتا ہے۔ جیسے اس شعر میں ہے

و حشمت خواب عدم شورش مشابہ است

جو مژدہ جو عسر جنبی آ کیستہ تبیر کا

یہاں پہلا ضل ہے۔ دو مختلف حالات کو مریض کر رہا ہے یعنی "و حشمت خواب عدم" اور "شورش مشابہ" دونوں سے مراد ہے۔ اور یہ دونوں مل جی کس "مژدہ" سے بھی ربط پیدا کرتے ہیں جو جوہر آئینہ تبیر نہیں ہے اور یہی خارجی حقیقت (رقاصا) بنائیت پر غریب ہے۔ اس سلا آئندہ خارجی حقیقت کے پسے نہیں دیکھ سکتی، جس طرح "خواب عدم" کے پسے نہیں دیکھ سکتی۔ کیونکہ ذات خود وہ ایک غریب خیالی ہے، لہذا یہ آئندہ سراپا وحشت اور سرزمینات نئی ہوئی ہے۔

یعنی الفاظ اور فقروں کو ایک دوسرے کے اندر چوسٹ کر دیا گیا ہے۔ یہ صورت حال طرفائی خیال کا نتیجہ ہے، جن کا انہماک مرکب الفاظ میں ہو رہا ہے اور صرف و کلم کے اجزاء کو پہلو پہلو رکھنے کے ساتھ ساتھ خیال میں اضطرابی کیفیت بھی پیدا کرتا ہے جیسے پانی میں روشنی کی شعاعوں سے جو انعطاف پیدا ہوتا ہے اس کے نتیجے انوار تک پہنچنا نسبتاً آسان ہے لیکن الفاظ کے گورکھ و صندے سے گذر کر زمین کی بھول بھلیوں سے ہونے ہوئے خیال کے نتیجے تک پہنچنا تقریباً ناممکن ہو رہا ہے۔ خاص کر ایسی حالت میں کہ الفاظ اور فقرے زمین کے اندر زیر پرگندہ ہو رہے ہوں۔ اس کے باوجود غالب نے اشعار با مشرکات لہرہ و مشرقی کے لئے نہیں لکھے ہیں اور وہ لوگ بھی اس کی قدر و قیمت کو کچھ تک نہیں بخورے ہیں اور حقیقت سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں۔

غالب کے یہاں متضاد و متقابل عناصر، جہانی احوال، مادی اور غیر مادی اشیاء کا ایک سلسلہ ہے جو ایک دوسرے میں چوسٹ ہو کر سامنے آتا جاتا ہے۔ غالب نہ صرف الفاظ و خیال کو یکساں استعاروں اور مستعار تشبیہوں کو بھی ایک دوسرے میں دھونے چلے جاتے ہیں جیسے آتش پا، گدا بدوحشت، شوخی، نیرنگ، آغوش دواغ، شور و تماشا، آئینہ تبیر و لہرہ۔ بیرونی دنیا کے ساتھ دونوں دنیا کو ملا کر لکھتے جاتے ہیں۔ اس طرح غالب نے ایہام اور مبالغے سے بھی کام لیا ہے۔ انگلستان کے عابد الطبیعیات شہزاد کے یہاں جو تصورات اور شعری تشبیہیں پائی جاتی ہیں اس استعاروں اور کنایوں کا جو اظہار ان کے یہاں موجود ہے، غالب کے یہاں بھی نظر آتا ہے۔ مثلاً

"The Funerall" کا ایک حصہ ملاحظہ کیجئے :

What are shee meant by it, bury it with me,

For since I am

Love's martyr, it might brude idolatrie,

If into others hands these Reliques came;

As't was humility

To afford to it all that a Soule can doe,

So, 'tis some bravery.

*That since you would save none  
of me, I bury some of thee.*

ڈن کی اس فلسفہ میں ابہام موت و نیکو و بے اتن نہیں ہے، جتنا جذبہ کی خدمت اور غائب کی وجہ سے ہے، حالانکہ غائب کے مقابلے میں یہاں شدت کم ہے، مثلاً

آتشیں پاہوں گداڑ و مشیت زندانِ نیکو  
موتہ آتش دیدہ ہے ہر جھڑیاں ز نیکر کا

غائب کے اس مشورے کے مقابلے میں، ڈن کی فطرت کا کھانا آسان ہے لیکن غائب کے اس شعر میں وہ قرانی نئی دنیا میں جو غائب کے پرورش انکار کے متعدد اجزاء کو ایک جگہ سمیٹ کر (مربوط کر کے) منی واضح کر دیتے ہیں، یہ قرآن خود الفاظ میں موجود ہیں جو معنوم کی طبع اشارہ کر رہے ہیں۔ سدرہ بالا مثال میں آتش کی معاون صفات جذبہ، صحت، وحشت کی فضا کا تعین کرتی ہے، عشق میں وحشت کی کیفیت جو دل کو تیز کر رہی ہے، اس جذبہ اور آتشیں جذبہ کو اس قدر بھڑکانے کے ہر عرصے ہلکے اس کی گری سے تپ کر چکا تھا کہ اس کا گرواؤ نیکر بن جاتا ہے، یہ شعر زندگی کا، اس کی وسعتوں کا اور بے قراروں کا، اور فنا کا شایہ بن گیا ہے۔ جو - مرشد آتش دیدہ کے مثالی شعری سے نگاہوں کے سامنے آ جاتا ہے۔

فریج ہاں پھر اس طرح کے قرائن و حرکات دوسرے معاون صفات کی جانب ہمارے ذہن کو لے جاتی ہیں جو اور بھی زیادہ مزید ہیں، اور اس بنیاد پر وہ بھی زیادہ دشوار ہے

شوخی نیرنگ صید و حشمت طاؤس ہے  
دام سبزہ میں ہے، پردہ از چمن نیکر کا

اس شعر میں، نیرنگ، یہی خیالات کو جوڑنے والی کڑی ہے جو کیفیت غریب کوئی ہر کرتا ہے، طاؤس کی فریب خوردگی بھی صفت جاننے والی ہے اور سبزہ چمن بھی مٹے جانے والا لیکن طاؤس اپنے صحن کی شوخی نیرنگ میں کھو یا ہوا ہے اور "پردہ از چمن" دام سبزہ میں گرفتار ہے، حالانکہ بیابان اور جلوت حسن سب ماضی اور فنا ہو جانے والی ہیں، ہم اپنے آپ کو بے سبب دھماکا دے رہے ہیں جو ان سے دل لگائے بیٹھے ہیں۔ یہاں فریب خوردگی کے ساتھ لکچ نہیں ہے سے

ہاں کھائیو موت فریب جستی  
ہر صید کہ ہے نہیں ہے

اس معاون صفت کی ایک اور قسم میں غائب کے یہاں وہ بھی ملتی ہے جوئی ایس ایلیٹ کی نیکو میں ہم دیکھتے ہیں، اور جو خدمات اور بے شمار دیکھی جہاں اور مسوس کی جوئی استیلا کے تجربات پر مبنی ہے اور جوئی نیا و فاس فانی اور اتفاقی ہے۔ جب کہ اس شعر میں ہے سے

نفس فریاد ہے کس کی شوخی، خیر کا

کاغذی ہے پیریں ہر چیکر نقویر کا

اس مشعر میں قدیم قازمی کی ایک رسم کا تذکرہ ہے۔ جب کوئی استثنائے مدامت کے سامنے پیش ہوتا تھا تو مستفیض کاغذی لباس پہن کر حاضر ہوتے تھے، یہی استثنائے کی علامت تھی۔ اس مثال سے غالب نے زندگی اور اس کی دردناکیوں (جو اس سے وابستہ ہیں) کی ہر فریب تصویر کی طرف ذہن کو متوجہ کیا ہے۔ جیسا کہ غالب خود اس کی مشعر کرتے ہیں۔

غالب کا صرف یہی ایک شعر نہیں بلکہ پوری غزل ایک ہی خیال کی ترجمان ہے کہ زندگی ایک فریب ہے۔ اسی طرح غالب کا یہ دوسرا شعر بھی ایسے ہی نامے بد میں زیر بحث لائے گئے رکھ چھوڑا گیا ہے

کاؤ کا وسعت جان ہائے تنہائی نہ چھو

بچ کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

اس میں فریاد کی طرف اشارہ ہے، جوئے شیر کی کو حاصل کرنے کے لئے چٹائیں کاٹ کر دودھ کی ہنر جاری کرنا چاہی تھی (اور میں کی وجہ سے کوہ کن مشہور ہوا)۔ مگوں کی تنہائی اور وحشت اور کاؤ غلوں کے بارے میں انعام ہے جو کہ آخر کار ساری کوششیں رائیگاں نہیں۔ کیونکہ جس کی خاطر اس نے یہ سب کچھ کیا وہ اسے نمل سکی۔ اس لئے یہ سب کچھ دام خیال تھا اور ایک دردناک خواب۔ پس واحد حقیقت جو بقی رہنے والی ہے وہ صرف اہل ہے اور یہ چارگی۔ اور ایسی شدید اور مستحکم وحشت جسے کوئی سیدہ بجا کر نہیں لے جاسکتا ہے

حشمتِ پشتِ دستِ مجز و غالب آغوشِ دولہ

پڑ جوا ہے سبیل سے پہاڑ کس قبیر کا

ہر پہاڑ ہونے والی چیز آئی جانی ہے۔ کوئی پہاڑ جب انسان کی زندگی کے پیادہ بنی تو نہیں بھر سکتا۔ اس کا پیادہ ہمیشہ زیادہ سے زیادہ کا طلب گار ہے، اور کبھی سیرِ محنت والا نہیں۔ اس لئے عروسی اس کی محنت ہے اور آغوشِ ودار دار لگتا ہے۔ اس شعر کی تشریح میں پھر اس ابتدائی منزل پر سے آئی جہاں میں نے غالب اور میر کا موازنہ کیا تھا۔ میر لکھتے ہیں کہ

سہ سمانی بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام

آفاق کی اس کارِ گہرِ سسٹیش گری کا

اور غالب متنبہ کرتے ہیں کہ

وحشتِ خوابِ دم مغر و تماشا ہے اسد

جو مژدہ جو عسر نہیں آئینہ تبیر کا

اور میر نے بھی کہا تھا کہ

مسطحِ بے فروی ہے یہ جہاں

جسٹہ طیسر دار ہوا چاہئے



جو وہ خیال ہے جسے تیرنے ہار یا بڑی نزاکت کے ساتھ اپنے نقش میں انداز میں پیش کیا ہے۔ غائب بھی اسی رنگ میں ڈوبے ہوئے ہی لیکن غائب خود اسے اپنے ذہن کی رنگ میں سے دیکھ کر اسے اپنے اخلاقی میں پیش کرتے ہیں اور اس قدر معانی آمیز طور پر دل فریب اسے عطا کر دیتے ہیں، جتنی دل فریب خود اس کے معانی میں ہے۔

غائب کی زیر بحث فریل قوس و قزحی رنگ کی حامل ہے۔ صرف و سخن کی تمام ترکیبیں انجاء خیال کے لئے استعمال ہوئی ہیں جن میں لفظ و بیان، تشابہ شعری و سجع، استعارہ ادبیہام، زبان کی مرکب اور مرتب و غیر مرتب مناسبات اور ان سب کی وحدت منوی و منی ہی ہے جیسا کہ انگلستان کے ماہر الطبیعیات شعراء کے بیان نظر آتی ہے۔ ماروین (MARVELL)، کاوے (COWLEY)، اوڈن (DONNE) ایہام کو اس کی انتہائی شکل تک پہنچاتے ہیں، اور مرکزی خیال پھیل کر ان کے بیان فکر کا آثار بن جاتا ہے۔ غائب کے بیان بھی یہی وحدت پیدا ہوئی ہے بلکہ اور زیادہ شدت کے ساتھ۔

لڑتے ایجا دنا زامنوں عریض فوقی نقل

نقل آتش میں ہے تیغ یا رے خنجر کا

انگلستان کے ماہر الطبیعیات شعراء کے مقابلے میں غائب نے کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ شدت جذبات اور ہنگامہ خیزی کے ساتھ اپنا مفہوم ادا کیا ہے۔ پنج تو یہ ہے کہ غائب نے الفاظ کے قول میں فکر کو کچھ اس طرح بند کر کے چھوڑا ہے کہ قاری کا ذہن رسا جوں ہی اس کو شس کر تبے وہ قول ہم کی طرح بھٹ پڑتا ہے اور منی کا آتشیں طوفان برپا ہو جاتا ہے۔ کچھ لوگ دم بخود ہو کر رہ جاتے ہیں اور کچھ اس کے معانی کی تہہ میں غواہی کرنے لگتے ہیں۔ وہ معانی جو - افسانوں مرگ - کے پردوں میں چھپے ہوئے ہیں اور جوشق کی طرح آدھی گواہی میں تنویم کے درپے اپنا "معمول" بندھتے ہیں۔ اور پھر اسے شہادت کے سرور انگیز حقیقتوں میں ڈوب جانے کے لئے بے تاب کر دیتے ہیں۔ یہاں نہیں بلکہ زندگی کی دردناکیوں اور آلام روزگار سے آزار ہو جانے کی تائید ان کے اندر پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ انارکسی دوسرے شاعر کے یہاں نہیں ملتا۔ حتیٰ کہ ہوسپکنس اور ڈون کے یہاں بھی نہیں۔

غائب کے یہاں اس آتشیں طوفان کی برق پاشی نغزوں کے سامنے آتی ہے تو دو متغیر کیفیات پیدا کرتی ہے۔ اس کا نظارہ حلال و جمال مسرت بخش بھی ہوتا ہے اور مسخر کرنے والا بھی۔ غائب اپنی اس صنعت کی وجہ سے جدید اور سرد انگیز نظر آتے ہیں۔

غائب کی تکنیک کے مسائل یہی پہچان کر تمام نہیں ہو جاتے، ان کی طرف کچھ اور بھی "حرے" موجود ہیں جو اسی طرح دقیق ہیں۔ غائب اپنے اشارے ایسے الفاظ و فقرے بھی صرف کر جاتے ہیں، جن کو منی وانی کے لئے ٹھوس اور تلاش کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، اور جو ایک فقرے کو دوسرے فقرے سے اور اسی طرح ایک خیال کو دوسرے خیال سے مربوط کرنے کا کام دیتے۔ اس بات نے خود غائب کے ہم عصروں کو بھی بہت پریشان رکھا اور

ہمارے دور میں بھی لوگ حیران نظر آتے ہیں۔

خشست پشت دست مجز و غالب آغوش و دماغ  
پڑ جا ہے میل سے چمانہ کس تعمیر کا

اس شعر میں پہلے دو فقروں یعنی "خشست پشت دست مجز اور" غالب آغوش و دماغ" کے  
درمیان ربط کا تلاش کرنا خاصا دشوار ہے۔ اگرچہ ان دونوں فقروں کو دوسرے مصرع (یعنی)  
"پڑ جا ہے میل سے چمانہ کس تعمیر کا" سے مربوط کرنے والا جنو بھی غالب ہے۔ اب قاری ہے چارہ کیا کرے؟ غالب نے صرف اشارات و قرائن لیے

چھوڑے ہیں۔ جو ان کے معنوم رنگہ کی جلدی تک پہنچنے کے لئے ذہن کا کام دیتے ہیں۔ غالب ایسے شاعر تھے  
جو اپنی فکر کو تخلیق کے غلاف سے بیگانہ تک پہنچا دینے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتے تھے۔ اگر غالب کے مزید و جوش کی  
آخری حد تک پہنچنے سے ہم قاصر رہ جائیں تو یہ غالب کی تقصیر نہیں۔ قصور ہمارا ہے۔ وہ خود کہہ چکے ہیں۔

آتش کہ ہے سینہ مر را بڑ نہاں سے  
اے دامنہ اگر معرض انہا رہمید آوے

مغنیہ کمر معنی کا طلسم اس کو کجئے  
جو لغذا کہ غالب مرے اشعار میں آوے

غالب کی مدد پر منظم و مرتب قوتِ ادراک و نزاکت احساس کے آنچنے میں تخلیق کی بھری ہوئی تصویریں  
جو بظاہر ایک دوسرے سے جڑ کر رہا نظر آتی ہیں۔ ایک وحدت کا روپ دھارتی ہیں۔ اگرچہ قاری کا شعور تہہ بہ تہہ پاتا  
ہو تو اس کا شعور معلوم ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ مرکزی خیال خیال رنگوں میں پھیل کر ایسا قوس قزحی بن جاتا ہے کہ ان مختلف  
رنگوں کو سمیٹ کر روشنی کی ایک کرن بنانا اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہو جاتا ہے۔ جس کے لئے تربیت یافتہ ذہن  
کی سرگرمی مطلوب ہے۔ غالب کا مرکزی خیال اپنے تمام اجزاء ترکیب کے ساتھ دیکھوں کہ کوئی خیال کبھی  
تہا نہیں ہوتا جلد بہت سی کیفیتوں کا مجموعہ (جوتکلمے) مدارج کا حامل ہے۔ غالب کا شعور گویا ایک ایسا نظام  
جسمانی ہے۔ جس کے اندر دھڑکنے والے (PLASMA) کی تہ نشیو م جیں پیہم رواں ہیں۔ جن کا تعلق غالب کے  
غالب کی شاعری پر ہر دور میں چٹ پٹ کر نگاہ ڈالی جاتی ہے۔ جلد پایہ شاعری کی یقینی پہچان لے سکتے ہیں جیسا کہ  
کالمی نے بھی واضح کیا ہے۔

غالب کے بہم ترین اشعار میں بھی ایسی کشش ہے کہ آدمی غالب کی طرف پھٹنے پر مجبور ہے۔ یہ بات  
غالب نے خدا اپنے رفقاء کا وہ شعر میں کہہ دی ہے۔

مغنیہ کمر معنی کا طلسم اس کو کجئے  
جو لغذا کہ غالب مرے اشعار میں آوے

اس قسم کی مشاوری سے نفسیاتی اپنا چاہے کتنی ہی کیوں نہ ہو اور ان کی مشاعرہ مشکل میں نہ ہوں اور عبیر انہم ایہام کتنی ہی الجھن کیوں نہ پیدا کرے، غالب کو نہ نظر انداز کیا جاسکتا ہے اور نہ انہیں کوئی سمجھا سکتا ہے۔ اس لئے کہ وہ جو کچھ کہتے تھے وہ ہمہ گیر ہے اور اس واسطے ہیں کہ جو کچھ انہوں نے کہا ہے، اس انداز سے کہیں اور نہ نہیں کہلے۔

غالب کا انداز بیان شاندار اور ادبیات عالیہ کا نمونہ ہے اور کوئی صنم نہیں یا عام قاری ان کے اشعار کو فرحوش نہیں کر سکتا۔ یہی سبب ہے کہ غالب کی شاعری مسترت خنجر اور تیس انگڑی ہے اور یہی صفت غالب کو ذوقِ جاوید کر دیتی ہے۔ صنم جنوں کے لئے غالب کے اشعار میں ذوقِ کر معنوم و معنی تلاش کرنا دشوار انگیز زمین کاوش کی محلیت اختیار کر لیتا ہے اور عام لوگ اوچری سطح پر رہ کر بڑی جمالیاتی تسکین حاصل کرتے ہیں۔ اُن کا انداز بیان ناقابلِ تنقید ہو جب تک ان کے اشعار کامن قشلیں و جمالِ ترتیب ایوانوں کے پر اسرار عجیبے کی طرح گویا ہے اور اس کے اشعارات درجوز ہمارا مسترت انگڑی کی کیفیت سے معمور ہیں۔

## فکر غالب کی معجز نمایاں

(مجلد ۹۵ سے لے کر)

فریض، قصیدے، مثنویاں، قطعات اور رباعیاں — ہنر و دیکھے جائیں۔ اردو کلام بھی معجز نمایاں میں بہت بلند پایہ ہے۔ لیکن میرزا کا یہ اشعار آج بھی درست ہے، جس طرح کچھ سے سو سو سال پیشتر درست تھا،

فارسی میں تا بہ بین نقل ہائے رنگ رنگ

بجز رازِ جوہر اندو کہ ہر رنگ من است

## بقیہ ذکر غالب

(مجلد ۹۵ سے لے کر)

ہندو صوفی خطوط اور فارسی نثری لکچر خرمی نے بھادوی۔ اس گیسے کا نام اٹھانے، بالغ وودہ، تجویز کیا تھا۔ اس کا حقہ نظم اور شکل کاغذ میگوئی، اور ہر گیسے نقلہ کے اور معجز اثر است مسئلہ کے شمارے میں شائع ہوئے ہیں، نثری جتنے ہیں شہدہ غرض نقل میں غالب کے نام لکھا ہے۔ ان میں سے دوسرے خدائی لکھے ہیں لکھ

ایں باد طائف یا ارتفاع کہ دوست و ہند

منست، بادِ گرانے ہر دو شمس من

نہا دا ہجاری ترجمہ گردن ہندی

کوہوں پر کہ خدا یعنی کہتے کہاں دود

ڈاکٹر سید محمد ہسٹ

دُستوار تویشی ہے کہ  
دُستوار بھی نہیں

اردو نامہ کراچی، شمارہ ۳۲ - جولائی تا ستمبر ۱۹۹۷ء میں، مشکلاتِ غالب مصنفہ خیزہ فتح پوری پر ایک تنقید " از جناب عبدالرب کوکب، انٹرنیٹ گزٹری - غالب کی طرح کوئی عظیم شخصیت مشکل پسند مشہور ہو جائے تو اس کے شمارے بعض اوقات خواہ مخواہ مشکل میں پڑ جاتے ہیں۔ غالب کے اردو کلام میں جو الفاظ اور ترکیبیں مشکل معلوم ہوتی ہیں وہ صرف اردو کی حد تک مشکل ہیں۔ فارسی عربی کی رو سے ان میں کوئی اشکال نہیں۔ بڑے اصنافِ سخن، موضوعات، مضامین تو وہ متر و وہی ہیں جو فارسی عربی مشعر و کے یہاں متداول تھے۔ قصائد کے محرکات اور مناسبات وہی ہیں جو صدیوں سے درباری مشاعروں کے تھے، غزل کی پہچان اور غزلوں کی اچھی طرح جان پہچان ہی ہوتی ہیں۔ تصنیفات میں ان کا اپنا کوئی مسلک نہیں۔ جو منصفانہ اور فلسفیانہ خیالات فارسی شاعری میں رہے ہیں اُسے تھے وہی بلا تک و کاست ان کے یہاں ملتے ہیں۔ ہاں، اُخیں ادا، شوخی، بیان، رنگینی، تخیل اور قوت سے ہر قید و بند سے آزاد رہے۔ وہ - - - - - بہت کچھ دیا لیکن اس سے شاید ہی کچھ کمایا ہوگا۔ وہ کلاسیکی روایت جس سے انہوں نے سب کچھ کمایا اگر اسے راسخ رکھا جائے اور ان کے کلام کی تشرف میں وہ مسلک اختیار کیا جائے جو فقہ میں اصحابِ ظاہر کا راسخ تو میر سے خیالی میں مشکل خاصی آسان ہوتی ہے۔ نیا دماغ کبیں کبیں اصحابِ تاویل کے مسلک پر چڑھے ہیں۔ نیا صاحبِ بڑی حد تک دوزخ کا زنا و طویل سے بچے ہیں۔ کچھ لوگ اصحابِ کلام کی روش پر چل پڑتے ہیں جو بزمِ شعر میں اچھی حنا صوفیاتی ہے۔

ذیل میں چند مشکلات غائب کی سطور پر بیانیہ ہے۔ انگریز مروجہ "سنی فہم" حضرات کے نزدیک مقبول ہو تو اس سے مذکورہ بالا گزارشات کی توضیح ہوگی۔

(۱)

آشفقت علی نے فطرتیں سنبھال کیا درست

گلا ہر جہا کہ داغ کا سہرا مایہ دودھ تھا

سنبھال دے کشتہ انقلاب بھی بکھے ہیں دل کے بیچوں بیچ ایک سیاہ نقطہ ہوتا ہے جسے شاعر مجنون  
 عشق ہی سے نسبت دیتے ہیں :

ہزاروں دل دیکھے جوشِ جنونِ عشق نے تھوڑا

سب جھوک سنبھال ہو گیا ہر قطرہ طوں تنہ میں

حدیث میں ہیں "سکتۃ سودا"۔ یہ کاری سے پیدا ہونے والے داغ دیتے۔ کا ذکر آتا ہے وہ  
 اور ہے۔ درست کرنا بے شک فارسی کا تقاضا ہے۔ فارسی میں درست کر دن = ساختن درست کر دن / درست  
 کر دن فطرت بھی انہیں منیٰ میں، دیکھئے فرخنگ آئند راج۔ اردو میں بھی درست کرنا انہیں منیٰ میں مستعمل ہے۔  
 آشفقت نے فطرت سنبھال کو اور زیادہ گہرا کر دیا، کھیل دیا، مکمل کر دیا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ داغِ دل دودھ کا بنا ہوا  
 تھا۔ دودھ سیاہ ہوتا ہے اور پریشانی کے لئے ضربِ افش ہے۔ غلام یہ کہ آشفقتی، مجنون انسان کی فطرت  
 میں دویمت کیا گیا ہے۔ جیسے جیسے آشفقتی بڑھتی ہے داغ سیاہ بھی دھڑلے کے نشان کی طرح بڑھتا جا رہا ہے  
 درست ہو جاتا ہے، مکمل ہو جاتا ہے۔

(۲)

سادگی و پُرکاری بے خودی و مضطرب کاری

حسن کو تنہا میں جرات آزمایا پایا

حسن کی سادگی میں۔ یعنی زینت و آرائش سے بے پروائی میں۔ بڑی پُرکاری۔ کہیں زیادہ تاثیر ہے۔  
 حُسنِ سادہ ذاتی حسن رکھنے والے کے لئے۔ "مثنوی ہتم" (۱۵۵۵-۱۵۵۶ء) کے لئے "جمال خانہ ہمدانی"  
 سے کہیں زیادہ دلکش ہوتا ہے۔ زینت و آرائش سے بے پروائی علامت ہے بے خودی کی۔ سلا اُکائی ہونے کی،  
 اگلی پائی کی، اکالی حُسن کے ساتھ خود میں خود آراہ ہونے کی۔ معجزانہ مضطرب کاری یہ نفسیاتی کیفیت عاشقوں سے  
 بے نیازی کے اور مشتاقانہ وید کی طرف عدم اتفاق کے "وہ انداز پیدا کرتی ہے جو ہشیاری۔ یعنی خود متائی،  
 طراری، غریبہ جوئی اور گرویدہ ہونے کی شعوری کو مضبشوں سے کہیں بڑھ کر موثر اور کار فرما ہوتی ہے۔ نتیجے کے  
 اعتبار سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ سب غفلت۔ یعنی درحقیقت بے پروائی۔ جنہیں جگہ متاثر ہے، سادگی نہیں  
 بناؤٹ ہے۔ دھڑلے، مشتاقانہ کے خواص کی رُو سے تماثل میں خلقت، انقیاد کا پہلو ہے۔ غفلت کا بناؤٹ

اظہار، یہاں فرق چہل اور چاہل میں ہے۔ یعنی سوچے بچے منصوبے کے تحت شعوری طور پر یہ پروائی اور عدم اطمینان کا اظہار اختیار کیا گیا ہے تاکہ عاشق کی جرأت کی آزمائش ہو۔ جرأت اظہارِ تمنا کی جو قدر جذبہ ہے اختیارِ عشق۔ جوتی ہے۔ عشق کا تنائی عاشق کے لئے تنہائی (محبوبہ کے لئے) کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے جذبہ عشق کا امتحان ہوتا ہے۔ اظہارِ تمنا میں جرأت کی آزمائش اس وقت ہوتی ہے جب من و عشق کی آمیزش میں مطابقت، نزاکت، تسکین ملحوظ رہے۔ یہ ہم سے کئی جاؤ..... ۲۰۰۰۰ والی بات نہیں۔ یہاں غائب اور چہ غفلت سے آوازِ عشق کی تجلباتی کر رہے ہیں۔

### ۳

مسنوح کیجیے جو ہر اندیش کی غری کہاں  
کچھ خیال آیا تھا دمخت کا کہ سحر اہل گیا

عقل و فکر کا اتھاہ مکتب سے زورنا سبب رکھتا ہے عین مکتب غمِ دل سے نہیں۔ دل اور غری اندیش کا باہم ربط وہی ہے بحواسِ بیت میں صاف طور سے بیان ہوا ہے :  
باتر و حودِ دل سے یہی غری گرا اندیش میں ہے  
آہنگینہ تشدد کی مہل سے پھلا جائے ہے  
جو ہر اندیش میں لطیف اشارہ جو ہر آئینہ کی طرف بچا ہے۔ بیت سے کچھ تاثر ایسا بھی ہوتا ہے جیسے :  
جانک تو رہ رہا ہے یا باب کے :۔

### ۴

تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا  
مرنے سے پیشتر بھی مڑ رنگ زرد تھا

شعری روایت میں الفاظ کا جو بھی اختلاف ہو، مفہوم وہی ہے جو مسخرے کے یہاں متبادل ہے :

مراد منزلِ حاناں پر اسن و پیش چل ہر دم  
برس مسرِ راوی دارد کہ بر بندہ کھلیا

مرنے کے بعد جو بھی دیکھتا ہے وہ کہتا ہے کہ موت کے باعث رنگ زرد ہو گیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ مرنے سے پہلے زندگی میں بھی سیرِ رنگ زرد تھا۔ جسے ہر وقت موت کا کھٹکا لگا رہا تھا اس اندیشِ مرگ کی وجہ سے کچھ زندگی میں اس و پیش حاصل نہیں ہوا۔ زردی کا سبب مرگ کا کھٹکا عشق کا کئی ڈاکر نہیں۔

(۵)

دلِ حسرتِ زدہ مستِ ماحلہ لذتِ درد

کامِ یادوں کا مستدرِ لب و لہذاں بکلا

میرے دل میں حسرت کے سوا کچھ نہیں۔ طرح طرح کے غم ہیں۔ گویا ایک دسترخوان ہے میں پر انواع و اقسام کے دند چنے ہوئے ہیں، جو یادوں کے لئے ماحلہ لذت ہیں۔ یادِ مستدر لب و لہذاں۔ یعنی جی بھر کے دشتِ آن سے کھایا جائے۔ میرے درد سے لذت حاصل کرتے ہیں۔ کوئی بیوا غم لگ رہی ہیں۔ میں سے بہد روی کی توقع ہو سکتی ہے وہی ادا فرما لیتے ہیں اور غم جو ہوتے ہیں، مذاقی اڑاتے ہیں۔

(۶)

مشعلِ سحرِ مرغوبِ مجتہ مشکل پسند آیا

ترشائے بیک کفِ برونِ مددِ پسند آیا

سحرِ زائد ہمارے ہاتھ میں ہوتا ہے اور اسی کے ہاتھ میں ہے۔ زائدِ شاہدِ زریا کا ہے، طبعِ بتاں دل میں چھپا ہے پاک یا زہین کو دیکھانے کے لئے بیچ پھیرتا رہتا ہے اور کبھی کو یہ ترشا دکھاتا ہے جس سے اس کا مقصد میں کاڑی سے ہم کلام ہوتا ہے۔ وہ معشوق کو متوجہ پا کر وہ دائہ شیخ کی زبان سے کہتا ہے: یہ ہے میری مشالِ دلِ ربانی! معشوق کو یہ درپردہ گفتگو، بے آسانی سے ہر ایک نہیں سمجھ سکتا، پسند آتی ہے۔ یہ اس کی مشکل پسندی ہے۔ اس کے برخلاف وہ عاشق ہیں کا فاسرِ باطن کھیاں ہوتا ہے، جب وہ آسان، ہر ایک کی سمجھ میں آئے والے الفاظ میں عشق کی دل ربانی کا بیان اور چرچا کرتے ہیں تو معشوق کو پسند نہیں آتا۔

(۷)

بیاں کو کیجئے پیدا کاوشِ ہائے مژگاں کا

کہ ہر اک قطرہ غمِ دانہ ہے شیخِ مرغاں کا

کاوشِ ہائے مژگاں یا رے عاشق کا دل خون جو کہ قطرہ قطرہ عاشق کی مژگاں سے چمکتا ہے۔ جب قطرہ غمِ عاشق کی مژ سے چمک رہا ہو اس وقت اس میں وہ چیزیں نظر آتی ہیں، ایک قطرہ سرخِ دوسرے اس کے اندر خرو کا مسیحا خط، بالکل اسی طرح جیسے سرخِ دانہ بیج اور اس کے اندر سیاہ دشت۔ اسی مناسبت سے دانہ بیجِ مرغاں میں سورخ اور سورخ میں دشتِ بیج کی رعایت رکھی گئی ہے۔ ایک اور تشبیہ۔ فائدہ مژگاں بھنڈی دل میں بھی رات

دونوں چیمینوں کی رعایت بالکل اسی اعلان سے ملتی ہے :

بچہ بچہ رہا ہے ناڈ مرگاں بھڑوں دل  
ساڈ چن طسراؤں دامان گئے جوتے

”خڑہ گوہر باد۔ میں گوہر ہی نہیں، سنگ، خڑہ، بھی نمایاں ہوتی ہے اور سنگ کے لئے گوہر داخل ہے، میں شہناخ کا لسان ضروری ہے :

تری اولاد کے غم سے ہے بروئے گردوں  
سنگ اختر میں مہ تو خڑہ غر مسر باد

(۸)

مری تعمیر میں معترض ہے اک صورت خزان کی

بیرونی برق خرم کا ہے خلد گرم وہقان کا

دہقان اپنے گرم خون سے۔ محنت سے، انارٹھے سینے سے۔ خرم تیار کرتا ہے۔ جیسے ہی خرم تیار ہوتا ہے  
کوئی بکل انکار سے غلام ٹاٹھ ہے :

بچ کر پہلے تو خرم دانہ دانہ کر کے تو

آہی نکلے گی کوئی بھول جلائے کے لئے

یہ کہنا ہے حاذ ہونگا کہ خون گرم وہقان جس سے خرم تیار ہوتا ہے، اسی سے، خرم کی تیاری کے ساتھ ہی  
ساتھ، برق خرم بھی تیار ہوتی ہے۔ دہقان کو یہی کھٹک کھٹکی کی تیاری کے دوران ہیڈ لگا رہتا ہے :

خوشی کیا کھیت پر میرے اگر دوبارہ برکت

کہتا ہوں کہ خرم نہ ہے ابھی سے برق خرم کو

(۹)

نظر میں ہے ہماری جادو راو تنہا غالب

کہ یہ خیر لڑہ ہے عالم کے اجڑا پریشاں کا

اس بیت میں فلسفہ و تصوف کا ایک نیا ہی مشاعرہ تخلیق کے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ بقول اقبال  
عقل بچہ مست ہے :

”نیکر دست ملہ دیند مشہر رہا“



عقلِ حقیقت کو ہمیشہیت کی نہیں دیکھتی بلکہ اپنی دادرِ گیر سے ایک کے ہزار کر ڈالتی ہے۔ ٹکڑے ٹکڑے پہاڑ کاٹتا ہے۔ عالم کے اجزاء پریشاں کر دیا گاؤں دیکھتی ہے۔ اس کے مقابلے میں کشت سے سائے عالم کی حقیقت ہمیشہیت کو نشانہ ہے۔ آجائی ہے۔ پورا کا پورا پہاڑ ایک وقت گرفت میں آجاتا ہے۔ یوں کہا جاسکے کہ عقل ایک ایک عضو آٹھکان، ہاتھ، پیر، سینہ، سینہ، دیکھتی ہے، کشت سے پورا جسم بیک ٹھوڑ دیکھا جاتا ہے۔ عبادتِ دناؤ وقتِ وقت فی انشاء، اسی صورت کی اصطلاح ہے۔ یہ جادہ کا طویل خط ایک تسلسلے کی طرح ہے جو عالم کے اجزاء پریشاں کو یکجا کر کے دیتا ہے۔ بحر سے ہونے اور ان کی خیرانہ بندی کر کے ایک کتاب کی شکل میں سامنے رکھ دیتا ہے۔ الغرض راہِ فنا کا سادہ حقیقتِ ازیں کا ہمیشہیت کو نشانہ کرتا ہے۔

(۱۰)

دلگہ شکست، صبحِ نیا پر نظر آ رہے

یہ وقت ہے سنگتِ غم گھاسے ناز کا

حاشیہ کا رنگِ شکست۔ میں جب اس کا رنگِ حق ہو جائے اور چہرے پر سعیدی کی جھلک نمودار ہو تو یہ طہمت ہے اس بات کی کہ مجھ پر اینٹا رہ طلوع ہو رہا ہے۔ یعنی معشوق اپنی تمام رنگینوں کے ساتھ جلوہ گر ہے اور اس کے گوشِ زینا کا دیار ہو رہا ہے۔ میں وہ وقت ہے جب ناز کے شگفتے کھلتے ہیں۔ جب حاشیہ دور ہوتا ہو اور اس کے چہرے سے حقوق و اضطراب کے آثار نمایاں ہوں، تب معشوق ناز و غمزہ کرتا ہے۔

(۱۱)

جس طرح ازلیہ کے تقاضے تلخ کرتا ہے

جو ہر آغز بھی چاہے ہے مرگیاں جوتا

اس بیت میں جو تخیل اور استعارہ ہے اسے سمجھنے کے لئے فارسی کا یہ بیت سامنے رکھنا چاہئے جسے غریب آئندہ راج میں نقل کیا گیا ہے۔

چشمِ حیران مرا فرغانہ نمی پوشد بہم

بجنہ جو ہر آنی آید بکار آغیز را

جو ہر آغز فرغانہ میں جانے تو آئندہ کو چشمِ حیران کی سفلی میتر ہو اور اس سے تلخ نکلتے اور محبوب کے دل میں آئندہ دیکھنے سے خود نمایاں اور جلوہ آرائی کی جواہر اٹھتی ہے وہ پوری ہو۔ خلوت میں تادیر آئندہ دیکھتے رہنا سعیدی کا محبوبِ شغل ہے۔ اُس وقت اُن کے اغلاز، غازی آثار، نفسیات اور داخلی کیفیات، سب کی تصویر غالب

نے اس ایک بیت میں پہنچ کر رکھ دی ہے۔ جسے حقیقی بھی۔ کتنا جلد سے لگا۔ اسے متعلق نہیں۔  
 میں ازل کو پروردہ لالہ و گل میں ہے جناب  
 کہتے ہیں بے قرار ہے حبسہ عام کے لئے

(۱۲)

نواز مشہائے بے مہا دیجھتا ہوں  
 شکایت اپنے رنگیں کا لگا کر کیا :

رقیب پر نواز مشہائے بے جا — ساری اہمیت ہے جا۔ کو حاصل ہے — رقیب پر نوازشیں تو رہتی  
 اور لگا کا سبب ہوتی ہیں لیکن نواز مشہائے بے جا۔ وہ تو حقیقی لطف و محبت کی علامت نہیں۔ بلکہ مفسد عاشق کو  
 دکھاتے اور اس کو جلدانے کے لئے ہوتی ہیں، اور عاشق کے ساتھ دردِ وعدہ لگاؤ کا پتہ دیتی ہیں۔

تجاری طرزِ روش جس جانتے ہیں ہم کیا ہے  
 رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے

میں — ہمارے دکھانے اور ستانے کو اعدوں پر مہرا نیاں کرتے رہتے ہوئے (شہنا)

جس طرح رقیب پر نواز مشہائے بے جا لگا کا سبب نہیں، اسی طرح خود عاشق سے محبوب کی شکایت ہلے رنگیں  
 بھی لگا کا سبب نہیں۔ جھوٹے الزام ہے وہاں کے، بلکہ وہ مشکوک شکایت، انہماک و انگلی پر ہیں، ہمارے و نکل، میں سے  
 میں کی رنگیں ہیں اور غلط ہو جائے، یا شکایتوں میں خوب تعجب کا رنگ بھل کر گئے۔ یہ سب تو وہ چیزیں ہیں جن  
 کے بغیر محبت کا مزہ نہیں، اسی سے تو دل کے لگاؤ کی یقین دہانی ہوتی ہے۔ کوئی کو دردِ بوجہ ہوتا ہے دھوکا کھانے  
 و دردِ حقیقت کو نہ پہلے، اور ان کا لگا کر کہے۔ رقیب پر نواز مشہائے بے جا اور عاشق سے شکایت ہلے رنگیں دونوں  
 ایک دوسرے کا قلم ہیں، ایک ہی سکر کے دو رنگ ہیں۔

(۱۳)

نگاہ ہے مہا چاہتا ہوں  
 قتلِ قلبا سے تمہیں آزما کر کیا :

اسی معنوں کی اسی غزل میں چار بیت بعد میں لکھا گیا ہے :

مہا پاک ہے، میں خامن، اور دلچ  
 شہیدانِ محبت کا فرس بہا کر کیا

(۱۲)

دماغِ عطر پیسیرا ہیں نہیں ہے

عسیم آوارگی داسے صبا گسیا

یہ بیت ساوہ ہی ہے لیکن اس سے زیادہ محافتِ الفاظ میں بیعتِ اس خیال کو غالب یوں ادا کر چکے ہیں :

محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بے دماغی ہے

کہ غریب بڑے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا

پیرا میں لیکن پیرا میں گل - عطر پیسیرا - بڑے گل - پیرا میں کے عطر کا دماغ نہ ہونا - بے دماغی - جس کی

کیفیت یہ ہے کہ مہر بڑے گل سے ناک میں دم آتا ہے - اگر ڈاسا ایسا زہا سے لے لیں گا باغیٹ ہو تو یہ غالب کی

مشکل لہڑکی تو نہ ہوئی، ہماری آسان طبعی ہے -

(۱۵)

دلِ مسرِ قطرہ ہے سازِ آنا انجیر

ہم اُس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا؟

غالب کا ایک اور شعر عجزِ زبانِ زوفاص دماغ ہے یاد کیجئے :

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے عیا لیکن

ہم کو تقلید تنگِ خلقِ منصور نہیں

ذمروت خیال ایک - بلکہ الفاظِ قطرہ، دریا - ہم بھی مشترک ہیں - ہم اُس کے ہیں "غالب ہر اوست

کے قائل ہیں" (ہر اوست کے نہیں) : "اے شہود و شاہد و مشہود ایک ہے نہ - ہم کو تقلید تنگِ خلقِ منصور نہیں :-

یہ شعر یک ہے اور ایک تنگ کہن بھی شعر یک - اس کے مقابلے ہیں - ہمارا پوچھنا کیا - شعر یک کے گریز ہے "سودہ و لطیف

اور مضحکہ طلب" اس سے دونوں شعروں میں زمین آسمان کا فرق پیدا ہو گیا ہے -

(۱۶)

پیشِ خدو کرم تخط ہے سسٹرمِ نارسائی کا

بھونِ غلطیہٴ خود رنگِ دھڑلایِ پارسائی کا

لڑا کارخانہ کو پارسائی کا دھڑلای ہے - اور یہ زعم ہے کہ کبشلی اُسی کی ہوگی - رنگ کہا ہے "من آنچی نہایم ہتم

دہائی صفحہ ۱۶۲ پر

## بیگم فضل کاظمی

# غالب شاعرِ بُتے شکر

حقیقت اور صداقت کا جذبہ سب سے پہلے ایک معصوم ذہن میں پیدا ہوا۔ ایک شخص نے حیرت اور مسرت کے ساتھ اس فضا سے پسینا کا جائزہ لیا۔ جنگلات جو بے سروں کو، اس کے بعد اس سے روشنی پانڈ کو، اور پھر اس سے روشنی سونڈ کو پناہ دے گا۔ لیکن اس کی گلیوں کی کوئی انتہاء نہ تھی جب یہ سب کچھ بھر دیئے گئے اپنے سوال کے مطابق اعلان کی شبائوں میں ملوث تھے۔ یہ کچھ عرصہ بہل گیا۔ اپنے آقا جواد کے مہر میں داخل ہوا اور یہ طبع بتوں کو ڈکٹا لایا کی پوجا اس کے عقیدے کے رنگ کیا کرتے تھے۔ اس لئے کہ اس بچے کے ذہن میں حقیقت کا جو تصور تھا اس میں جہاں بھی تھا اور ابدیت بھی۔ یہ آذوبت تراش کے بیٹھے ہر لمحے تھے جنہوں نے شعور اور ادب کی مخلوق کو لے کر کے پڑی گاوریہ حاصل کیا یہی شعور اور ادب۔ سب سے پہلے عزت و شان جس نے حضرت ابراہیم کو پہنچایا اور ادب اور شاعری ذات میں اس میں شامل ہوئی ہے۔ شاعری پڑی کی ایک جزو ہے۔ شاعری زندگی فکر و فکر کی زندگی ہوتی ہے وہ سرخ قند خالی طرح کی ہے اور اس کا شاعر اس حقیقت اور صداقت کی تلاش میں ہے۔ حقیقت کو میرے کی کتاب کشنی اس کا مقصد حیات بڑا ہے۔ وہ رو و قبول کے درجے سے گھر کر ہی ایسا ادب پیش کر سکتا ہے جس میں جہاں ادب کا پیر تو موجود ہو وہی اسے بتوں کو توڑتا بھی ہے اور ساتھ ہی نئے بت تو شاپاں جاتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شاعری کیا ہے اور شاعری اور انما کے درمیان کیا رشتہ ہے۔ اس طرح شاعری کی تعریف کو سنے ہوئے کہا ہے کہ یہ تعریف کے ذریعہ فطرت کے امکانات کی از سر نو تفسیر کرتی ہے۔ اور اس طرح داخلی طور پر انسان کو جسے میں مدد دیتی ہے۔ کارل مارکس کے ۱۹۵۱ میں۔

”حقیقتوں نے اب تک دنیا کی تفسیر کی ہے اصل کام اس کا بدنا ہے“

اور کام ادب یا شعر کے ذریعے ملتی ہیں۔ جہاں اپنے ادب کے ذریعہ انسان کے جذبات کو منظم کر کے نئے سانچے میں ڈالتا ہے۔

اس نظریے کے تحت جب ہم اردو شاعری کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو پہلی نگاہیں ایک ایسے شاعر پر مرکوز ہوتی ہیں جو غیر معمولی اور پڑی کی مشقوں کا دلدادہ ہے جس کی شاعری عظمت اور مسرت کی تلاش ہے۔ جس کے یہاں طریقے حیات

کاشغری غالب ہے اور نہ ایک کیفیت اور مستی کے عالم میں کہہ اٹھتا ہے

ہاں میا وچاے چہ رشتہ زند آؤد را نگر

ہر کس کہ رشتہ صاحب نظر دین بزرگان خوش نگر

یہ صاحب نظر انسان غالب کے سوا کوئی دوسرا نہیں۔ جو اپنے دور کا سب سے بڑا نبی تھا جس نے اپنی نئی زندگی کے کم و بیش پچاس ساڑھے سال خور و لکر دکھائی، تجربے اور مدد قبول میں بسر کئے۔ زندگی اور فکر کے نئے رجحانات و بیانات کی نئی نگاہیں، خیالات کی بلندی، آنے والے عہد کا مزاج ان سب کا رنگ غالب کے کلام میں نظر آتا ہے غالب زندگی کا شاعر ہے۔ اس کے پہلے چوتھی قطاؤں اور تیسرے قطاؤں دونوں موجود ہیں۔ اس کے نزدیک نظم کی بناء کاریوں کے باطن میں اسی قطاؤں کی کیفیت تھی ہے۔ وہ زندگی کی بھیاں۔ نظم اور تیرہ و تار فضا کو دیکھ کر انھیں ہند نہیں کرتا بلکہ اس تالیف میں پانچ تیسرے قطاؤں کو روشنی سموس کرتا ہے۔ اس طرح اس نے صرف زندگی کی منت سے منت مشکلوں کو اپنے لیے آسان کر دیا بلکہ نظم کا ایک فلسفہ بھی معلوم کر لیا وہ نظم کو انسانی تربیت کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک اس سے شہید ہے اور لکھتا ہے

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں منت ہو جانا

درد کا حسد سے گذرنا ہے دوا ہر مہربانا

غالب کی حالت صرف انہیں خیالات کی بنیاد نہیں بلکہ اس نثر کی آہ سے ایسے غلاب موتی برآ رہے ہیں جن سے لوگ طرف بہ دو شاخوں کا دامن بھال ہوا۔ تو دوسری طرف غالب کو بھی ابدیت حاصل ہوئی۔ غالب کی بڑائی اس بات میں ہے کہ اس نے روایت اور تجربے کے درد سے گزر کر اپنے کلام میں نئی خیالات کو پیش کیا ہیں یہ اس سے پہلے اور شاعری میں نہ ہو کر کیا گیا نہ کھایا۔ ان باتوں کا اندازہ لگانے کے لئے ہمیں غالب سے پہلے اور غالب کے بعد کے دور کی خصوصیات کا جائزہ لینا ہو گا کسی عصر کی خصوصیات کے یہ معنی ہیں کہ اس عصر کے نگاروں کی اکثریت اپنے بیشتر کلام میں ان خصوصیات کی حامل ہے ہیں کو اس عہد کے میلانات کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

چوتھے غالب سے قبل کے دور میں فائدہ و شاعر میر ہیں جن کے کلام میں وہ مندی کے ساتھ صحت بھی ہے اور گہرائی بھی۔ میر کا اصل موضوع عشق ہے نہ انسانی حد بندی بلکہ حیثیت مجرئی مثل جنہویب کے زوال کا نظم میر کا موضوع عام ہے ایک بڑا شاعر اپنے خاص حال اور مستقبل سب کا دکھ میٹھ لیتا ہے۔ اس نے اس کے نظم میں اس کا پانا عہد موجود ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی انسانی تاریخ کی روایت بھی ہوئی ہے۔ میر کو پہلے محاشرے میں تھنوں کے مٹ جاتے اور نہ ہونے کا نظم تھا۔ جو ان کے زمانے کی سب سے بڑی قدر سمجھا گیا ہے۔ جب تقدیر نہیں ہو سکتی اس وقت بھی تقدیر میں کوئی غلبہ نہیں یا کوشش ہوتی ہے جسے میاں کو شریف نے "یعنی تقدیر کہا ہے۔ جو کسی واقف بقدر سے متعلو م ہر حال میں ہے۔ تقدیر کے معمول کے سلسلہ میں نظم اس وقت تک سب سے بڑی تقدیر ہے جب تک کوئی ایسا شاعر نہ بنے جس میں انسان کو سرت نصیب ہو۔ سرت کے معمول کی نگاہوں میں سرت کے نہ ملنے کی صورت میں جو شاعر ہوتا ہے اسے کم کہا جاتا ہے اس لئے عظم شاعری اور زندگی و دلائل کی سب بڑی قدر ہے۔ یہ کوئی کی بھی پہچان ہی ہے اور شاعری کی بھی۔ میر کا نظم اس لئے بڑا

ہے کہ اس میں آدمی کی کچھ سیان شامل ہے اور ساتھ ہی یہ زندگی کے اندک کالک پہاڑ ہے۔ میر کو پہلی نظم کا کوئی فلسفہ نہیں بلکہ علم زندگی اور زندگی کی کش مکش سے ابھرتا ہے۔ ان کا کردار ملود اور مصوم ہونے کے ساتھ معاشرے کے جھلکات اور تہذیب کے خدو خال بھی اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس لئے جب ان کو پہلی کوئی نظم لیں تو تاج پتھر وہ ایک عہد کا علم ہیں جانا ہے۔ بہت میر کو پہلی جو کی وہ دعائی زندگی کی نکاش کی ہے۔ اپنے کردار کو انہوں نے معاشرے سے اور اعلیٰ تھا۔ لیکن زندگی کے تے غائب ان کی شعری میں نہیں تھے۔ اور وہ اس کے ختم تھے۔ زندگی کے تے خواب اور پرانے فوں کے ساتھ ساتھ نئے فوں کی آگ میں غائب کی شعری میں نکاش کرتا پایے۔ غائب کو پہلی میں میر کی طرح تم کی آگ میں ملتی ہے۔ مگر ایک چیز اس کو میر سے الگ کرتی ہے۔ اور وہ یہ کہ اس نے بدلتی ہوئی دنیا کا بغیر خود کم کیا ہے۔ وہ اپنی فم فیٹ کر بیٹھ نہیں۔ بلکہ ان فویوں کی بدوش کشیدہا میں سے ہمارے سکین و رات تھا۔ وہ ذہنی طور پر پکا بلند ہے۔ اور اس میں ہنگامہ راقم ہو کہ خود اس اعتماد اور فہمی کی بندی سے ایک نیا معاشرہ پکڑا دیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ آدمی نے بیش اعتماد اور ذہنی کی بندی کی نکاش کیا ہے۔ اس لئے ہمارے معاشرے میں غائب اس مڑ کا شاعر ہے جس کے ایک طرف عقل تہذیب کا زمانہ ہے اور دوسری طرف سائنس عہد کا آغاز ہے اس سائنس بد لکری نظام کا جہاں آگڑیوں کے توسط سے ہندوستان میں ایک انقلاب حالی اور سرسبز نے جس تہذیب کی طرف اپنا قدم بڑھایا غائب نے اس تہذیب کا بغیر خود کیا اور زندگی کا رشتہ اس سے بڑھ کر بڑا ہے۔ اس طرح غائب نے آئندہ آنے والے انقلابی میلانات کو گہرے طور پر متاثر کیا۔

وہیں صمدی میں دو دو کہیں لب غائب کی آغوش تربیت کیلایا ہوا

جہ۔ مگر غائب نہ ہوتے تو بقیہ کی شعری اور عقل کی خورک فیض کی غزل

اور جوش کی نغمہ گو راہ عشق مقل ہوئی ہے؟ (۵۱۔ اندازی)

میر کو پہلی عقل تہذیب کے ذوال کاظم ہے اس کی ہر کی دنیا میں تھے ہی تھے تھے۔ اس لئے انہیں اپنی ذات میں بہت پہچان دیں کو پہلی گردن ہے مگر پہلا ذہنی ہے۔ اس کے مقابل میں غائب نے حق دنیا کا بغیر خود کیا۔ جیسے ہونے حالات پر نظر دیکھ اور اسے اپنی نگاہ کا جزو بنایا۔ اس لئے کہہ دے۔

چشم کو چاہئے ہر رنگ میں وا ہونا

لوری خیال ہے بہت مشکل کی۔ کیونکہ وہ کوئی متفرد حالات سے گور بہت بڑی کی دھرت کو بھی سوتا چاہتا ہے۔ اس کی کثرت کو بھی تو ظاہر ہے کہ وہ دوسری شے اور وہ ہمیشہ میں تہذیب میں نکاشا جاتے گا۔ اس لئے کہ بہت ہی ترانہ ہے نگہ میں زندگی کا خیال پرانہ۔ زندگی کے اس زمانے نے غائب کو ادبی تہذیب

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ غائب سے پہلی شعری منطق غلط نظر کرتی ہے۔ لیکن ایسا کہنے والے درحقیقت لغو منطقی کو اس کے صحیح مفہوم کے ساتھ نہیں برکتے۔ بلکہ پہلی منطق شعری صرف غلطی لے کی ہے۔ میر بھی کو سببیت کا کام کیا جاتا ہے۔ تم کی شہرہ آگہی کے بارے میں منطق شعری نہیں پیش کرتے۔ ان کے کام میں بھی مثبتی بنو لیاں ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ کہتے ہیں غزوی ہے کہ منطق کے معنی بہت شعری کے نہیں ہیں بلکہ شاعری کے لئے لازمی شرط ہے کہ اس میں داغیت اور غایت کا تناسب ہو یعنی جتنی گہری کیفیت ہو اتنی ہی اعلیٰ پایہ کی مصوری اور محکمت ہو۔ لہذا افغان کی شاعری میں اور شہد کے اعتبار سے ایک خاص معیار منطق ہے۔ اس کے مقابل میں منطق کی شاعری کا ایک بڑا حصہ بہت دور کہہ سکتے ہیں شعری میں بہت منطق غلط نظر نہیں رکھتی۔

وہ شامی ٹیف سے بہت سی ایکس زندگی کا فریضہ کرتی ہے۔

انھوں نے مدی کے واسطے سے حالات پر ناظر بن جھونے۔ ایک سرور کی قدم کے لیے کی چند لمحوں کے بعد بدلتے ہوئے حالات نے زندگی کے دور کی پیدا کردی اور عشق کا نور بھی انھیں نظر میں آیا۔ جس سے ایک طرف صوفیانہ شاعری کو فروغ حاصل ہوا۔ عشق اور اس سے متعلق علامتیں اور انیت کے اظہار کے لئے استعمال ہوئیں۔ اس طرح تصوف کی شاعری کے نثری اثر عشق شاعری میں لائیت کا اظہار ہوا۔ اور دوسری طرف انھوں نے نظری عشق پیدا ہوا۔ انھوں نے نظری عشق سے مراد ہر کی شاعری نہیں ہے بلکہ جب وصل کی خواہش کو رنگ کیا جائے تب انھوں نے نظری عشق پیدا ہوا ہے۔ ان بدلتے ہوئے حالات کے تحت ملک میں اس دور کی کمال پیدا کی گئی۔ ماضی پرانے نظام حکومت میں اجرتی اقتصاد کی کش مکش اور محرموں کا احساس میں بیدار ہوا جس کے نتیجے میں غلام نے جس دور میں ماضی کی روکش کش اور کشد کا دور شکایت ہوا۔ غلام اپنے عہد کی اس کش مکش کا انیت دار رہا۔ خصوصاً اس دور سے بھی کہ وہ ذاتی تبدلات کی دور سے بھی اس کش مکش میں گر گیا تھا۔ اس کی ذات میں بھی تقدم کے آثار تھے۔ غلام شاعر کی زندگی کا بگاڑنا ہوا تھا۔ اسے وہ طریقہ نہ تھا جس سے جو سرور شاعر کی زندگی کی نظر میں سرور ہونا چاہتا ہے۔ غلام اسے رسم و رنج کی بے بسی کہتا ہے جو اسے منظور نہیں یہ خیال غارگ بھی ہے اور اس میں غلام کی بہت فکری اور تکی کلہ کی اداسی ہے۔ وہ جب کہتا ہے

اور ہذا سے لے آئے، اور لوٹ گیا

مستام، جم کے پیرا جام سغان اچھا ہے

قزو عابدہ تھے جسے ہٹ کر اپنے لئے ایک فتنی راکہ تلاش میں سرگرم ہو گئی تھی۔ غالب کی شخصیت اور شعاری کہیں متحرک نہیں اس قدر اور گروہ کے ساتھ جانوریت اور تشدد عقل کے جلوے تھے جن میں یہی شرفِ آدمی ملا تھا اسے اس جہلِ مذہب و ماحول میں خندگی کی ہر آہنگی کے سبب اس کے فتنے میں ڈھل کر رہا ہے۔ حاشیہ آتے ہیں۔

غالب کو اس دور کی انقلابی جدوجہدوں کا اندازہ یہی کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اس میں حالات کو ہم لئے اور تا بعد از اس کے  
مکمل کر دینے کی ایک خواہش ملتی ہے۔ ویسے وہ ایک تہذیب کے عالم میں لڑتا ہے۔ یعنی ہر چند کہ اس کے اندر جیسے بیک  
کاوش واضح نہیں ہے۔ پھر بھی وہ اس وقت کا اس مملکت میں رہ کر تہذیبی رنگ دے کر کامیاب بننا چاہتا ہے۔ غالب کے دہلی اور  
دہلی اور کلکتہ اور جہانگیرہ اور اس دور احساس سے بھرپور آواز نکلتا ہے۔ وہ زندگی کو چھوڑنا دیکھتا ہے۔ یہ کہہ سکتا ہے  
وہ قدم قدم پر نئے تجربوں سے انداز کی کچھ بھیگی سے اپنی شخصیت میں گہرائی اور رعب میں شہساز بن کر رہا ہے۔ وہ جب کہتا ہے  
چہ در وہ در و دریا و آساکہ غمسر بنایا جاسکتے

بچے دور و دور کیا اور ساک ٹکس مٹایا جائے

کوئی جیسائی نہ ہو اور ایسے کئی نہ ہو

بڑے گرجا تو کوئی نہ ہو مگر یہ

اور ازم صائے تو ازم طالع کو ازم

روحانی بلقان کو یہاں نہیں کرتا بلکہ مرثہ تعبیری جھلک پیدا کرتا ہے۔ پہلی زندگی سے جزائی نہیں بلکہ معاشرے کی  
 ادب حالت سے جزائی کا اظہار کیا گیا ہے۔ وہ زندگی کو کمر تیرہ صیت کو روک رہا ہے اور کمر باز و مخالف لکھتا ہے۔ اور حقیقت

یہ کہی ہے کہ زندگی نہ محض باطن ہے نہ محض اہور و لو۔ غائب اپنے ماحول سے مطہر نہیں۔ غائب ہی کیا اپنے ماحول سے کوئی شاعر مطہر نہیں ہو سکتا لیکن بلا شاعر ماحول اور مستقبل کو ماحول میں سمجھنے سے تقدیر کے ایک جسے نظام امور و سیاست رکھتا ہے نہ اپنے خود میں زندگی کی زیادہ سے زیادہ حسیوں کا دور کہ سوچتا ہے۔ غائب اپنے ذہنی سفر کے اس گاہ پر وہ عیسائی کوشش میں مصروف نظر آتا ہے۔ وہ بھی اس ماحول سے تنگ اگر اسے پھریں پاتا ہے کہیں وہی شیر کا جھلکا کر رہا ہے اور کہیں عقاب کی رنگ پھر گئی ہے اور وہ دعوتِ عمل دیتا نظر آتا ہے۔

وہ چاہے شاعر ایک سی وقت میں انسانی زندگی کے تیرنے، دھندلے اپنے اندر رکھتا ہے۔ وہ اپنی سلوہ آئینوں میں ایک مندی پہنتا۔ نامناسب حالات میں موعظہ اور تدریس کی بدولت ایک ان تنگ جہان اور معاشرہ پر غور و خوض سے ایک پختہ کار کا آئینہ رانی پر مردِ معلوم ہر لمحہ (نظا - انصاری)

غائب کی تہاڑوں میں جان ہے۔ اور اس کے خون سے پلٹے پلٹے ہیں۔ یہ رنگ سب سے پہلے غائب ہی کو پہنچاں نکلتا ہے کہ وہ نامناسب حالات میں گھبرا نہیں، بلکہ اپنے اندر مزید جو حسی پیدا کر لیتا ہے آئینوں کا ایک بجز غلبہ ہے جو غائب کی قات میں تھا نہیں بلکہ محسوس ہوتا ہے۔

ہے کہاں تفت کا دوسرا قدم یا رب  
ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقش پا پایا

دوڑوں جہاں دے کے وہ کبھی یہ خوش رہا  
ڈال آہڑی یہ مشہور کو نکلا رکھا کر رہا  
غائب کے بعد گئے والے دور کے نائنڈھٹا عراقِ اقبال کا یہ شعر جب نکلے کے سامنے آتے ہیں  
نقشِ امت نہ کر عا لم رنگ و بو پر  
کہ تیرے زمان و مکان اور ہی ہیں

قریباً محسوس ہوتا ہے کہ یہاں اقبال کا نہیں غائب کا دہیں کام کر رہا ہے۔ اقبال اسی خیال کو پیش کر رہے ہیں جیسے اسی سے پہلے ایک ایسے شاعر نے پیش کر دیا تھا جسے اس کے دہیں کھنے کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔ اس دہیں یہ خیال قبل از وقت تھا اس لطیف اور بلند خیال کو کھنے کے لئے جس پر ایک نئی اور بلند نگہ کی ضرورت تھی وہاں آہستہ آہستہ پہنچا رہی آئینہ دیکھ کر زندگی اور نئے تصورات و خیالات کا فروغ دہنے والا غائب کے سوا کوئی دوسرا نہیں تھا اس کا سرچ کہیں نہ پڑا بلند ہو چکا ہے۔ غائب سب اہل کیفیت کا مالک ہے۔ بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی آندھا سے بھر دیکھتی ہے۔ اسی بھر پوری میں اس کے نزدیک قرار پے شیدا ہے۔ کیونکہ اسی کی بدولت ہے وہی دیکھ کر نئے دیکھ کر نئے ہوا ملتا ہے۔ یہ بھر پوری اسے رد و قبول کے دہیں داخل کو کے ایک بڑا بہت اٹھتی بتلاتی ہے اور اسی بہت اٹھتی میں اس کی بڑی انکار ہے۔



مغروس ہے۔ کیونکہ جس شاعر میں حد تک بدلتی ہوئی قدروں سے ہم آہنگ ہونے اور زندگی کی فکر کے ساتھ ساتھ عملی اختیار کرنے کی صلاحیت ہوگی اس حد تک وہ اپنے عہد کی نامیداتی حرارت کا اظہار کرے گا۔ اور اس سلسلہ میں وہ ہم بد وقتی سے گزرے گا مگر یہ سفر اس کی بڑھ چکی کا گواہ ہوگا۔

غالب ایک عقیدہ اور خود ویرانہ ہے۔ اور انسانیت کی آواز کو پیدا کرنا اور عزت نفس کو زندہ رکھنا اس کا سب سے اردو شاعری کی تاریخ میں غالب پہلا شاعر ہے جس نے خودی کا مفہوم واضح ہو چکا تھا مگر یہ اس کی خودی میں کہوئے صوفی و مشت پانی جاتی ہے اس کے مقابلہ میں اقبال کی خودی زیادہ واضح اور متون ہے لیکن اس میں خیر نہیں کہ اقبال کی خودی کا وعدہ اسی مرتبہ سے پھوٹا ہے۔ غالب کی شاعری موجودہ نسل کو ایک آئینہ عطا کرتی ہے جس سے نہ صرف انسانی آواز پیدا ہوتی ہے بلکہ ہماری زندگی کے ارتقائی قانون کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے اور مشکلات پر قابو پانے کا نو مسلحیہ ایہوتا ہے غالب کی شاعری رقص زندگی کی بجائے تودہ آتشوں کا اعلان کرتی ہے سے

ہندگی میں بھی وہ آواز وہ خودی میں کہ ام

اُسے پھر آئے در کعبہ اگر داند ہوا

غالب کے نزدیک فکر کو سر و رنگ میں جذب کر زندگی کا تماشا کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس کے بغیر زندگی کے جاندار مرتفع تیار نہیں کئے جاسکتے۔ چنانچہ اپنی ساٹھ سال کی ذہنی اور عملی زندگی میں غالب نے متعدد تجربات حاصل کئے ہیں اور اقدار کے پرانے جنوں کو توڑ کر اس حقیقت کی کشش میں سرگرداں رہا جو جمال اور ابدیت کی حامل ہو۔ نظام اقدار سے بلتا انسانوں کے لئے مشکل کام ہوتا ہے۔ شاعریوں اپنی قوم کی حد تک ہے۔ وہ دوسرائیاں مول سے کر دیتی ہوئی زندگی کا ساتھ دیتا ہے اور نظام اقدار میں تبدیلی لانا بھی بڑے اقدار کو دروازہ کرتا ہے۔ جلدیوں میں یہ کام غالب نے بڑے پلانے پر کیا ہے۔ غالب کی شاعری میں اس کا آئینہ جھلکتا ہے وہ بظاہر غرو سے غلاب ہوتا ہے۔ اور اپنے ہی متعلق گفتگو کرتا ہے لیکن حقیقت اس کا غلاب انسان ہوتا ہے۔ اس کی ذات میں ایک معاشرہ آباد ہے۔ ایک طرف اپنے معاشرے میں شامل ہے اور دوسری طرف اس سے معاشرے کو اپنی ذات میں شامل کر دیتا ہے۔ وہ اپنے مخصوص آئینہ کی وضاحت مختلف انداز سے کرتا ہے۔ اظہار تشبیہات اور استعارات کی مدد سے وہ مغل پنجاب کی ناکہنگی کرتا ہے لیکن معنی اور خیال کے اعتبار سے وہ اپنے دور سے بہت آگے ہے۔ آئندہ الی پنجاب کے خود غلام کرو جو ان اظہار استعارات کا سہارا لے کر اپنی شاعری میں جاگ کر دیا ہے اس کی شاعری میں مستقبل اور مغل پنجاب کے درمیان جو رخ ہے وہ نظر آتا ہے۔ غالب کی شاعری میں جو پنجاب تھا جس سے اسے داخل کی جائے مستقبل میں کشش کرنا چاہئے۔ ہر بڑا شاعر تو بڑے اور ہوشیار کا ایک بہت بڑا تصور رکھتا ہے جس میں ہوشیاری، مال اور مستقبل میں پیدا ہونا درست جاتا ہے۔

دنیا کی ہر طرف مشاعری ایک واضح نصب العین رکھتی ہے۔ اور دنیا

کا ہر گوشہ عریانی نقاب میں ایک جیسے انسانی نصب العین کو جگہ دیتا

ہے۔ غالب نے مغل پنجاب کے معاصر کو توڑ کر اس میں ایک عظیم انسان

نصب العین کو حسب گوی، جس سے ایک طرف اس کی مشاعری میں

دستِ نظر اس کی گرائی کا پتہ چلتا ہے۔ دوسری طرف مغل تہذیب کو آدمی کا اتنا بڑا تصور پیش دیتا ہے جس نے اس تہذیب کو دنیا کی بڑی تہذیبوں کا موصوفہ بنادیا (انجمِ اعلیٰ)

اس نے کوئی شاعر صرف تہذیب کی حدود میں بند ہو کر نہیں بھٹکتا۔ بلکہ صرف تازہ کی جھلکیوں میں تہذیب کو جھٹکتا ہر بڑبڑستی چل جاتی ہے۔ اس نے کسی شاعر کا کام صرف سامی ماحول ہی میں نہیں دیکھنا چاہئے۔ بلکہ کسی کی سامی ماحول پر تہذیب کی جھلکی بڑھنے کا اندازہ شاعر کے کام سے لگایا جائے۔ کیونکہ انسانی قدروں میں سب ملتی قدروں سے ہم آہنگ ہو کر ہی انسان سے استقلال پیدا ہوتا ہے۔ رشتہ جانیاتی قدر میں پیدا ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے غالب کے استعاروں میں مغل تہذیب کے حدود داخل ملتے ہیں۔ لیکن یہی تہذیب یا غالب کا پورا خواب اپنی تعبیر کے لئے ہمیں اپنے مستقبل میں دیکھنے پر مجبور کرتا ہے۔ اسی کو اپنی اور تہذیبی دریافت کا نام دیا جاتا ہے اور اسی لئے اس کی دنیا بدلتی گئی ہے جو صرف تازہ کی جھلکی کے رقص پر مبنی قدروں کے لئے حربِ ظلیل کا استعمال کرتی ہے اور تجربے میں وسعت کو تازہ دگھتی ہے۔ خود غالب کو بھی اس بات کا احساس تھا کہ ان کے خیالات اس دور سے آگے ہیں اس لئے انہوں نے اپنے لئے دوسری جگہ کش افق پر وہی ترکیبِ احتمال کی ہے جس نے تہذیب اور معاشرے کو محدود میں لاسنے کی شدید خواہش سے اندر قیے سے بدنیہ کو روکی ہے اور ساتھ ہی مخالف قوتوں سے مقابلہ کرنے کا نو ملہ بھی پیدا کر دیتی ہے اور وہ ایک مرشدی اور رنگ کے عالم میں کہہ سکتا ہے

”ہیں لہذا کی تہذیبوں کا اس طرح شعور ماحولوں کا میری زندگی کا فریضہ ہے خیال کو حسن اور حرکت کے ساتھ پیش کرتا۔ دل پر بوجھ رکھتا ہے لیکن نہ بانیہ کوئی قید نہیں۔ خیالات کا پہلو جاری ہے۔ اس جاں پیداوارت میں قلم کا غنہ پر چلتا ہے تو ایسی موتی پیدا ہوئی ہے جس سے قید کا بوجھ ہٹا کر جاتا ہے۔ (زندانِ نثر)

فرض یہ عندیہ گشتِ نا آزمایہ چپ لڑی تھا تو تصور سے نرسخ ہوتا ہے تو کتنے ہی دلوں کے تہ کیے کھل جاتے ہیں۔ غالب سے پہلے ہی انسان اور اس کے غم کا ماحول تصور ہو چکا تھا، خصوصاً میر کے ہاں۔ لیکن غالب پہلا اور شاعر ہے جس نے تصورات کے رنگ سے جگ بھر کر اور رنگ و سونے کے امتیازات کو کھراہ راست انسانیت کا دھڑ دیا۔ وہ ساری زندگی بوجھتا رہا کہ ساری انسانیت میری ہوا رہی ہے۔ میر کوئی مذہب نہیں۔ سب ایک ہی حقیقت کے مختلف جلوے ہیں۔ غالب نے ایمان کو اس کی مطلق شکل میں قبول کیا، کیونکہ اس کے نزدیک مطلق کا لفظ قہرِ مٹا کر ہی تو محدود کا تصور قائم کیا جاسکتا ہے۔

ہم موحسد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم  
مقلتیں جیبِ منت لگیں اجڑائے ایمان ہو گئیں

یہ وحدت انہوں نے زندگی میں تلاش کی ہے۔ کس مابعد الہیاتی تصور سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ یہ کونوینا گاہ ہے گاہے حقوق بھونکتا ہے۔ لیکن صرف اس لئے کہ وہ حال کے دلداد دے۔ خود میر کا تصور کسی کائنات سے عبارت تھا۔ ورنہ ان کے دل میں انسان کے لئے احترام اور محبت کا وہ جذبہ تھا جس کے سبب وہ خواہش کرتے

کے کہ۔

اگر تم عالم میں نہ ہو سکتے نہ سہی میں مشہور رہیں اس

شہر میں تو بیڑ کا ننگا غرق کئے ۱۔ (مظہر غالب)

انسان کا غم توئی کا غم ہے ہی۔ تنہا سی چوٹی کا دکھ بھی اُن کے لئے ناقابلِ برداشت بن جاتا ہے۔

دردِ غمِ ہمہ برد از اسٹاکیاں

وے لرزد از نازِ سٹاکیاں

دل سے نوائے غمِ آئندہ درد

نشیند بہ اں پایہٴ پاکِ درد

صدائے شکستِ مرگاہِ درد

دریں جاست ایچہ و دریاں پردہٴ درد

یعنی دھرتی کے ہادیوں کی قید سے عرشِ لرزہ ہوتا ہے۔ فلس کی دیکھو جی سدا سے عرشِ کلایہٴ غبارِ اکوہ ہوتا ہے۔  
ہے چوٹی کی کرکٹ لے تو ہم پیدا ہی نہیں کئے تھے عرشِ آہ بیکار کا شہ ہوتا ہے۔ ایسے دل گداز کی تریبِ محبتِ جذبات کا  
آئینہ غالب کے پہلے کسی دردِ شاعر کو کہاں نظر نہیں آتا۔

غالب جاگداری اور رنگیں نوائی کو فی کا اصل اصول قرار دیتا ہے۔ اس لئے۔ دیدہ و دانتی، مکرہ پسر ایہ صیات  
ہذا اور عقل کے مگر ہر شب چراغ، سے زندگی کے حقائق کو دیکھا۔ جنوں نے شعر کا رخ زندگی کی حقیقتوں کی طرف پھیر دیا  
اور اپنے اشعار کو سادہ حقیقت کی نوا اور حقائق و معارف کا آئینہ بنوایا۔ غالب کو زندگی گزارنے کا اُجھگ آتا ہے۔ اور  
یہ سلیقہ وہ دوسروں کو بھی سکھاتا ہے چنانچہ

زمن جوئی در بہ نیکو زیستن

بمگر خوردن و تازہ روزیستن

درشتی بہ نرمی زبوں دامن

و مدگرستم غمزہ پندارستن

بہرازِ دون سو میگ سوختن

بہ تاز از بروں سو رخ افروختن

بدروزہ مخفیست اندر حسن

بہ بازیگر دانائیِ امر حسن

مشافقت زد اسنے کہ در دل، دور

نہنقتی مشوار سے کہ در دل، دور

یہ سب سے پہلے کہ بہت حالات میں زندگی کی دگرگولی ہوتی ہے۔ اپنا چکر کھانے پر غور کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ زندگی سے زندگی کی تبدیلی کے وقت کئے گئے کاموں اور برائے والی مصیبت کو شراستہ کہہ کر پسپا رہنا بھی ممکن ہے۔ سینہ کے اندر سے عاجزی کے ساتھ دھواں اٹھانے اور ہرے نرے کے ساتھ مدد دینے کا ارادہ۔ دوسروں کے علم اور عقل سے ایک نکتہ اٹھانا کہانے اور کھیل کھیل میں عقل کی باتیں دوسروں کو سکھائی جائیں۔ دلچسپی لگائیں اور پسپا ہو کر چل جائیں۔ یہ سب اپنے دھڑکنے پر چلنا ہے۔ یہ سب جو حوصلہ زندگی گزارنے کا یہ دھنگ اور دوا ہے کہ کس دوسرے شاعر کے یہاں نظر نہیں آتا۔ محبت ان کا غائب ہے اور دوا داری اصل ایسا ہے

دفا داری، بشرط استواری اصل ایمان ہے

فرسہ بہت قلمی ہیں تو کہہ میں گاؤں، برہمن کو

دفا کا یہ تصور دوا اصل آکر لای کے گہرے شعور سے پیدا ہوا ہے۔ رسوم و رواج کی پابندیوں کے لئے تقابل قبول ہیں۔ ایک جگہ اپنے ایک دوست کو خط لکھتے ہوئے کہتے ہیں

وہیں ایک نیم سلاخ کہ دوا کا غائب کی پابندیوں سے بھی مراد ہوں

اور اپنی رسوائی کے علم سے بھی رہا

اگر ان کا یہ واضح تصور غائب کی فکر و فکر کا فرق و امتیاز ہے۔ اسی لئے ان کے اندر زندگی اور موت کا فرق نہیں ہے۔ ایک بڑبڑت لگتی ہے کہ کون سی شے ماضی میں نکال کر قبول ہے۔ اس لئے باقی کو زور دے کہ اس میں قوت ہوتی ہے جو نیا کائنات کی جڑیں لگاتے ہوئے ہے۔ چنانچہ وہ معاشرے پر تنقید کر رہے ہیں اور غائب پر خیال آ کر ان کی اگر شعور پر جگہ کا فرق نظر آتا ہے۔ ان کی خود بینی، خود غمانی اور خود پرستی مدح عام سے ہٹ کر چلنا چاہتی ہے۔ چنانچہ عقیدوں کو چون کاٹتے قبول کرنے کی بجائے دھڑکنے پر توجہ اور فکر کا اظہار کرتے ہیں حقیقت ان کی بہتر میں عقل کو رہا ہوا ہے۔ یہ کہہ کر عقل جب انسان کی فکر میں داخل ہو جاتی ہے تو اس کا نام فکر ہے یعنی بغیرت اور جب دھڑکنے کے علم میں گھول جاتے تو اثر ہو کر رہتی ہے

زانہ لیشہ دم و دلفسر نام یافت

بکر وار رفت از اثر کام یافت

چنانچہ مذہب اور آفرینش عالم کے بارے میں انہوں نے جن نظریات کا اظہار کیا ہے وہ ہماری مراد عقائد سے ہٹے ہوئے ہیں۔ غور مشیلا اسلام صاحب نے غائب کے مذہبی عقائد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے ....

و غائب ملوی دنیا میں، خدا کی تلاش کرتے ہیں لیکن اس کی قاتل میں

خود کو پہچان نہیں دیتے وہ بنیادی طور پر ادھر سے ہیں ادھر اپنے گھر پر

اظہار پر مشرک کرتے ہیں۔ لیکن اظہار کی خواہش اپنی حقیقت میں غیر ملکی

نہیں ہے بلکہ یہ وہ خواہش ہے جو ہر انسان کے سینہ میں رہ رہ کر چلتی ہے

ان کی یہ خواہش نہیں ہے کہ ان کو خدا ملی جائے۔ ان کی خواہش یہ ہے کہ  
خدا کی تائی ہوئی دنیا کے کنارے دور تک پہنچ جائیں۔ جیل کی طرح ان  
کا یہ قصد نہیں ہے کہ وہ اپنے اندر سمٹ جائیں بلکہ ان کی آرزو ہے  
کہ انہیں اپنے مکی، ذہنی اور روحانی قد و قامت کی پہچان ملے۔

خوشیہ السلام صاحب نے اس نظریہ کا ثبوت غائب کی اس رباعی سے دیا ہے جو انہوں نے بنارس کی تعلیم  
میں لکھی ہے۔ مجلس جو ہندوؤں کا قدس مقدس مقام ہے اس کا ذکر وہ جس دہانہ ملازمین کرتے ہیں اس سے یہ باہمی ان  
کے آواز دہیں کا روشن نشان ہی جاتی ہے۔

عبادت خانہ ناقوسیان است

ہما ناگہمہ ہندوستان است

تعالیٰ اللہ ہمارے پیغمبر نور

ہر شمس خستہ و فردوس مہمور

غائب کلاہنی اور ہندوستانی تہذیب و تمدن کی نظر زندگی کے ان حقائق پر بھی پڑتی ہے جہاں دوسروں کا  
خیال عام طور پر نہیں جاتا وہ بلا کے مروج شمس تھے۔ انہیں خانہ دل کا مطالعہ ان کا خاص شغل تھا۔ وہ دوسروں کی —  
نفسیات کا مطالعہ نہیں کرتے بلکہ ہندوستانی فطرت کی گہرائی میں تاثر کر خود شمس کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں غرض غائب کی  
شاعری رنگارنگ خیالات کا مجموعہ ہے۔ اس سلازمیں مشاعرہ نہیں اور ہر قسم کی توجہ ہے۔ اس کی بہت مشکل آس کی  
خود مشاعرے کا جھڑپ ہے اور ہماری شاعری کی بہت بڑی رعایت ہے۔

ہے کہاں کشت کا دوسرا قدم یا رب

ہم نے دشت امکان کو ایک نقش پا پایا

نقش فریادی ہے کس کی شوخی سحریر کا

کامندی ہے میری ہر پیکر تصویر کا

سرا پا رہن عشق و ناگزیر العنت ہستی،

عبادت برق کی کتابوں اور افوس حال کا

نفس نہ ابھن آرزو سے یا ہر سحر کینج

اگر مشرب نہیں، اتنا رسا مندر کینج

غائب

## افتخار احمد مدنی

# غالب اور آزادی

غالب کے دلیان کا پہلا شعر اس روایت سے ان کی آزادی کا اعلان ہے۔

غالب نے سسکی جگہ مشکوے سے اپنے کلام کا آغاز کر کے گویا پورے نظام حیات کے خلاف احتجاج کیا ہے اور یہ مشکوہ کسی ذاتی محرومی کی بنا پر نہیں ہے جیسا کہ ان کے بعض اشعار میں نظر آتا ہے۔  
زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالب  
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ مندا رکھتے تھے

یہ مشکوہ بڑی اہم گیر نوعیت کا ہے۔ اس میں ہر پیکر تصویر لڑائی نظر آتا ہے۔ یہ مشکوہ اس نظام حیات کے خلاف ہے جس میں ذواقت سے کچھ حاصل ہے نہ عبادت سے۔ جس میں جاہ علم سے کچھ ہے اور علم جاہ سے ہے نیا ہے۔ جس میں ناقہ سستی رنگ لائے بغیر نہیں رہتی۔ جہاں تنہا وہیں ایک تہاں کا شریک سا جو کارہم جا کہے اور جہاں پاؤں کے آبلوں کا علاج راہ کے کانٹوں کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے۔

غالب چونکہ اقبال کی طرح صحنِ ادا سے شکوے کو شکر میں بدل نہیں جانتے تھے اس لئے انہوں نے اپنی بات کہنے کے لئے انداز بھی وہ اختیار کیا جو کسی نا اہل کی گرفت میں نہ آ سکے۔ چنانچہ انہیں اپنے پہلے ہی شعر کی شرح خدا کی خطا میں بیان کرنا پڑی۔ مسلمہ اقدار اور روایت سے آزادی نے انہیں طرزِ بیان کے مردود اسلوب سے آزادی پر بھی مجبور کیا۔ اس آزادیِ اخبار میں جہاں ان کی شکل پسندی کو دفن ستارہاں احتیاط کا پہلو بھی مد نظر رہا ہو گا۔ چنانچہ انہوں نے بات کہنے کا وہ طرزِ ایجاد کیا جو نظم و سماعیت و دونوں کی گرفت سے آزاد تھا۔

آہی و ام مشنیدوں میں قدر چاہے بچائے  
مذہباً صفا ہے اپنے عالمِ تعسیر کا!

اور جب زمانے کے ساتھ ساتھ رنگ ان کی باتوں کے عادی ہو گئے اور خیالات کے اخبار سے انہیں متنبی اس کا اندیشہ نہ رہا تو انہوں نے بھی سیدھی سیدھی باتیں کہنا شروع کر دیں۔

غالب کا احتجاج جس نے انہیں ہر روایت سے آزادی پر مجبور کیا دراصل نتیجہ ہے ان کی اس شدتِ احساس

کاجے زندگی ایک درد بے دوا نظر آتی ہے۔ تیرہ بات و چند غم دونوں ان کی نظریں ایک تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر غم عشق سے فراغ حاصل ہوا تو غم روزگار میں اسیر ہو جائیگا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم روزگار کو وہ غم عشق سے بھی زیادہ مستحکم جانتے تھے۔

تیری وفات کیا ہو تلافی کہ وہ ہر میں

تیرے ہوا بھی، ہم پہ بہت سے ستم ہوئے

زندگی ان کے لئے ایک ایسا عذاب تھی جس کی تلافی نہ محبوب کے استغاثات سے ہو سکتی تھی نہ عاقبت کے

آرام سے۔

دیکھتے ہیں جنت عیادت و ہجر کے بدلے

نفسانہ ہر اندازہ خسار نہیں ہے

جب صورت یہ ہو تو انہیں مشکوہ و ماحصل اس فساد سے تھا جس کی خود بین نے ہنگامہ عیادت آراستہ کر کے ان پر زندگی اور اختیار کی جنت لگائی تھی۔ ان کا غم و ماحصل زندگی کا غم تھا۔

ڈھیرا جھگڑا کو ہونے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا کے سوال نے ان کی فکر کو اس تہیہ سے آشنا کیا جو فلسفے کی بنیاد ہے۔ ہر مرہات پر ایک ایک سے یہ نشان ان کے سامنے آجاتا تھا۔ جڑوں ہوتا تو کیا ہوتا؟ وہ ہر امکان کا بڑی جرأت سے جائزہ لیتے اور اپنے فیئر فکر کا بے باک انداز اخبار کر دیتے، وہ چاہے جنت کی حقیقت کے بارے میں ہو چاہے ظلمتِ ثلاثی کے غزل سے متعلق ہو، چاہے پالستی دسم و ردھام کی ہر گھڑی کی نایت ہو۔ ان کی تنقید نے نہ سالیب اخبار کو چھوڑا، نہ زندگی کے ایسے گوشے اور نہ کائنات کی حقیقت کو۔ ان کی طبیعت میں تصوف کی گہری رنگ آمیزی نہ ہوتی تو وہ گہری نظر سے زندگی کا جائزہ لے کر کس حد تک مطمئن ہو جاتے لیکن شکل یہ تھی کہ وہ فلسفہ کو بھی حقیقت کے اور ان کے لئے ایک سنہ ماحصل سمجھتے تھے۔

منوبہ آئینہ فراق جنوں و مشکیں

جب غم زندگی سے فراق کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو ان کی طبیعت خود بخود عدم کی تاح و دو پہنیا بیوں کی طرف پھٹنے لگی۔ اس مادی کو انہوں نے مٹا نہ وارے کیا اور عدم سے بھی آگے نہیں گئے۔

ہیں عدم سے بھی ہم سے ہوں درد نہ غافل وارہ

میری آواز آتشیں سے بال عشق جل گیا

لیکن جب زندگی کی بہوڑوں کا چھرا نہیں اس کا راز بہت دیر میں سمجھنے لگیں تو انہوں نے ایک ایسی بے نیازی کا انداز اختیار کیا جس کے آگے صورتِ عالم ایک نام اور جیسی آتشیا ایک وہم رہ گئی۔ انہوں نے ادھب سلیمان کو ایک کھیل اور اجمار بھیساکو ایک ہاست بنا دیا۔

غائب کے کلام میں سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی شکایت ان کی بے نیازی اور سہولت سے ان کی

آزادی، ان سب کا رُخ ان کے تاق کی طرف ہے۔ وہ عقیدت تک پہنچنے کے لئے لاکھ لاکھ جتن اٹھاتا کرتے ہیں۔  
 کیا مضمون ہے کہ سب کو سب ایک سا جواب  
 آؤ نہ جسم بھی سیر کریں کوہ طور کی  
 جب کوہ طور کی سیر سے کام نہیں جتنا قوموں سے اپنا مطلب پورا کرنا چاہتے ہیں۔  
 گئی تھی ہم پہ برق تجسلی نہ طور پر  
 دیتے ہیں بادہ فرسودہ قدح خوار و کج کر  
 جب اس پہ کچھ نہیں ملتا تو اپنی نا آسویگی کو دور کرنے کے لئے اور اپنا بے ہارگی کی لالچ رکھتے کے لئے  
 بڑی جرات سے احتجاج کرتے ہیں۔

یہ ننگ میں بھی وہ آزادہ و خود ہیں، جی کہیم

اُلٹے پھر آتے دو کہ سہم اُتر و ا نہ ہوا

اپنی آزادی منکر کے جواز کے لئے اور دسی مذہب کی پابندیوں کو روکنے کی خاطر مذہب سے بھی سنڈ  
 لاتے ہیں۔

ہامن میاویضے پند فرزند آذرا را

ہر کس کہ شد صاحب نظر دین بزرگانِ خوش گز

پھر دیر و حرم دونوں کی تردید کرتے ہیں۔

دیرو حرم آئینہ منکر ارتقا

واما ندگی، حقوق تراشے ہے پناہیں

لیکن ان پناہیں تو تراشنے والوں کو بھی الزام سے بری کر کے اس صورت حال کا ذمہ دار اپنے خالق کو بھی  
 قرار دیتے ہیں۔

خشتِ خشت کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے

تیرا پُست نہ پائیں تو تا پیر کیا مگر ہیں

دیرو حرم دونوں کو شکا نے لگنے کے پیدا ہونے کے نگر عاقبت کو بھی بالائے طاق رکھ دیا ہے

ستائش گم ہے زاہد اس قدر میں پانچ رضوں کا

وہ اک ٹکڑے سے ہم بے خودوں کے طاق نیاں کا

نگر عاقبت سے فارغ ہو کر وہ مشوقِ فضول و جراتِ رندانہ کے ساتھ ساتھ شراب و شادی کی طرف متوجہ

ہوئے اور اس میدان میں انہوں نے وہاں کھیلنے کے باید و مشاید رسوائے دہر ہوئے، اطمینان کے پالاک ہوئے

مشوقِ فریبی کو اپنا شیرہ بکلیا، غرقِ رویائے معاصر ہوئے، اور یہاں ایسے بلا نوشی ثابت ہوئے کہ درپے سماں

کو بہ خشک کر دیا، اور پھر بھی اپنے دل کی حسرت پورا نہ ہونے کا ٹکڑا ہی کرتے رہے، جنت سے شاد کام ہونے کے



باوجود ہمارے مشترکے سامنے اپنی ناکامی کا مشکوکہ کرتے رہے اور مشکوکہ ہیں اس لیے کہ ہم سے کیا کہ اس کی تفسیر میں  
ہم سے ملے گی ہے

دل از غمستر ہوں مشد غمہنن چہ شود  
چہ ناگہمستر دانی نگہمستر چہ شود

حساب و سرور و ریش و رنگ و رو  
زہب و رام و پرویز و جمشید و جو

نہ از من کہ از تاب سے گاہ گاہ  
ہر روزہ دشت کردہ با شمش سیاہ

نہ رفیق ہری پسیراں بر براط  
نہ غوغائے رامش غراں و در براط

نہ تازک نگارے کہ نازش کشم  
ہر روزہ زلف و درازش کشم

چوں آں ناکامی بیباک آیدم  
بغزو و کس ہم دل نیاں میدم

یہاں غائب نے ہمارے خرابی کے معاملے میں گاہ گاہ کا تکلف ہے کیا کیا ہے ۔  
" ہر شب پیای کرتے ہیں سے بس قدمے "

کا اعتراف تو وہ پہلے ہی کر چکے تھے ۔ جب اس کا صحت نہ ہوئی تھی تو قریب لکھنؤ پہنچے تھے ، اور ہمارے فروزش کے  
تقاضوں سے نافرمان بھی رہتے تھے ۔

تہائے معشوقہ بادہ نوش  
تھا نہ کہ ہے بے ثبوت سے فروزش

شراب کے معاملے میں ، تو وہ نافرمان تھے ۔

ہرگز شراب اگر خم بھی دیکھوں وہاں  
یہ شریف و شہد و گوند و سبویا ہے

مگر بے ہمارے فروزش کے تقاضوں سے تنگ اگر غائب نے شراب کھینا بھی شروع کر دی ہو ، اس کا کوئی  
ثبوت تو نہیں ہے البتہ ایک لطیف سا اشارہ ضرور ملتا ہے ۔

صوبہ پہاڑ سے ہوئے، آلاست سے گئے  
کئے یہ ہی دو حساب سویں پاک ہو گئے

آلاست سے کئی کی ترکیب جام و مینا سے زبور و شرب کشید کرنے کے ساز و سامان کی غمازی کرتی ہوئی خنجر  
آتی ہے۔

شرب و شہادے غور سے ہونے کے باوجود غالب اپنی آزادی پر پانچ نہیں آنے دینا چاہتے تھے۔ کبھی کبھی  
انہیں یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ کبھی عشق کے ہاتھوں ان کی آزادی سلب نہ ہو جائے۔

وہ حلقہ ہائے زلف کیوں ہیں، اے خدا  
رنگہ پیر صبری و عمر نے دارمستی کی شرع

اور جب بالآخر گرفتار ہوئے تو کوئی ایسا چینسترا بدلا کہ بغیر کسی شکل کے رہائی پا گئے، اور جب رہائی کی  
طرف سے اطمینان ہو گیا اور گرفتاری و دھماکے کا خوف نہ رہا تو قادی جرم ہو گئے۔

نوا بار جہنم عشق سے آزاد ہم ہوئے  
ہر کیا کریا کہ دل ہی عذوبہ ہے قراض کا

سوال یہ ہے کہ غالب کے یہاں آزادی کا مزید اس شدت سے کیوں موجود ہے۔ اگر انہی حقیقت کا عرفان  
ہو جاتا تو یہ لگن جاتی رہتی۔ اگر کسی سے محبت ہو جاتی تب بھی شاید وہ کسی کے حلقہ غمگوش ہو کر بیٹھ رہتے۔ اگر حالات  
نامساعد نہ ہوتے تو یہی ممکن تھا کہ وہ وطن چمکاتے، ان کے ہاں آزادی کی لگن کے دراصل داخلی اور غائب  
دونوں ہی اسباب موجود ہیں۔ خارجی سبب تو یہ تھا کہ

آپ کا پسند و اور پھروں خشکا  
آپ کا فکر اور کھاؤں اوجھار

ہلک تاپے کہاں تنگ انسان  
دھوپ تاپے کہاں تنگ جاندار

اور داخلی سبب یہ تھا کہ ان کی طبیعت کسی داری میں نہیں ہو سکتی تھی۔  
شریح اسباب گرفتاری صاف درست ہو چھ  
اس قدر تنگ ہوا دل کہ میں زخاں سمیٹا

پاتے نہیں جب راہ تو چمک جتے ہیں تالے  
رکتا ہے مری طین تو ہوتی ہے رواں اود

اور یہی داخلی محرک انہیں معاشرے کی قدروں کو توڑنے پر مجبور کرتا ہے۔

پھر وہی احتیاط سے رکتے لگا ہے دم  
برصوں ہوئے ہیں چاک گریباں کئے ہوئے

صفیں برہم کرے ہے غشعہ باز خیال  
ہیں ورق گردائی نیرنگ یک بہت خانہ ہم

لیکن اس بہت شکنی کے باوجود غائب کی نگاہ سے باز و مشیدہ نہیں تھا کہ سب باتوں کی رنجہ رنجہ کرنے  
کے باوجود ان کی اپنی انا کی کے راستے میں ایک سنگ گراں میں ہائے گی سے  
ہر چہند شگ دست ہوئے بہت شکنی میں  
ہم ہیں قرا بھی ماہ میں ہمیں سنگ گراں اور  
یہ کہ انہیں معلوم تھا کہ ان کے در و کا دعا صرف ایک ہے۔ ظ  
عشرت نظر ہے وہ میں لفتا ہونا  
یہ عشت انہیں نصیب نہ ہوئی اس لئے وہ بہت شکنی سے باز آئے، انہوں نے اہل فوق کو لٹکا دیا  
ہیں اہل خرد کی روش غائب پہ نازاں  
پابستی، رسم و رو عام بہت ہیں  
انہوں نے حلقہ کی طوطی سے یہ کہہ کر منہ موڑ لیا ظ

ہم کو تقلید سنگ غری منصور نہیں

انہوں نے فراد کو مرگشتہ رسوم و قیود قرار دیا۔ وہ موت کو بھی اسباب و مل سے آگے دیکھنا چاہتے تھے۔  
فراد کے بارے میں انہوں نے بڑی عقارت سے کہا ہے

بہ ضربہ تیشہ وہ اس واسطے ہلاک ہوا  
کہ ضربہ تیشہ پہ رکھا تھا کوہن مکیہ

غائب نے کوہن کی طرح غیبت کی سے ہزاراں ہو کر جان نہیں دی بلکہ غمت سے غور ہو کر اس پر قابو پانے  
کی کوشش کی، اور لاکھ اس میں ایک طرح لفت بھی تلاش کر لی ہے

ایک ہنگامے پر موقوف ہے غم کی رونق  
نوحہ غم ہی ہی نوحہ شادی نہ ہی

نوحہ ہائے غم کو بھی اسے دل خیریت جائے  
بے صدا ہو جائے گا یہ سا نہ ہستی ایک دن

آگے بڑھے تو انہوں نے غم کو بھی اپنی جہت کی جلا کا سامان سمجھا ہے

علم نہیں ہوتا ہے آزاروں کو بیش ازیکہ نفس  
برقی سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم فائدہ ہم

جب ساندھ سامان سے آزار مرنے کی خواہش تیز ہوئی تو اپنے ماتم مرنے کا انہوں نے بیاباں سے سودا کر لیا

نقصان نہیں جہز میں بلا سے ہو مگر مزاج  
سوگن ز میں کے بدلے بیاباں بڑا نہیں

کم نہیں وہ بھی خرابی میں یہ دوست معلوم  
دشت میں ہے کچے وہ عیش کہ گھر یا نہیں

آزاری کی تلخی میں غائب بٹ شکن اور خود آزاری کی ہر منزل سے گزیرے، ان کلبہ قرار دی انہیں کہیں  
ہیں سے بیٹھے نہیں دیتا تھا

یہ اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دل و مشی کہے  
عاقبت کا دشمن اور آوارگی کا آسمان

منا نہ طے کہوں ہوں رو واری خستیاں  
تا باز گشت سے نہ رہے نہ عاجی

جب ہر منزل سے گزرنے کے تو یہ موت کا مرحلہ اتنی نہ گیا

ہو چسکیں مناسب بنائیں سب نام  
ایک نر گسز ناگہانی اور ہے

موتے ہیں آرزو میں مرنے کی  
موت آتی ہے ہر نہیں آتی

موت کے تصور میں بھی وہ اپنی آزارہ روئی بد قائم رہے۔ کہیں یہ کہ موت اس طریقے آئے کہ زندگی کی بنیادی  
لوگوں کے ذہن میں دوبارہ تازہ نہ ہو جائے۔ اور وہ ہر ایک کی نگاہ سے ہدنگامی میں ابھی چند سوچاؤں سے

ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کھول نہ فرق دیا  
نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار پوتا

کہیں وہ یہ سوچتے کہ شاید کفن ہی ان کی ہمدہ پرستی کر سکے۔

دھواں لکھن نے وارنہ یوب بربستی  
میں درنہ ہر صبا میں تگ و تھک دھندھا

## عرش ملیان

# غالب کی غزل گو

غالب کا نام آتے ہی اس کا یہ آفاق شعور ہن میں آجاتا ہے :۔

زباں پہ بار مندا یا یہ کس کا نام آیا

کہ میرے نطق نے پوسے مری زباں کے لئے

نہل میں غاں کی مدح میں جو غزل فنا نقصان پہلنے لگی اُس میں انہوں نے مدح کے پروسے میں اپنی  
جملہ ہمدازی کے جو جو ہر دکھائے تھے

بہیں تھے اور ستارے اب آسمان کے لئے

یہ مصرع مستقبل میں سائنس کی ترقی اور دور پہنچا ہوا ہے ۔ مدح سے پہلے اہل غزل میں خدا جانے وہ کس موڑ  
پہنچتے کہ غزل کی تک دامن کے گلے پر آکر آئے :۔

بے تندرست و شوق نہیں لڑتے تنگ تائے غزل

کہا اور چاہئے دوست مرے بیاں کے لئے

میں ہم غصے سے دیکھتے ہیں تو غالب کے تمام سرور کا یہ حق میں غزل ہی غالب ہے ۔ حالانکہ وہ منشی بھی بخش مرید و  
ایک غلام سمجھتے ہیں :

بھلا صاحب تم غزل کی تعریف کرتے ہو اور میں شرمنا ہوں ۔ یہ غزویا

کا ہے کہ میں پیٹ پالنے کی باتیں ہی ۔ میرے فارسی کے وہ قصیدے جن پر

میر گونا گہ کوئی ان کا لطف نہیں اُٹھاتا :

مرزا میں دل کی بات بہ بکی سے کہہ جانتے تھے اور کہیں غنیمت ہلاتے بغیر بھی کرتے تھے ۔ لیکن انہیں اپنی  
فارسی دانی اور فارسی گوئی پر بڑا فخر تھا :

فارسی میں تاج بہ جینی نفیس اپنے رنگ رنگ

بجز راز مجموعہ اور دو کہ بہ رنگ من است

لیکن انظر کو شایہ بھی منظور تھا کہ ان کا اردو دیوان انسا مقبول ہوا کہ ان کے فارسی کلام کو لوگ قریب غریب قبول کرتے۔ انہیں اس بات کا احساس تھا کہ ان کے جوہر کو بے گنجے دلے ان کے بعد آئیں گے۔ دیوان کی زندگی میں ان کی پوری قدر نہیں ہوئی تو مضائقہ نہیں ہے

تازہ دیوانم کہ سر مست سخن خواہد شدن  
ایں ہے از قضا خدیجاری کہن خواہد شدن  
گویم را در صدم اورج قبولے بودہ است  
ظہرت شعرم بہ عینتی مہدیں خواہد شدن  
صرف اس پر انتفا نہیں کرتے مگر مستقبل کے غالب میں حکم بھی لگاتے ہیں: ہے  
ہے یہی تویم اگر اپنا سنت وضع روزگار  
دفتر استعمار بابہ سوختن خواہد شدن  
یہ اپنے جہدِ طنز ہے۔ لیکن اس جہد کے شعراء کی تعریف میں رطب انسان بھی ہیں ہے  
مومن و نیستہ و صبا و عطری و انگار  
حسرت و مسرت و آرزوہ بودہ غلم شان  
غالب سوختہ جاں گر ہمسہ نیر زوہ بشمار  
ہست و دیرم سخن ہم نفس و جہوم شان

غالب کی اردو غزل پر ذرا تفصیل سے کچھ لکھنے سے پہلے ضروری ہے کہ ان کی فارسی غزل پر کسی صاحبِ نظر نظر ڈالی جائے کیونکہ غالب کا غزل گوئی حیثیت سے جائزہ لینے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ان کی فارسی غزل کو نظر انداز نہ کیا جائے۔

مرزا آقہ اولیٰ فارسی میں بیبل کا نتیجہ کہتے تھے، لیکن بعد میں اس روش سے کما رہ کش ہو گئے۔ بیبل کی وقت پسندی مقبول عام نہ تھی اور خود انہوں نے جب اپنے پیشِ دولہائی، انیسویں، طالعِ آمل و طبع کو دیکھا تو ان کی روش انہیں پسند آئی۔ وہ کسی حد تک ان کے مقلد تو نہیں تھے لیکن ان کے ذہن نے ان کے استفادہ فرما لیا۔ وہ اپنے فارسی دیوان کے خاتمے میں لکھتے ہیں کہ ترجمہ ہے،

• اگرچہ طبیعتِ اجتناب سے تازہ اور ہرگز یہ خیالات کی جو ذاتی لیکن آزادہ روی

کے سبب زیادہ تر ان لوگوں کی پیروی کرتا رہا جو راہِ صواب سے ناپسند تھے۔ آخر جب ان لوگوں نے جو اس راہ میں پیش رو گئے دیکھا کہ میں باوجود کچھ ان کے ہمراہ چنے کی قابلیت رکھتا ہوں اندھ بھرتے راہ میں بھٹکتا پھرتا ہوں ان کو میرے حال پر رحم آیا اور انہوں نے مجھ پر مہربانہ نگاہ ڈالی۔ طبعِ آمل میں نے مسکاکہ میری ہے راہِ روی مجھ کو بتائی۔ غالب آمل اور عرفی شہرِ رازی کی خصلتِ آزادہ نگاہ

نے آوارہ اور مطلق انسان بھرے لا مارہ جو مجھ میں تھا اس کو لٹا کر دیا۔ نظری  
نے اپنے کلام کی گیرائی سے میرے بالو پر تنوید اور میری کمر پر زانوہ باطحا،  
اور نظری نے اپنی خاص روش پر مجھ کو چٹا سکھایا۔ اب اس غروہ والا مشکہ  
کے بیغہ قریب سے میرا ملک وقاص جو چال میں کبک ہے قوالاں میں موسیقار  
جوسے میں طاروس ہے تو پرواز میں غفا:

مرزا اپنے کلم کو پرواز میں غفا سے تشبہ دیتے ہیں۔ یہ کوئی تلی نہیں بلکہ اظہارِ واقعہ ہے۔ وہ سب کے بہرہ  
چلتے ہیں لیکن تصوف کا عنصر ان کے کلام میں غالب ہونے کی وجہ سے وہ نظری کے زیادہ قریب ہیں۔ تو را نظری  
اور غالب کے ایک ہی ذہن میں شعرِ ملاحظہ فرمائیے:

نظری: کس از معانقہ روز وصل با بد ذوق

کہ چو شب زہم آفرش خروجا غفلت

سطیم ہر ز بارخ و مناخی آید

بہر چن کہ تو بشفقت صبا غفلت

غالب: درازن شب و بیداری میں ہی ہر شب

ز کنت میں خبر آرے تا کجا غفلت

یہ ہیں دو قدر جو قرب شد کہ غفلت را

دریکہ بازو چہ دروازہ دار و غفلت

اب آپ دیکھیں کہ غالب نظری کی ہم چٹھی کس شان سے کرتے ہیں۔ حالانکہ مرزا حال اسیر نے فرمایا تھا۔ ظ

ہستم چشما نظری حو بشتر نہ با سفد

اور غالب کا قول تھا ہے

صائب چہ جہاں است سفری بہر نظری

وئی بہ نظری نہ دست اسید سخن را

اب ذرا تجدد کے مقابلے میں غالب کا کلام دیکھئے:

نظری: بہشت میں دیوانی خرد خداست

بہر زہد کہ آزاد مرد ایم خداست

مگر کہ وضعت دیوانی شود مرصم

کہ گوش دل شگاہ زنی گشت پنداست

چشم کہ جہد کس و دود کشتا کش تا نہ

کہ ہر حسرتی حد ہزار ہر خداست

بگرمی دہا از تو با درست بگو  
شوم بدلتہ درویش کو دست ماندہ بہت  
خدا ہے ، چہ بچہ من و سیاہی بہ شام ماندہ است  
چہ گوشتیم کہ زخوب چند دلت یا چند است  
ز گفتہ کہ بہ تخیل سہا ز و چند ہے یہ  
ہر کہ با دہہ مانع ترازی چند است  
دما ز دہی من ہاکی رفتہ بہ حبیب  
ز تہی دہی دہی با ہزار پیرا است  
نہیم اہی کہ سوا ما ہمراہ از شاوی  
نہ گریہ اہم ہر گہ من از دہہ است

یہ غزلیں سعدی کی مشہور ہیں ہیں ہیں۔ اس میں عبدالرحیم خاں غاں کی غزل بہت مشہور ہے ہے

نہ دام و نام و نہ خانہ ایما نہ بندہ خانم  
کہ سر زنا بقدم ہرچ بہت در بندہ است  
مرا فروخت بہت دلت نہ است  
کہ مشتری چاہی است و بہانے من چند است  
اسی زمین میں حال کے مشاعرہ غزل کا لافانی شعر ہے ہے

بہے جہشتم و بز یک مشق کم و بیش  
ولایت کہ دہان بندہ ہے خداوند است  
لیکن غالب کو دیکھئے کس صفائی اور سادگی سے اس نے پرکاری کی ہے ۔  
ایک قصہ مشہور ہے کہ کسی عشق میں ماندہ کا مشہور شعر گایا جا رہا تھا ہے  
خوب تار یک دہیم صوفی و گداہے پنی حائل  
کہا داخند حال ما مسکرا زان ما حل ہا

تو کہ نے کہا ، لاش دوسرا صوفی بھی پہلے صوفی کی طرح ہوتا اور یہ کہنا بھی نہ چڑتا کہ ، کہجا داخند ..  
اس پر کئی شعر سنائے گئے ہے

تو کہ کہو تر دام مسرور چہ ہی دانی  
طہر بہ دل مرغان رشتہ بر پارا  
بہر شاہ گل اخی غزنیہ بیل ما  
نوا تران خود وہ غزنہ را چہ خبر

و نظیری

و نظیری



از قاتل ما شبیر ندارد

(سودا)

آسودہ کہ بر گناہ پرویاست

وہی کسی نے مرزا غائب کا شعر سننا اور بعض پہلو گئی ہے

ہوا محالفت و شب تار و بحر طوقاں خیز

محسنت نظر گشتی و نا خدا غفلت

اب ذرا مرزا کے مختلف فارسی اشعار کا تلفظ اُٹھائیے۔

وہ اپنے ہمد کے نابکار لوگوں سے اس قدر بیزار تھے کہ فرماتے ہیں کہ

مرا ذرہ قیامت تھے کہ بہت اچھا است

کہ روئے مردم عالم دودارہ یا بدید

آہم کے شوقین تھے۔ فرماتے ہیں کہ

ہرگز ہمدہ فردوسس بخراست، داسند

غائب آں اسبیر نگاہ خراوش مباد

عرفی کی مشہور دہی - خرقاں میں - میں کسی بڑا کامیاب ہے کہ

زاں کنی ترسم کہ تو دوجہ روزگار جائے میں

وائے گر باشند میں امر دہ میں مردائے میں

صورتوں میں بے سرو سامان والی زندگی جب پرچہ امتی ہے تو ساقم کا مطلق نازل ہوتا ہے۔

عرفی نے کہا تھا کہ

ہم سمندر باطن و ہم گشتی کہ دو جہوں عشق

دوئے دریا سسبیل و قہر و دریا آتش است

ساتھ کا معنوں تھا۔ لیکن غائب کی اپنے وقت پہنچہ معنوں نکال کر قل کہ ایک لافانی حقیقت کو بھی واضح

کر گئی اور نفسیات کے ایک دقیق نکتے کو حل کر گئی ہے

بے تکلف و درجا بودہ ہا از ہم جا است

قہر و دریا سسبیل و دوئے دریا آتش است

مرزا کی طرزِ ما اور ندرت خیال میں بڑی الفاظِ بیت ہے۔ انہوں نے عرفی و ظہری کو جگہ جگہ خراب عقیدت

پٹیا کی ہے۔ یہ ان کی ٹیک بیٹ ہے کہ

غائب از جوش دم ما تر تلی حق پرستی باد

پر وہ سا نہ ظہری ساعلی افشاں کردہ ایم

مبغیبت عرفی طلب از طینت غائب

عباس و گراں دادہ سخیان نہ داند  
زہی میں غالب کے چند منقلب اشارہ چلے جاتے ہیں : سے

جان غالب اب گفتاری گمان داری ہنوز  
صفت ہے دوری کی ہی پرسی زما احوال ما

زہی بہ ذوق طہیدین مستارہ می گردی  
بیجا بہ خاک من و اگر مہدم ہنگر

ان ہرمنہ تو چشمتہ حق داد گشت دوم  
آراشیں بہتر ز شفق ہی کلم امشب

با من بخواب تا روز من از رنگ ہر گمان  
تا فرغہ خیال درد بلوہ گاہ کیست

سے بہ زاد دل کی دلی کو ایسا جو ہر ناب  
چشم ایس قوم بہ شور پایہ لہزم غرمد

غالب کے باب میں بہت لوگ کہتے تھے کہ وہ ایرانی نہ تھے۔ فارسی ان کی مادری زبان نہ تھی۔ انہیں سخیان، اصفہانی یا طہری کہنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ لیکن ان کا قول تھا کہ مباد خیال منی نے انہیں فارسی کا ذوق ازل سے بکھاتا تھا وہ اس زبان کی ہر قسم کی لطافت و محاورت سے واقف تھے۔ وہ کسی حیثیت سے نظیری اعرفی، جمہوری اور دوسرے ہندوستانی شعراء سے کم نہ تھے۔ اپنے زمانے میں خود کو تنہا پاتے تھے اور کہتے تھے سے

ہیادہ بد گراہی جا بود زبان دانے  
غریب شہر سخن دانے گفتنی دارد

غالب کے ایک معزز ہم عصر اور معروف مفتی صدر الدین آخوندہ غالب کی فارسی دانی کے قائل نہ تھے۔ اور اس کو یہاں فارسی شعراء سے کم درجہ سمجھتے تھے۔ انہیں غالب کے مرزا نے ایک موقع کہا ہے۔ یہ سقین صرف آزدہ پر ہی چڑھ نہیں جکاس دانت کا ثبوت یہی ہے کہ غالب ماضی کے زیادہ حال کے معتقد تھے، اور یہ ان کے قریب پسند ہیں کا شکا تھا۔ فرماتے ہیں سے

تو اسے کہ بچہ سخن مستران چاشینی  
مباحث مشکہ غالب کہ در زمانہ داشت

یہ تو بدانی کی فارسی غزل گوئی کا تذکرہ :۔ اب اُن کی اردو غزل گوئی کی طرف آئیے جس کی وجہ سے تاریخ ہندوستان میں اُن کی عظمت کا پسندیدہ ٹھکانا ہوا ہے۔ اس چھوٹے سے اردو دیوان کے اشعار لوگوں کو زبانی یاد ہیں ۔

کتنے ہی غریب اطفال ہیں گئے ہیں۔ ان شہر میں زندگی ہے۔ نئی بات ہے، تازگی، شگفتگی اور خوشی ہے۔ انہوں نے زندگی کا سراور و سوز من گئے ہیں۔ اپنے جھوک کر جہاں کرتے کہتے وہ آفاقیہ پر اتر گئے ہیں سے  
دل ہی تو ہے نہ سگ و نہشت و درد سے بھر نہ آئے کیوں  
دویش تھے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستا کر کیوں

انہوں نے اپنی زندگی میں زمانے کی بڑی پیرنگیاں دیکھیں۔ تو تھاں اور سرائی کا توں دیکھا۔ بچاں چاگھر  
کے حصہ دار بنے۔ چنگوں کو ساڑھے پاسٹرو پٹے اور۔ وہ اسے سر نہنی جتے تھے۔ چٹن کے لئے عمر بھر دیتے رہے  
بالکون کا بقیہ مانگتے تھے۔ اس زمانے میں بھگتے تھے۔ چٹنی تو کیا سلقی اٹا قتل کے عماروں اور مایوں سے سمجھڑا مول  
لے لیا۔ ۱۹۵۶ء کا چنگھڑا اپنی آنکھ سے دیکھا۔ دلی کی بادشاہی اور دربار کا آجڑا، عمارتوں، علم، اعزاء اور شریفی کا پانچواں  
ہوا اور صحن کا گلی سے مارا جانا انہوں نے آنکھوں سے دیکھا۔ افراتفری کے عالم میں نہ کوئی بار نہ غم نہ سار گشتا ہستم کے  
دلوں سے ساقی، ایسے وہ پیڑ پھٹے لگیا کہتے سے

پانی سے سگ گزیدہ گدے میں طرح اسد

ڈرتا ہوں آگئے سے کہ مروجہ گزیدہ ہوں

اس زمانے میں اگر شہید، شیوا داکن، رام، ہر گوبال، تفر، غالب یوسف علی شاہ، والی رام پور، اور عالی  
اور محمود نہ ہوتے تو غالب پہنچ پڑتے اور نہ جانے ان کے حواس بھو قائم رہتے یا نہیں۔  
اور میں غالب اپنے پیش روؤں میں میر کے قائل تھے سے

غالب اپنا عقیدہ ہے بقول نادر حسن

آپ بے بہرہ ہے جو مستعد تیر نہیں

تیر کے شعر کا احوال کہوں کیا غالب

جس کا دیوان کم از کم شبن کشمیر نہیں

نادر حسن دیکھئے سادہ و پختہ ڈالنے۔ غالب کو اپنے مرتبے کا احساس و واقف ہے۔ لوگوں نے اسے خود سنا  
لاہور دہشتی پر بھی گھوٹا کیا ہے۔ لیکن شاید ان کا یہ خیال صحیح نہ ہو  
انہوں نے اولیٰ اولیٰ طرزِ حیل اختیار کی۔ لیکن ہم میں احباب باقیہوں فضل حق خیر آبادی کے مشورے  
سے وہ آسان زبان میں عام فہم اشعار کہنے لگے۔ مگر ان کی ان کی وقت پسندی کے پیش نظر ان پرچہ نہیں ہوتا  
تجربہ سے

زبانِ مسید مجھے اور کلامِ مسید زانچے

مگر ان کا کہا ہے آپ بھی یاد دلا دیجئے

انہیں کے جواب میں شاید ان کے یہ شعر بھی سے

نہ سناؤ بھئی کی کشت نہ صلی کی ہر ورا

مگر نہیں ہیں سرے اشار میں منت نہ سہی  
مگر خاموش سے منانہ انفا سے حال ہے  
غرضش ہوں کہ میری بات کہیں نہال ہے  
آگاہی دامِ مشنیدین میں قند چاہے بچائے  
مددِ انفا ہے اپنے منامِ تعمیر کا  
مشکل ہے زبسنِ کلام میرا سے دل  
میں سخن کے اسے سخنِ ذرا لے کا رمل  
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرما بسطن  
جویم مشکل و اگر نہ جویم مشکل

لیکن عام مذاق کے لوگ اور مشاعر کیا کرتے۔ ان کا ابتدائی کلام زیادہ دیوان اور معانی ہر اعتبار سے دقیق  
تھا۔ تاہمیں ملاحظہ ہوں۔

شار ہو مگر غیب بہ مشکل پسند آیا  
تھا مشائے بہ یک گفت ہر ملک مدد دل پہنچا  
شبِ خارِ ہشتم ساقی رستخیز اندازہ من  
تا میلِ بادِ صورتِ خاندِ خمیہ زادہ من  
یک قدم و دشت سے درس و فکر ایں گھا  
خود را اجڑائے عالم و دشت کا شہیر زادہ من  
شب کو وہ لباسِ طرازِ خلوت ناموس تھا  
دشت پر شمعِ منارِ کسوتِ خادس تھا  
استدہم وہ جنوں چولہاں گدا سے بے سراپا ہی  
کہ ہے سرِ چہلہ مژگانِ آہو دشتِ خارِ پنا

اس شکلِ گوئی اور دشتِ پسندی کا تجزیہ ڈاکٹر عبدالرحمن بھنڈری نے محاسبِ کلامِ غائب میں، جسے فلسفیانہ  
انداز میں کیا ہے۔ وہ غائب کے بہت بڑے طرے دار ہیں، لیکن ذیل کی عبارت میں حرمتِ داری سے زیادہ مستقل پسندی

” زبانِ ارضی ہے اور مشاعرانہ خیالات ساری ہیں۔ ان دونوں کو واصل دینا  
عمرِ لطیفِ روح اور سکندرِ عا و دہ کے جسم تیار کرنا ہے۔ شہزادہ گوئیٹا میڈارمان جوتے ہیں  
لیکن ان میں بھی قدرت نہیں کہ اپنے خیالات کا کامل اظہار کر سکیں۔ ہر خیالاتِ دل  
پس منجز ہوتے ہیں۔ وہ اصل لطافت بہت کچھ ضائع ہوتے بغیر ورنہ خیال سے  
دوسرے قسط اس تک نہیں آتے۔۔۔۔۔

غالب کی مشاعری کے جسم پر زبان کا جبار اسی وجہ سے تنگ ہے۔ یہاں تک  
کہ بعض جگہ سے جاگ جو گھبراہ اور غرایں بدلے اندر سے نکل آتا ہے۔ چونکہ مرزا غالب کا  
مروضہ کلام بیشتر غلط ہے یہ خلق اور بھی زیادہ ہو گئی ہے۔ فسطحِ چیز ہی ایسی  
ہے۔ لہٰذا ہر فرسوسِ ناولِ فکر کا قول ہے: ”حبیب میں گمانٹ اور ہنگی کر مٹانے کے  
تھے اٹھنا ہوں تو سر میں دھرمونے ٹھکے۔“

دعایِ غالب میں ایسے اشعار بھی ہیں کا معنوم پڑھنے کے ذہن مطلقاً قاصر  
ہے۔ تین عرصہ اعلان میں ہر جانب ہمداد کرنے کے بعد واپس آجاتا ہے۔ گویا ایک  
دائرہ ہے جس سے گزرنے ناممکن ہے۔ بہت سے نقاد اس کو کینہِ شراب پر عمل کرتے  
ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ گوشت کے اعلیٰ ترین کلام پر جو غاص سے حصہ دوم میں ہے  
یہی اعتراض ہر جانب سے کیا گیا تھا۔ ایک دن ایک ماں نے لڑکے سے دریافت کیا کہ  
اس اسف کاں کا باعث کیا ہے؟ گوشت نے جواب دیا ”یہ تاری قوس میں پرو گشتِ فریفتہ  
ہیں۔ لوگ ان مقامات پر لائیں مسائی کی مثال غم کہتے ہیں اور اپنی ناکامیاں سے  
نہیں اٹھتے۔ انسانی طلب کی انتہا تجر ہے۔ اگر کسی فن سے جبریت پیدا ہو تو وہ کمالِ ان  
ہے اور اس بات پر امر اور کرنا چاہئے کہ اس کے پہ پشت کیا ہے۔ میں کچھ تب آئیے  
میں اپنا عکس دیکھ کر حیران ہوتے ہیں تو نادانی سے پشت آئینہ کو بھی دیکھنے لگتے ہیں۔“

بات کے ذہن کی تخلیق اگر عادی مانا تو فکر کو تیر کر دے تو یہ نالید کا گمان ہے۔ کسی طرح کا ایہام یا مہل پسند

نہیں۔ غالب کی صفائی میں جینوینی کی یہ ناطق دین ہر طرح سے قابلِ قبول و لائقِ ایجاز ہے۔

اس مشکل پسندی سے قطع نظر غالب کی اردو طرزِ اردو کا بہترین سرمایہ ہے۔ اس کے زیرِ نظر غالب کو اس  
زمانے میں قہری حامی کی دولت ملے ہے۔ مشید احمد صدیقی کا یہ نفوذ اردو ادب کا ایک تاریخی شہرِ منشور ہے۔ ”منظم  
عہد حکومت نے ہندوستان کو تین چیزیں بخشی ہیں: کتابِ سخن، اردو اور غالب۔“ غالب کے کلام کے ماسی بڑی  
تفصیل سے جانچے پرکے جاسکتے ہیں۔ اسی میں تعوت ہے، طوخیال ہے، اور زندگی کی نفسیات ہے۔ ”استقامت اور  
تشہیر کی خدمت ہے۔ وہ زندگی کا ایک میدان سے پرکھ رہا ہو کہ دیکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ غم روزگار اور غم زندگی متوازن  
ہیں اور اس غم سے فزائی کو ششِ جنس کرنا بلکہ اسے زندہ سید کرنا ہے۔“

فرد سات و ہند نام میں دو طرفہ ایک ہی

موت سے پہلے آدمی تم سے نجات پائے گیوں

غائب کی پندہ سبھی اور شوقی ایک گھنٹہ نام کا مستہزائیں۔ اس سے بھی وہ زندگی کے مسائل پر غور ہی اور نام پر  
نام کے زہد و اتقا پر غور کرتے ہیں

دعا غلط نہ تم پیو نہ کسی کو پنا سکو

کیا بات ہے تنہا ہی سبب اب طہور کی

پھر کھلے جاتے ہیں فرشتوں کے شکے پر نام

آدمی کوئی ہمارا دم خسرو بھی تھا

مرزا کے کلام کے بڑے بڑے نام مرزا میں دعا دیا، اور ان کے تحت ہر مفسر کی ہندشائیں بھی پٹی ہیں،

### فلسفہ عشق و محبت

نے لگی نفس ہوں نہ پردہ ساز

میں ہوں اپنی مسکرت کی آواز

وہر میں نقشب و منا و ہر تلس نہ ہوا

ہے یہ وہ لفظ جو شہر مند کا منی نہ ہوا

ہے ہمت مرید اور اک سے اپنا سمجھو

قبیلے کو اہل نظر تہ نہ کہتے ہیں

سودا کا مشہور شعر تھا ہے

ناوک نے تیرے حید نہ چھوڑا زلف نے میں

ترش ہے مرغ قبیلہ غا آشیا نے میں

شیخ علی حزیں نے اس کی بہت داد دی تھی اور کہا تھا کہ ایک مرغ تہ نہ رو گیا تھا اس کو کسی نہیں چھوڑا،

لیکن غائب نے قبیلہ کو ہی قبیلہ نہ کہہ کر اپنی ہمت پندہ اور اپنے خیال کی پمدار کو انتہا تک پہنچا دیا۔ یہ شعر معروف  
کے ضمن میں بھی لا جواب شعر ہے

دکھوں لگاؤ ایک چسپاں نا لگاؤ کا

لاکھوں بساؤ ایک بھڑانا عتاب میں

تو وہ بدلو کہ قسمت کو تاشا ہائے  
عنم وہ انسان کہ آشفقت ہوائی مانگے  
ہو تو خود سے ہے سفینم کو منامی تعلیم  
یہ بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک  
منافقا اگر نہیں آساں تو بہل ہے  
دشوار تو یہاں ہے کہ دشوار بھی نہیں

### قصہ ہفت

اتنا ہی کھد کو اپنی معیت سے بُد ہے  
جتن کہ وہم غیر سے ہوں پہنچ و کتاب میں  
خٹک خٹک کے ہر مقام پر دو چارہ گئے  
قیرا پتہ نہ پائیں تو کامیاب رکھیا کریں

اس ضمن میں داغ کا مشہور شعر ہے یہ

باہر مر داہ محبت کا جنت و عافیت ہے  
اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں

اور علامہ غفرلہ فرماتے ہیں

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی  
کچھ ہماری غیبت نہیں آتی

بازدیکھو اطفال ہے دنیا مرے آگے  
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

ہے وہی بدستی ہر ذرہ کا خود عذر خواہ  
جس کے جلوے سے زمیں تا آساں سرشار ہے

محرم نہیں ہے تو ہی تو اے راز کا  
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

ہاں نکسایہ جو مست فریبِ ہستی  
ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے  
جس نے نام نہیں مودتِ عالم مجھے منظور  
جز وہ ہم نہیں ہستی اسٹیا مرے آگے  
مقا طوب میں خیال کو تھ سے مواظ  
جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سودھا

### سوز و گداز

خون ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نہیں اے مرگ  
رہتے دے بجے پاں کہ ابھی کام بہت ہے  
بارخ میں مجھ کو نہ لے جا درد نہ ہیوے حال پر  
ہر گئی تو ایک چشمِ خوں فٹاں ہو جاوے گا  
نہیں ذمہ میرا راحت جراحِ پریاں  
وہ زخم تیتھ ہے جن کو کہ دل کشا کہئے  
کہتا ہے کون ناکِ حبیبی کو بے اثر  
پروے میں ہی گئی کے لاکھ جگر چاک ہو گئے  
رنگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قافی  
جب آنکھ ہی سے نہ نکلا تو پھر ہو کیا ہے  
کہ تو دے اے ملکِ انصاف  
آہ و سوزِ یاد کی رخصت ہی ہیں  
اب جفا سے بھی ہیں مردم کہ اللہ افسر  
اس قدر روشن اور با سب جفا ہو مینا

### رندی



جب سے کہ چشتا تو میرا بیکار ہو گیا  
مسجدِ چوہدری سرِ ہر کوئی خانقاہ ہو

ہانت ہوں ثوابِ طاعت و زہد  
ہر طہیبت اور حسرت نہیں آتی

ہی کے لئے گر آج نہ خشتِ ثواب میں  
یہ سو وطن ہے ساقی کوڑکے باب میں

گو ہاتھیں جنبشِ نہیں آنکھوں میں تو دم ہے  
رہتا ہوا بھی سنا غزوینا مرے آگے  
پھر دیکھئے اندازِ عملِ اثنائی گفتار  
رنگ دیکھئے ہیئتِ صبا مرے آگے

دوڑائے معاصی تک آتی سے ہوا خشک  
میرا سببِ داسی بھی ابھی تو نہ ہوا تھا

مرنا و غمِ بلا نوش کئے۔ اس لئے ان کے اشعار اس قبیل کے نہیں ہیں کہ ریا فی خیر آبادی کے اشعار ہیں  
ان کے دہقانہ مضامین میں بھی زندگی بولی رہی ہے۔ ان کی آواز بولی رہی ہے۔ ہمیں شوقِ یاد نہیں۔ ایک آواز و منشی  
شاعر، ثواب، ساقی، سینا، طاعت و زہد، دیو پر قلند، لغز و آفتاب ہے۔ ان سے پہلے دہلی کے مضامین اس  
صفائی، اس لطافت اور اس انداز سے اردو شاعری میں کم آئے ہوں گے۔

### پہلو دارا شاعر

مولانا حالی نے یادگارِ غالب میں مرزا کی اس خصوصیت کا قافی طور پر ذکر کیا ہے۔ وہ بعض اشعار میں  
دو دو معنی بھر دیتے ہیں۔ اس کی مثال اور کسی شاعر کے یہاں اس کثرت سے نہیں ملتی۔

کوئی ویرانی صبی ویرانی ہے  
دشت کو دیکھ کے گھر باد آیا

کون ہوتا ہے حریت کے فردا نکل عشق  
ہے مگر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد

گیوں کراس بخت سے دکھوں جان عزیز  
کیا نہیں ہے مجھے ایساں حسرتیں  
تیرے سرو قامت سے اک تھو آدم  
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں  
لجھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ  
جو تم سے شہر میں ہوں ایک دور کیونکر

ذوقِ سلیم ان اشعار میں دو دو معنی تلاش گوئے غارِ خوب گھرات سے مفرغ نکھٹا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

### محاکات

غائب شاہی میں مصوری کرتے ہیں۔ ان کے اشعار میں موسیقی کے عناصر ہیں۔ گویا وہ شاعر ہوتے ہوئے  
تینوں فنونِ لطیفہ کے ماہر ہیں۔ جس و عشق کو مرنے سے اس خوشِ اسلامی سے نظم کیا ہے کہ تصویرِ آہوں کے سامنے  
پہنچ جاتا ہے۔

خفتہ نامہ شعلہ کو دور سے مت دکھا گیوں  
پوسہ کو چھتا ہوں میں منہ سے گئے پتا کیوں  
ہمکے ہاں تینا و گفن باغ سے ہونے ہاں ہوں  
غزیرے قتل کرتے ہیں جواب لائیں گے کیا  
منہ عیش کھوتے ہی کھوتے آ نکھیں غائب  
یار لائے مری بالیں پہ اُسے پر بھی وقت

نیتناں کی ہے دماغ اس کلبے راتیں اس کی ہیں  
تیری زلفیں میں سے باز پر ہر بیضاں جو گئیں

مرا ہوں اس آواز پہ ہر چہند سرا جاتے  
جلا دو لیکن وہ کہے جائیں کہ ہاں اور

۱۶ ذی قعدہ کے باب میں مومن کا بھی ایک مشہور شعر ہے۔  
و ششام یاربہاں مسد میں پرگراں نہیں  
اے ہم نفسِ نکستہ آواز دیکھا

لیکن غالب کے یہاں جو محاکاتی رنگ ہے وہ عرس کے یہاں نہیں، اور دوسرا مصرع تو بے پناہ ہے۔ جگر  
جستہ دکھیلن وہ کے جانیگا کہ ان اور

دوستی کا پردہ ہے، بیگانگی  
مذہبھا ناہم سے چھوڑا چاہئے

جز پھر تباہے لئے یوں قرعے خدا کو کہ اگر  
کوئی پارچے کو یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

غالب کا قول ہے کہ انہوں نے مدوحوں سے معذری سمجھ لی ہے، اور یہ معذری ان کی شاعری کی جگہ ہے۔  
رنگ کے مضامین بھی غالب کے یہاں کثرت سے ہیں۔ اور ان کی اردو اور فارسی شاعری کا فرقہ امتیاز ہے۔

چھوڑا نہ رنگ نے کہ ترسے فکر کا نام توں  
ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ باؤں کو حرکتیں

اپنی لگی ہیں جہ کو نہ کہ دین ہمہ دقتیں  
بوسے پتے سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے

مرزا جعفر علی خان انور محرم جیکر کے بہت بڑے متذاحوں میں تھے۔ انہوں نے مظاہر غالب میں میر و  
غالب کے ایسے اشعار پیش کئے ہیں جو ہم سمجھ میں ہیں۔ اس قرار کا مظاہرہ لطف سے خالی نہ ہوگا۔

عالم ہے : ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی  
کچھ ہماری خیر نہیں آتی  
میر : بے خودی نے گئی کہاں ہم کو  
ویر سے انتظار ہے اپنا

عالم ہے : جز قیاس اور کوئی نہ آیا بروئے کار  
مسکرا مگر بہ تشنگی چشم حسود ستا  
میر : تقصیر طریق عشق کیا سب نے بد قیاس  
سیکھ جہا نہ ایک بھی اس رہ نور و ما

عالم ہے : قیامت ہے کہ جو وہ مدی کا ہم سفر غالب  
وہ کافر خدا کو بھی نہ سونپا حالے ہے مجھ سے

میں ۱ : عشق ان کو ہے جو یاد کو اپنے دم رفتی  
کرتے نہیں حیرت سے خدا کے بھی حوالے

غائب ہے : کیوں نہ دہیوں کو یاد کرتے ہیں  
میں ۲ : یاد ان کو نہیں ۲ قی  
میں ۱ : میں جو یاد کیا کہ یہ آواز  
اسی تھا نہ غائب کی سی ہے

غائب ہے ۱ : دائے گزیرا مرا انصاف محشر میں نہ ہو  
اب تلک تو یہ توقع ہے کہ وہاں ہو جائے گا  
میں ۱ : اب پھر ہمارا بسکس کا محشر میں ماجا ہے  
دیجیے تو اس جگہ کیا انصاف داد گز ہے

غائبِ ذکاوت اور صحت طبع دونوں کے مالک تھے۔ انہوں نے اردو شاعری میں ایک نئی طرح ڈالی۔  
عامیانا نہ پڑھتے اور گھٹیا معیار میں سے بہرہ نہ لیا۔ ان کی جین جنور جو "وہائے عام" میں مرنا بھی گوارا نہیں کر سکتی تھی، شہر  
میں بہت ذوق کو کس طرح قبول کرتی؟ اس منقصرے معنوں میں ان کی غزل گوئی کے تمام مایوسہ بیان جنہ کے ہاں تھے  
خود ان کے قول کے مطابق تھے۔

ذوقِ تمام ہوا ادم مدح باقی ہے  
وہ خوش ہیں تھے۔ تمام نے تو صرف اسی پر اکتفا کیا تھا نظر

پس فرق میان میں تو ہمیت جو  
لیکھی یہ کہاں اتنی سی بات پر دیکھتے تھے۔ ایک ڈبالی میں کہتے ہیں یہ  
یارب تو کبائی کہ بہ ماز نہ وہی  
آشفہ چہرائی کہ بہ ماز نہ وہی  
نے نے تو نہ عنائی دے ہے رہی  
بہ مایہ جو مائی کہ بہ ماز نہ وہی

شاہکارِ رباعی ہے۔ اور شوخیِ لہجہ کی انتہا، ایسا خوش طبع شاعر اردو پیدا بھی کر سکے گی یا نہیں۔ پھر اس  
شوخی کے باوصف غائب نے غزل کو کیا نہیں دیا۔ جتنا سعادہ غائب کا کرتے جاتے ہیں نئے معنی کے منظر سامنے آتے  
ہیں۔ اور محسوس ہوتا ہے کہ غائب سے ابھی ہم پوری طرح ہم آغوش نہیں ہو چکے تھے  
ہم عمر با وقار کیشم و نہ رفت بیک خوابا  
چہ جہاں سے کوئی نہ رہی زکنت بہ مایہ گستاخا

## عقیق احمد

# غالب ہے کا ذہین

غالب کا عہد بڑا سیاسی، سماجی اور ثقافتی اکیھاؤوں کا دور تھا۔ آستانہ فرادہ اور سامترے کی غیرانی ہمیدہ جیوں کا مجموعہ بھی۔ انیسویں صدی کے پہلے ابتدائی بیس سال گزرتے گزرتے ہندوستان کی ماضی اور ثقافتی زندگی میں تبدیلیوں اور کٹھنوں کے اثرات اس طرح عورت ہونے لگے جن کے سبب اس ملک کے جن مختلف روپ ملت نظر آتے تھے،

ایک وہ ہندوستان تھا جس کے سماجی علاقوں میں کچھ دساؤری منڈیوں سے تجارتی رشتوں کے سبب اور کچھ ڈھچ، داسندہ، فرانیسی اور انگریز تجارتی اداروں کے اہل کاروں کے توشے سے آئی ہوئی بیرونی اسٹیمپاؤں کی نشینی اور تعلیم کے ساتھ ساتھ بیرونی زندگی کے طور طریقے رونق پا رہے تھے۔

دوسری طرف امرا، جاگیرداروں اور ان کے لواحقین اور مستحقین کا وہ ہندوستان تھا جو مل سلطنت کے اقتدار اور جہاد و جلال کی وحشتوں میں ڈوب کے مہار سے ہر قسم کی قدامت پسندی کو زندہ اور ناپاک رکھنے کی جنگ لڑ رہی، جذباتی قوتوں کے ساتھ لڑ رہا تھا۔

تیسری طرف اُس وقت کے قلمی مٹے درمیانہ طبقے کا وہ نیم تسلیم یافتہ اور نیم بیدار ہندوستان تھا، جو قدیم رسوم و عادات کی تقلید کے جزیرے تھا اور جدید سہولتوں اور بیرونی اشیاء و تعلیم اور پیشوں کے محنت مرنے والے اخراجات کی دید و شنید سے نئی تبدیلیوں اور نئے خیالات کو اپنی زندگیوں میں راہ دینے پر مائل ہو چکا تھا۔

غالب ہے کہ یہ صورت حال بے حد پیچیدہ تھی اور اس سے نہ صرف ملک کا سیاسی، ثقافتی اور تاریخی ڈھانچہ زیر و زبر تھا، بلکہ فرد کے ذہنی اکیھاؤوں اور احساسات کی ذلت و تاریکی بھی صورت حال تھی۔

کسی ملک اور قوم کی تاریخ جب ایسے موڑ پر آجاتی ہے کہ جہاں قریب کے استوار ذہنی اور جذباتی رشتے بیرونی ممالک سے درستی اشیاء، فیشنوں اور اقدار کے استوں زیر و زبر ہونے لگیں تو ملک کا ہیں مسدود اور فن کو تخلیق دینے والی قوتیں معطل ہونے لگتی ہیں اور نتیجہ نکلتا ہے کہ زندگی گزارنے کے عام طور طریقوں میں، غور و فکر کی صلاحیتوں میں اور عمل و تحقیق کے عمل میں روایت پرستی کی قن آسانی کا دور سر پر چڑھ کر ہونے لگتا ہے۔

غالب کے عہد کے عام ذہن اور فکری رویوں میں جو سنی رکاوٹیں اور ہیئتیں و سببیت کا فقدان ملتا ہے اس کا سبب عام فروعی نا اہلیت نہیں ہے بلکہ قوی تاریخ کا وہی اندہ جنگ موڑ ہے جس کی طرف اوپر کی سطوح میں اشارہ کیا گیا ہے ، اساتذہ کا دل یہ اس وقت غالب کے علاوہ شاہ نصیر، مومن، ذوق اور بہاؤ در شاہ ظفر میں جو سببیت پرست تھے انہیں ملتا تھا۔ منٹو والے لوگوں میں آزاد، شوشتہ، حالی، ذکی، مجروح اور انور بھی جلتے تھے۔ دوسرے محلوں میں مشتق اور ناسخ کے شاعروں کا ایک گروہ ابھرتا رہا تھا۔

حالی کی بدلی مشاعرے اور غالب کو چھوڑ کر اس عہد کے عام فکری اور تحقیق شاعرانہ رویوں کو دیکھئے تو فخری، گلشن اور تھوڑے تحقیقی آنچ کی جگہ تقلید اور روایت پرستی کی کارستیت کے سوا اور کچھ نہیں ملتا۔ میں عہد سببیت سے فکریوں اور تہذیب و ثقافت کے یہ تغاٹ گذر رہے تھے اس سے ان کے حصے میں روایت پرستی کی ایک رنگرنگی تھی جو ان کی فنی، فکری اور تحقیقی قوتوں کو برباد کر رہی تھی۔

ظفر کا ایسا دور اشتیاق، ذوق، سادہ طبع اور قادر نظام مشاعرے مومن سا ایسا تنگیا اور طر مدار شاعر۔ اردو شاعری کو ایک مدت کے بعد بیک وقت اسے اپنے اور جاناں رضا سرسبز کے تھے لیکن تیز اور انقلاب کی تیز مروجوں میں اسے پٹ اقتار عیادت اور عیانوں سے نہ چاہیں چلیں کہ فکر و فن کی تمام جولانیاں اور نظریہ و بصیرت کے سامنے سر پہلے اس عہد کی ناسازگاروں کے اٹھیاؤں اور ہماروں میں جگمگ ہوتے چلتے۔

تغییرات اور کش مکش کے اس بلاغیز طوفان سے جو چیز ابھر کر آئی وہ - وفاداری، بشریت، استقامت - کے طور پر مشکلات اور اللہ آزمیزی کا بیڑی میلان تھا جو کس قیمت اس مجروح تہذیب عصر کی نیا رہنے سے عاری تھا بھانپنا عہد کے فن کار اور مشاعرے کی جنگ و کمانچہ جو اس کے واسطے پشیم براہ تھی۔

فرض غالب کے عہد کی وہ عام فضا میں ہیں اس دور کا مشاعرہ اور فن کار سانس لے رہا تھا ذوال پذیر اور تنزلات کے تند و تیز دھاروں کی زد میں کچھ اس طرح آیا ہوا تھا کہ معمولی طرح اور ذہن کی بات نہیں ہے بلکہ جسے بڑے طبع ذہن اور نیچے منزلوں کو قدم نکالنا دور بھر تھا۔

اس اعتبار سے ایسے پیچیدہ ماحول کے ہیں منتظر میں کسی ایسے شاعر اور فن کار کے ذہن کی ساخت اور اس کی ارتقائی مسافتوں کا جائزہ بڑی اچھی ہوئی گفتگو کا سہوا ہے۔ غالب نے خود ایک جیسے روایت پرست ماحول اور گھرانے میں آنکھیں کھولی تھیں۔ سرکار سے قرب اور دربار واری ان کے عہد میں ہر صاحب فن کا اہل مقدر تھی۔ کسی دربار سے پیش پالینا یا کسی قواب یا مہاراجہ کا آستاد مقدر ہونا فن کی اعلیٰ ترین مسند پر فائز ہونا تھا۔ چٹنا رہے دارالافتاد کے امٹ پھر میں مہارت رکھنا گویا فن شمر گئی کی معراج ہونا تھا۔

ان طور طریقوں نے فکری اور فنی اجتہاد کی راہیں تو نظر نہ مسدود کر دی تھیں، مگر ساتھ ہی ساتھ اس عہد کا سازگار اس شعروشاعری کے عروج و معمار و قواعد سے انحراف گزرا تھا تو جنگ گھروں تھا۔ سو غالب کو اس داپ میں جو کچھ مستی پڑا وہ اب کوئی دھکی چھپی بات نہیں رہی ہے۔ مشکل پسندی سے بے کار وہ گوارا اور میل تک ہر خطاب ہی سے اجنبی نظر آتا تھا۔ مگر یہ ان کی قوت پر داشت کا بہت بڑا مظاہرہ تھا کہ انہوں نے فنا لغت کے

اس سبب کو خواہش پانے ہے جامے زیادہ سمجھ کر کوئی ٹکڑے نہیں کیا۔ غالب کے فنی اور نگاری اجتہاد کی داستان کا یہ بیرونی کے زمانے کی روح عام کو رد کیجئے ہوئے بڑا تعجب خیز ہے۔ لیکن اکی کی فنی ساخت کو کچھ نہ گئے اس بات کو غفلت ادا نہیں کرنا چاہئے کہ ایک فعال اور حساس ذہن اپنے ارد گرد کے ماحول اور فضا کو واسطہ دے کے ذہن کے مقابلے میں لڑا وہ جذب کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے ماحول اور زمانے سے بہت آگے ہوتے ہوئے بھی اپنے عہد کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔ چنانچہ غزل کی قریب روایات کا جامہ دیا اور غالب کی شاعری پر حاوی ہے۔ یہی نہیں غزل کے رواجی الفاظ مثلاً گل، جہل، صبا، بارغ، زنداں، برق، آسشونہ، غزا، جبار، تالہ، فریاد، الہ کے یہاں ہیں اسی کثرت سے استعمال ہوئے ہیں جیسے کہ ان کے پیشرو اور ہم معر شعراء کے یہاں مستقل تھے۔ مگر اس سبب کچھ کے باوجود غالب کی طنز نگاروں ان کے اغاب بیان کا آخری تاثر ان کے عہد کی عام شاعری سے عیسر پیدا اور بالکل منفرد ہے۔

1000

یہ ایک بہت سیدھا سا سوال ہے۔ مگر اس ایک ہی سوال کے جواب میں غائب کی انفرادی زندگی کے بارے میں کئی طرح کی غلط فہمیاں پھیل گئی ہیں۔ ان کا اعادہ اب بے محل ہو گا۔ لیکن اس پس منظر میں غائب کی اپنی زندگی کے بعض موڑوں کا سنجیدہ استیلا آسان ہو جاتا ہے۔ خانقاہی سلسلے سے وہ ایک ترک اور آجانی پُیشے کے لحاظ سے وہ نرم کے آدمی تھے۔ ان کی شاہی خاص کم عمری میں اور پوری رعایتی پابندیوں کے ساتھ ہوئی۔ اولاد کے ذمہ دہننے کی خواہش ان کی زندگی کی بہت بڑی چاہتوں میں سے تھی۔ اچھا مکان، اچھا لباس، صاف ستھری اور محلوں اور چلباشیوں سے آراؤ زندگی، اسی ستم پیشہ کو بہار زندگی کی دائمی قربت، واقف و دوچہ جیہ، صحبت کے ساتھ خراب اور دوستوں کے ساتھ بے فکرگی کی مصیبتیں اور مجلسیں، سرکار و بار میں عزت اور منہ نقیضی، ہم عصر شعراء میں بیکانے روزگار کی حیثیت سے عزت اور تکریم۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

خدا شوق اور دعا جنوں کا یہ عجیب ہے۔ فکر بہت بڑا مجموعہ ہے۔ مگر ان میں سے کوئی خواہش کوئی چاہت کسی نوع بھی مافوق الفطرت بننے کی طلب نگاہی اور حصول نہیں بھی جاسکتی۔ — ولی چنے کے وہ ہرگز حراموں نہیں تھے۔ پیر کا فریجی کا چمکا انہیں زندگی کے دوسرے نہیں لگا۔ ذرا اند دڑی یا ذخیرہ اند دڑی کا شوق بھی ان کے طبع طریقوں سے متفرق نہیں ہے۔ جو کچھ وہ چاہتے تھے وہ ایسی عام چاہتیں تھیں جو ان کے عہد کا ہر آدمی کرتا تھا اور ہم آپ بھی کر سکتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ کوئی ایسا شوق نہیں تھا کہ جو لائق تعزیر جرم گردانا جائے۔ مگر ان کے جیتے ہی حالات کا دھوا آگے بڑھتا رہا۔ رزم کے آدمی کو زندگی بھر مشغور و محنت کی بنیاد آسانی مقصد رہی۔ شادی کی وہ بیڑی جو ان کی قلبی مانا فطرت کو بند یا بندھے اور پابند زندگی کے رسوم و آداب میں جکڑنے کے لئے تیرہ سالی کی عمر میں پہنانا علمی محنت زندگی بھر نہ کٹ سکی۔ اور ایک الفاغی حادثے کے بعد کسی اور بہتر بیڑے فرما دینا کا ان کی

زندگی میں گمراہ ہوا۔ اولاد کی زندگی پہنچنے کی پامت بھی ایک فضول خواہش رہی۔ بچتے وہ دوست و راور اور دوسروں کے ہم گرد چلتے گئے ان کے حریفوں اور نمائندوں کی تعداد میں اسی قدر اضافہ ہوتا تھا۔ مدہ یہ، چپہ، اولی عزت و شہرت، سب ہی پھلکھوٹے کے سوا ب کی طرح اسی سے دس قدم آگے رہا۔ ان کی زندگی کیا تھی میں ان کی زندگی کا اندازہ لگانا کا ایک۔ زیادت کوہ۔ تھی۔ میں کوہ قدی، نکاحیوں اور نمائندوں کا ایک ہجوم اور کھٹکھٹ اور مصوجوں کا ایک سیلا بہہ پناہ گھیرے ہوئے تھا۔ تب ہی تو وہ گھر کے کمرے پہنچے تھے۔

بیان کس سے جو غفلت گسٹری میرے شبستان کی

شب سے ہو جو رنگ دون چہاروں کے روزی میں

میں اس کے ساتھ زندگی اور حالات کا یہ رویہ اور یہ سلوک ہو وہ اس زمانے کو کیونکر مٹائے؟ اور اس کے دل میں اس زمانے کی کن روایات اور کن قدروں کا احترام ہو گا کہ وہ ان کی تقلید کرے؟ اور ایسا پابیند رسوم و آداب و تعلقات زمانہ کسی کو کیا دے سکے گا کہ جسے پاکر وہ مشکوہ پاس کا انظار دکرے گا؟ ایسی نفا اور ایسے معاملے ہیں جو خود اپنے فلسف میں اس درجہ گرفتار ہو کر ماحول کی یادیں ہی سامان و فراموش کر دیتے ہیں، اگر کوئی حساس اور خیال ذہن ترقیب پالنے والا ہے تو اس کی راہ کا اولین قدم اپنے اندر کے انحراف اور انکار کا قدم ہوتا ہے۔ دماغی ادب اور ذہن میں اس قبیل کی یہ خواہش نہیں آتی کہ جسے ہمارے سامنے ہے۔ اور غائب بھی ان ہی بے شمار دشمنی ذہنوں میں سے ایک ذہن ہے۔ چنانچہ غائب کی بھی زندگی کی یہ عزت اور معصوم خواہشات اور ان کے خارجی معاملے کے دباؤ اور تعصبات کے پھیلنے اور ان کے ذہن کو میں پہنچے ہوئے ان کا وہ پہلے عہد کی پابستھی رسم و رسوم۔ سے انکار اور انحراف کی یہی بنیادی روش تھی۔ چنانچہ انہوں نے اس پہلے ہی داری میں اپنے عہد کے پہلے ادب کے عہد سے جنگ و ٹکرائی کر کے

ہیں اہل خدمت و روض خاص پہ تازان

پابستھی رسم و رسوم بہت ہے

ایک ترک اور رزم چتر ہونے کے ناطے ان کے خون میں جو رزم آرائی کا عنصر تھا زمانے کی بے فتوری کے دستور ان کی جبروت آتا سے میل کھا کر دو دھاری تواریج گیا۔ پھر ان کے انحراف اور انکار کا رخ صرف اولی اور مشرعی روایات ہی نہیں بلکہ ہر وہ چیز جو اس عہد میں معنی اپنی روایتی قدامت کے سبب دوسروں کے لئے باعث احترام و تقلید تھی۔ دہی غائب کی تنقید کا ہدف اور ان کے انکار اور انحراف کی زد میں تھی۔ اس میں عشق و عاشقی کا روایتی اذار بھی شامل ہے اور محبوب کا روایتی تصور بھی۔ تصوف کا لنگا بندھا کا لہ پار بھی۔ اور سکندر بندہ میں جو پار بھی، رہا کا مانہ فیری اور قلندر کی بھی، اور رسمی دینداری بھی۔ اور عرفی مذہب کے لباس میں دوسروں سے دوسری کا ہر تلو بھی۔ اس کے علاوہ بھی ہر وہ رسم و رواج ان کے انکار اور انحراف کی زد میں آئی تھی، جو آدمی کی فکر و نظر پامند کر سکتی ہو۔ اور اس کی آکاہہ دہی کی راہ کی دین میں ملتی ہے۔ غائب کی دین داری دہی تو خیر نہیں تھی، لیکن اس باب میں ان کے ایمان اور ایقان کی مابین چند جذباتی فقار پامانہ حکم تھیں۔ لیکن اس معاملے میں بھی وہ اپنے۔ آکاہہ و خوبی میں۔ ضرور تھے کہ اگر انہیں دیکھ کر دماغ سے تو کٹ پھر جانے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ اولی



معاملات میں ان کی گرفت اس سے بھی زیادہ سخت تھی۔ زبان کا معاملہ جو دوا دوات اور ذمہ اور تکلیف کے مسائل کا منہم کسی ست عوام خیال کی بحث ہو یا کسی ادبی نظریے کی صحت کا سوال، غالب نے کبھی کسی ایسے عروج استہان کی حمایت نہیں کی جسے ان کا عقل پسند ذہن بحث و تحقیق اور داخل اور باہر کے بعد غلط سمجھتا ہو۔ ایسے تمام معاملات میں کہ جہاں ان کا ذہن عقلی مبادیات پر کسی معاملے کو غلط سمجھتا ہو، وہ اپنے خاص مردوں، دوستوں اور مستعدوں ہی کو نہیں ان لوگوں کو بھی ٹوک دیتے تھے جن سے ان کا کوئی مفاد یا غرض وابستہ نہیں رہتی تھی۔ مثلاً میر مرزا زمین نے جوان کے بہت پیچھے پیارے تھے جب انہیں نقد پر لڑنے کی خبر دی تو وہ حملہ کئے اور انہیں گانا: "میاں کس حقے میں بچنا ہے، نقد پر لڑ کر کیا کرے گا۔" طلب و نجوم و ہیئت و منطق پر لڑا کر جو آدمی بنا چاہے، وہاں غالب عالم سے غالب کو جو جذباتی لگاؤ تھا اور جس قدر وہ ان کا ادب اور احترام کرتے تھے اس کی مثال کسی اور کے ساتھ غرض غالب و ادب میں نہیں ملتی۔ لیکن غالب نے ان کے بھی شعری مسلک سے جا بجا اختلاف کیا ہے اور بد و عوزک اپنی لٹ کا اظہار کیا ہے پھر ان کا یہ دودھ دوسروں کے ساتھ ہی نہیں، بے دودھ روایت تقلید میں ہی کچھ دہ اپنے ساتھ بھی لے کر گئے تھے۔ مثلاً اپنے ادبی مسلک کے بارے میں عبدالرزاق شاکر کے نام دو سنہ ۱۸۶۵ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں: "پندرہ برس کی عمر سے کچھ برس کی عمر تک معائنہ خیال نگاہ کیا۔ دس برس میں بڑا دیوان چھ ہو گیا۔ آخر جب تیرہ سال کی اس دیوان کو دیکھا، اور ان کی تمام جانکے اور دس پندرہ شعر واسطے نمونہ کے رکھ لئے، لہذا اپنے دیوان کی پہلی ترتیب کے وقت تو انہوں نے اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ میں اپنی تقلیدی روش کی شاعری کو تنقید کا ہدف بنا دیا ہے۔ لکھتے ہیں: "امید کہ سخن سراپا نہ مستند مانے، پرانگندہ ابیاتے ملا کر خارج از اس اوماق یا جند از آثار ترلوش رنگ تلک ایس نامہ سیاہ نشاندہ" (دو چار دیوان غالب صفحہ ۷۹) ملاحظہ فرمائی پر یہی بدایوں طبع منہم (مستہم)۔

یہ اس طرح نشان دہی سے یہ جھوٹی کہ وہ اپنے عہد میں بہتے ہوئے ہی کیوں اپنے عہد سے زیادہ کسی "گلشن ناکھریہ" کے جبل بن کر چلے۔ سراپا تلک تلاش سے جو بات سامنے آئی ہے۔ وہ یہ کہ نرم پیشہ اور فن سپہ گری پر فروزا رکھنے والا ترا ترکہ ہی نہیں، تراکانہ مزاج اور تراکانہ خود کا مجموعہ بھی تھا۔ غالب کے اندواز ترک مزاج، تنگیاہن، جلد بولنے اور جلد سن جانے، اپنے آپ کو سب سے الگ ٹھکانا اور سب سے ممتاز سمجھنے اور اپنی عظمت اور زبان و قافی کا ہوا یک فرقہ تھا وہی کچھ سن سکا نہیں اپنے عہد کی مدد سے تحقیق سے جلد کا مت بنا گئی۔ غالب کا بیشتر کام ان کے ہاں اس احساس کی نشان دہی ہی کر رہا ہے کہ قافی، آگے نکھڑ اور حیدر کا باکی بھری ہری ادبی اور ملی، ذہنی اور عقلی سطح پر وہ اپنے آپ کو باطل تنہا سمجھتے ہیں۔ اور کوئی ہم خیال اور ہم دیوان انہیں میسر نہیں ہے۔ اس پوری عقل میں کوئی ایک بھی ان کا ہمراز نہیں ہے۔

ایک ہی قافی کے تحت اب چل بسیر و دم بھر

من کہ طبع بسبیل و سخیل مستند و مستم

دوسرے مصرعے کی خبر ان کے یہاں کڑی نہیں بن جاتی، بلکہ ان کی یکتائی اور انفرادیت کے سانچو کا نشانہ کرتی ہے۔ ان کی یہی مستزاد طبع تھی کہ وہ روایت پسندی اور روایت پرستی کے فرق سے پوری طرے باخبر تھے۔

وہ جہاں اس بات کو سمجھتے تھے کہ روایات وہ چراغ ہیں جنہیں اگر کوئی عبادی جہت پسندی کے جنوں میں لگی کر دے تو مستقبل تو خیر بہت دور کی بات ہے حال کی ماحول میں اتنی تاریکی ہو جاتی ہے کہ قدم دو قدم چلتا ہی دو بھر ہوجاتا ہے۔ وہی وہ اس دور سے بھی ناخوش ہے کہ روایت پرست بن کر فن کاروں میں روایت کو اپنے اوپر مسلط کرتا ہے وہی اس کے تخلیقی سوتوں کو خشک کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جب کہ اس کے برعکس روایت پسند ہو کر روایت و قبول کی جتنی آزار دہاں کوئی فن کار اپنے لئے لیتی رہے سکتا ہے وہی اس کے فکر و فن کے قربات میں سے ہے اور اجتہاد کا دواغازہ کھلا رکھنے کی عنایت بن جاتی ہے۔ غائب روایت پرست نہیں روایت پسند البتہ تھے۔

غائب کے یہاں اس روایت پسند فہم کی خارج پہلے پرٹنے کی خبر ایک توانی کی اس مغزو خرابی سے ملتی ہے جس کی طرف ابھی ابھی اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن اور طلبا و تلامذہ کی تاریکی میں ان کے دوستانہ مراسم سے ملتی ہیں۔ مگر ان شبانہ روزوں کی طرف رجوع کرنے سے پیشتر ایک اور اہم مسئلہ قلم طلب ہے۔

غائب میں عہد کے فرد تھے وہ اپنی جگہ پیپیدہ تو تھا ہی لیکن اس پیپیدگی کے صرف ایک رخ کا تذکرہ عام طور سے ملتا ہے۔ اور وہ یہ کہ جو کہ ایسٹ انڈیا کمپنی رفتہ رفتہ هندوستان کے سیاسی اور حکومتی ڈھانچے میں داخلہ لے رہی تھی جس کے سبب مندرجہ حکومت روم ڈال رہی تھی۔ چنانچہ یہ عہد محض غریب کا دور شمار ہوتا ہے۔ بلا شک و شبہ غریب اور غارت گری کا یہ پہلو بڑا ہی افسانہ ہے۔ مگر یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ یہ دور ایک نئی تعمیر کے آغاز کا بھی دور تھا۔ مغلیہ سلطنت، بااقتدار انتظامات، کی حیثیت سے یہ تعمیر اس دور کے باآغاز کے لیکن اختلاف کا سبب تو بن سکتی ہے لیکن اپنی جگہ اتنی محسوس بات تھی، اور یہ گواہی دیتا ہے کہ اس کے وجود سے انکار نہ کیا جاسکتا تھا۔ شامی ممکن تھا۔ اس تیسرا رخ یہ شک حاکمانہ اور سامراجی تھا لیکن اس کے اجزاء میں جذباتیت کی جگہ محض پسند، جھوٹے دھارے کے سپاہیوں کی لڑائی لڑانے کی جگہ محنت، بازا اور قوت و فہم سے لگائی ہوئی روزی اور عزت و فساد پرستی کی جگہ ایجاد و اختراع کی لگن و رجعت قہری پر غور و انشاک کی جگہ علم و دہش کی روشنی میں کنگے بڑھے کاغذ پر شامل تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسے دور کی نامزدگی بھی کسی لیے ہی دیر و دلائل طے زمین کا کام تھا جہاں عہد کی تحریک و تعمیر کی آفرینش کے لیے سے وہ گہرا آمد کر سکتا ہو حال کی تہذیب اور مستقبل کی تعمیر کی جگہ پاؤں دے سکے۔ اس پس منظر کی روشنی میں اب غائب کے اس رویے کی نشاۃ وہاں کی جاسکتی ہے کہ آیا وہ اپنے عہد کی منفی رو کے دھاروں میں بہہ کر صرف انکار و اخراج کی غریب ملک ہی پھر پئے تھے یا اپنے عہد کی تعمیر و غریب کا بھی انہیں کوئی شعور تھا؟ اس میں سوال کے جواب کے طے میں اللہ کے دوستانہ مراسم کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ اس بات سے ہرگز انکار ممکن نہیں ہے کہ غائب اپنے عہد کے اس طبقے کے فرد نہیں تھے جو عہد پر غریب تقسیم یا غفلت افروز کا عہد تھے۔ اور اپنے علم کی بنا پر محض غیلامت اور نئی روایات کی تقلید کر رہا تھا۔ مگر اپنی علمی زندگی میں کچھ پنشنے کی مقدور بازی کے لطیف اور کچھ سرکار و دربار سے وابستگی کی روایت کو نبھانے کی وجہ سے اور تعمیر کی طرف محض اپنے غافلانہ اخلاقی مراسم کی بنا پر ان کے تعلقات

ایسے لوگوں سے تھے جو ہر دے ہر پر نئی طرح پر تعلیم یافتہ کو نہیں کہہ جاسکتے ہاں انگریزی زبان جانتے اور انگریز حکومت کی انتظامی مشینری سے منسلک ہونے کے سبب نئی تہذیبوں، نئے خیالات اور طرز زندگی کے نئے تجربی ریز کی عبادیات سے پوری طرح باخبر تھے۔ غالب کے لیے احباب کی فہرست خاصی طویل ہے۔ مگر سرسید احمد خاں، منشی سفید خاں، آرام، منشی پھاروس خاں، خوش، خواجہ غلام غوث بے خبر اور عہد استغزوہ نساخ کے نام زیادہ اہم ہیں۔ یہ سب حضرات نہ صرف نئی حکومت کے مقامی دفاتر کے اعلیٰ عہدے دار بلکہ ان کا رشتہ جگہ انگریزی زبان جانتے کے سبب نئے تقریری رجحانات سے پوری طرح واقف بھی تھے۔ ایک سرسید کو چھوڑ کر یہ سب ہی حضرات غالب کے شاگرد تھے، بزمِ برات سے خط و کتابت رہتی تھی، اور مستفانہ، روزناموں میں شریک رہتے تھے۔ ان حضرات سے گفتگو اور تبادلہ خیالات کے سبب کچھ انگریز درباردار اور کچھ یورپ میں آمد و رفت کے طبعی اور پھر سب سے اہم بات یہ کہ گلگتے کے دوستوں نے کہا غالب کو نئے عہد کا مزاج دان نہیں بنایا ہوگا؟ سہل گلگتے کے ذکر کے احوال پر غالب کی بے قزاقی سے کون واقف نہیں، اور آثارِ الہیہ وید کی تقریباتیں نئی دنیا کے حوالے کے خیالات سے کون انکار کر سکتا ہے؟ ان بہت ساری شہادتوں کی بنا پر یہ مفروضہ قیاسی حدود سے نکل کر اس امر کا ثبوت ہم پہنچاتا ہے کہ غالب کا اپنے عہد کی "رسم و رواج" سے انکار اور انحراف ذاتی ناکامیوں پر مزاحمت کا شکار ہونے کے سبب سے نہیں بلکہ نئی تہذیبوں کے دھاروں اور ان کی سمجھوتوں اور لڑخوں سے آہنی کی بنا پر تھا۔ مثلاً اپنے عہد کے انکار اور انحراف کے سلسلے میں جس قدر کھل کر انہوں نے اپنے اس قصیدے کے اہتمام میں کہا ہے جو یوں شروع ہوتا ہے۔

دہر جہنم جزو یکیت ان مشفق نہیں،

اس کی مثال اور کہیں نہیں ملتی۔

چند اشعار قلمِ طلب ہیں یہ

پلے دل پہے ترا کہ نہ جہت ہے نہ فوق

ہے کمی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دین

ہرزہ ہے نفسِ زیر و بزمِ ہستی و عدم

منو ہے آئینہ خرقِ جنوں و تمکین

نقشبِ من ہر خیالِ عسری صورت

سنن حق ہر پیمانہ ذوقِ سخنیں

لافت و دانش غلط و نفعِ عبادت معلوم

دیکھ ساغرِ غفلت ہے چہ دنیا و چہ دین

مفتی بے ریلی، شیرازہ ایزائے حواس  
 وصل - زنگہ در کعبہ کعبہ شریقیں  
 کوہ کنی گڑھ مزدورِ عرب گاہ رقیب  
 ہے ستوں آئینہ غراسبِ عمرانِ مشیرین  
 جس نے دیکھا غقبِ دہلِ وفا آتشِ خیز  
 جس نے پایا اثرِ نازِ دل ہائے خیز

ان اشعار میں غائب کے اخلاف و افلاک کی زوہیں اُن کے عہد ہی کے نہیں بلکہ ماضیِ قریب تک کے وہ تمام مستحکات اور تصورات اور فکر و فلسفہ کی وہ طرف ہے جو ریاضات اور ماضی پر محض غرض گمانی کے سبب اُن کے اپنے عہد تک آگے آگے انفرادی اور اجتماعی ہجرات سے گئے کہ غائب مقدس روایات کی شکل میں رہ گئے تھے پھر ان اشعار میں نقلی یا افلاک ماضی نہیں ہے، بلکہ مثبت فکر کی ایک روزِ جہ کا نئی ہوئی بھی گذرتی ہے جو اگرچہ خاصی ناموس ہے مگر موجود ضرور ہے۔ غائب کے اس طرز فکر سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مقصود نہیں ہے کہ وہ کوئی بہت بڑے انقلابی تھے۔ ان جو بات کہتے اور ان کے جس ذہن دہی کی نشان دہی مقصود ہے وہ یہ کہ وہ اپنے دور کے بے حد عام ناموس تہذیب کو سمجھتے، ان کا فادیت اور ان کے مثبت اثرات کو دیکھتے اور ان کی حمایت کرنے میں اپنے تمام ہم عصر اور دو کے ادیبوں اور مشاعروں میں پہلی شخصیت تھے۔ اس تہذیب اور ان روایات کے سٹے ماضی پر ان کا سینہ ضرور "پرخوں زخاں خاں" بن گیا تھا۔ جن سے ان کے دور کی اعلیٰ تہذیب اور ثقافت و قوت کی شمع روشن تھی۔ مگر یہی سبب تھا کہ ان کے سینہ پرخوں سے اپنے عہد کی قیامی آرزو مندی کی وہ شعاعیں بھی پھوٹتی تھیں جو اس "فلسفہ نا آفریدہ" کی تعمیر و تشکیل کی پہلی کوششوں میں سے تھیں۔ جس کی موجودہ شکل جلا اپنا عہد ہے۔ اس اعتبار سے غائب ان کا ذہن خراب و تباہی پامانوس اور آہ دہکا کہنے والا ذہن نہیں بلکہ تیز اور قبل کے دائمی جاری و ساری حقیقی وجود کو ماننے اور برتنے والا ذہن ہے۔ مثلاً دیکھو کہ برات اور حیدر یا جان سپاری کے تحت وہ آئینی انقلاب کو اپنی ذہنی روح اور احساسات کے لئے مرہم بناتے ہیں۔

یہاں ماضی یا لم بہ طوفان

برنگِ شعلہ می رہنم درآتش

مقدم سیلاب سے دل کیا نشاطِ آہنگ ہے

خانہ عاشق مگر سدا ہمدانے آبِ تھا

تیز اور قبل کی ان ہی سہی قوتوں پر ایمان اور یقین کے سبب غائب کی ماضی بنیادی طور پر ایسے تہذیب کی ماضی ہے جن کی اساس عقلی تو جہاں سے بنا ستر ہے۔ اور جس ان کے شانہ و رتوں کی موجودہ

دو رنگ زندہ رہنے کی دلیل اور تائید کرنے کی قوت کا ماز ہے۔ غالب کے یہاں پختہ ہونے الفاظ قدیم و اچھی الفاظ میں مستعمل ہیں اور جن کی طرف ادب و اشعار ان کا چلنا ہے اسی قدر ایسے الفاظ بھی انہوں نے استعمال کئے ہیں جو ان کے ذہن کی تیز بینی پر سائنس کی قوتوں سے چار اور لگاؤ کی قوت اشارہ کرتے ہیں۔ مثلاً ان کے یہاں قوت کا سیلاب، بوجھ، دریا، صبح، رفتار، ہمدردی، حیرت میں طرح سے استعمال کیے ہیں۔ وہ حرکت اور تیز رفتاری کے رنگ اور رنگ پر قوی اعتبار اور چمکی اور رنگ کا اظہار ہیں۔ اسی چار اور رنگ کے جذبے سے صرفاً وہ تحریر و رنگوں کی خشک گشت کو اپنے "ایر قلم" کی "نیم رنگ" سے سیراب کرتے رہے۔ اور یہی ان کا وہ ذہن رویہ تھا جس سے ان کی عام ہے مائیگی، جمہوریوں اور پانچویں کے باوجود اساتذہ آریضہ کا وہ سیلاب و حلاوت ہمیشہ ہے جس کا ریشہ تیز و تیز، گھٹن ناگزیر ہے۔ کی طرف بہتا ہے۔ اپنے اس جذبے کا اظہار انہوں نے دو جگہ بڑی آریضہ اور ذوق و جذبے میں خوب کر لیا ہے۔

گھر میں تھا کیا کہ تراحم اُسے غارت کرتا  
وہ جو کہتے تھے ہم اک حسرتِ تعمیر سو ہے

اور

ہوا بھل مفتی کی غارت گری سے شرمندہ  
سو اُسے حسرتِ تعمیر گھر میں خاک نہیں

تہی دستی اور رنگ دستی سے قدری اور محافل کے سیلاب کے باوجود غالب کے یہاں حسرتِ تعمیر کی آواز آریضہ کا یہ جذبہ یا محض ان کے تہمت کے زوال پذیر اور شکست خوردہ ماحول میں اپنی فریاد کی محسوس آواز ہے۔ اس آریضہ میں جب ان کی قند دانہ طبیعت اور بے نیازی کا عنصر شامل ہوتا ہے تو ان کے تیز ذہن کی وہ روش ہم پر کھتی ہے جس پر وہ عمر بھر بامردی اور استقامت کے ساتھ سرگرم سفر ہے۔ زندگی کی آسائشوں کا عدم حصول ان کی بے نیازی کی راہ کا پتھر بھی نہیں بن پاتا۔ اور پھر وہ اس منزل پہنچنے جاتے ہیں۔

ہوں میں بھی قاسمانی تیرے چنگِ تیرا  
مطلب نہیں کہ اس سے کہ مطلب ہی ہو گئے

اولیٰ منزل پر پہنچ کر زندگی میں آرام و آسائش کا سیریز ہوا ایک ایسے مثبت نقطہ نظر میں دھن جاتا ہے کہ جس کے سپارے آریضہ اور غائبوں کی چاہت ان کے سینے کو گرم رکھتی ہے۔ جامِ ہم سیرد ہو تو اس کے غم میں ترک باوہ نرخی کیا ضرور ہے۔ لذت فرما کے کوئی سے بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔ یہ جذبہ تہمت پسندی کا بے عمل فلسفہ نہیں ہے۔ بلکہ غالب کے دماغ مزاج اور خیال ذہن کی موجودگی کے اندر ہی کچھ نئی راہیں تلاش ہے اور اور گردی من و غشا کے تیز مائل تیار کرنے کا بہانہ اور فرم بن کر سامنے آتا ہے۔ غالب کی آریضہ میں جوتو تازی ہیں غنچ پھاس کا سبب غنچ سے اثبات کی راہیں تراشنے کا یہی جذبہ ہے جس نے "دوئے عشق جہاد" میں ایسے آگے کا لڑائی کے لئے داگردیا تھا جس سے وہ آئے والے عہد کے مزاج اور اس

کی تعمیری روش کو نصف صدی پہلے ہی تاریخ کے کچلے ورق کی طرح پڑھ گئے تھے۔

غائب کے ذہن کی جتنی روشوں کو ابھی تک احاطہ کیا جا چکا ہے ان سے ان کی زندگی کے عمل اور نظریاتی پہلوؤں پر جو روشنی پڑتی ہے وہ ہمیں یہ بات واضح طور پر کہنے میں مدد دے سکتی ہے کہ وہ اپنے عہد کو جس حد تک جذب اور قبول کرے وہ اعلیٰ ثقافتی اور تہذیبی قدروں کا ایسا مجموعہ تھا جس میں مشرقی، مغربی، اسلامی اور ہندی، دوسروں کے ساتھ ہمارے علوم اور آئینہ مشابہہ بنائے گئے عناصر مداحی گئے۔ اور جو کہ ان کا ذہن اپنے جیسے غائب و جہول نہ کر سکا وہ روایت کا وہ جبر تھا جس کی تعقیب آگاہی کو کو ہوا کا بل بننا پڑتی ہے اور اس سے انکار واد انحراف گئے ہیں غور و نظر کے واسطے یہ خواہر اجابا کی راہیں کھلنا ممکن نہیں رہتی۔ یہ دونوں عناصر غائب کے یہاں پوری شدت اور سائنس تاویلات (Scientific Interpretation) کے ساتھ موجود ہیں۔ غائب کے ذہن کا اس روش کو سمجھنا ان کے عہد ہی میں نہیں بلکہ بیسویں صدی کے اجتماعی دور تک خاصی بے توجہی برقی گئی ہے۔ ان پر جو شکل پسند مہل گو، لادادری اور ہندی ہونے کے فتوے لگے رہے ہیں، اس کا سبب ان کے ذہن کی اس ہی حقیقت پسندانہ روش کو نہ سمجھنا ہے۔ غائب کے ذہن کی وہ روش خاص جہاں وہ مفک ہر فطرت کے بارے میں انسان کی ذات کے بارے میں، آفرینش اور عدم کے بارے میں، خدا کے نہ ہونے کے بارے میں اور اپنے ماحول کے بارے میں سوالات کرتے ہیں اور ہر شے اور ہر چیز کی اصل جاننے اور اس کے وجود اور عدم کی اہمیت اور نا اہمیت کو سمجھنے کے لئے۔ نہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا؟ کی منزل میں قدم دھرتے ہیں تو ان کے ذہن کو سمجھنا خاصا دشوار ہو جاتا ہے پھر اس سے جتنے بھی قوہ اپنے عہد کے عشق و عاشق کے دُعا سے پر سوالات کی بوجھاڑ کر دیتے ہیں۔ مشاعری کے عام مزاج کا مزاج پر پہنچے لگتے ہیں۔ حتیٰ کہ دربار داروں اور صوفیوں تک کی ذات پر پہنچنے پر آتے ہیں۔ شعر کیا کہوں غزل کا رنگ بھول گیا، معشوق کس کو تو دوں جو غزل کی روش کب میں آئے؟ واپس یہ؟ اور یہ؟ اور یہ؟ گویا میری زبان سے کتب سے

اے درمیان نیست معشوق سزاوارِ مداح

اے درمیان نیست معشوق سزاوارِ غزل

یا پھر آخری بات کو ایک اور پہلو میں لے کر دیتے ہیں:

کوہ کن نقاش کش یک مثالِ شیری تھا اسد

تنگ سے سسر مار کر جو دے نہ چپہا آغشتا

ہر مذہب اور مکتب کے حامیوں و متبادل کے بارے میں بھی ان کا ذہن تنقید اور سوالات سے خالی نہ تھا۔ اور یہی وہ منزل ہے کہ جہاں وہ پہنچ کر عجب اپنے عہد کی ہر موم دھڑے کے متعلق اور انفس و انانی کی موجودات کے بارے میں بار بار سوال کرتے ہیں تو وہ اپنے عہد کی زبان اور مکانِ ہندو کو پہلا انگ کر اس انجمنِ نا آفرینہ کی خدمت میں داخل ہو جاتے ہیں جو ان کے عہد کے ہر نصف صدی میں پیدا ہوا تھا۔ اور یہ عہد آگے کے سائنسی اور فنی عہد کا پیش رو اور تھا۔ اور ان کے اپنے عہد کی نظروں اور ہیروئن سے یکسر راجھ تھا۔

اس میں منظر غائب کے ذہن کے نکلنے والے کی جڑ و میاں بنیادی ثابت ہوتی ہے، وہ تاشم، تعمیر، حرکت اور دفعت رہیں۔ غائب کی نفسیاتی ثبوت میں کاملاً مدہو یا ان کی خواہش کا مشق و صحبت کے رویے کا مطالعہ ہو یا عذیب اور تصوف کے مستقدمات کا ان کے نظریات و کردار کی مجسم ہو، یا ان کے شاعرانہ رویے کی بات، ان کے ذہن کے کافول یا فلول کے جو کار و چو بنیادی ثابت ہوتے ہیں۔ یہی چار عناصر ہیں۔ اور ان میں عناصر سے ان کی وید و دانش، استعارہ آرزو مندی، حسرت، تعمیر اور دفعت، فکر کا نظام مرتب ہوتا ہے۔ یہی کہہ ان کی عظمت، ذہن کی دین بھی ہے۔ ان ہی چار عناصر کی شواہد آئینہ نش نے غائب کی فکر اور ان کے ذہنی افکار کو اپنے عہد کی زمان و مکان کی قید سے بالا کر کے اس آنے والی ساخت کا نقیب بنا دیا جو آج ہمارا عہد ہے اور میں کی فکر و فکر کا بنیادی محور انسان دوستی اور مصلحت اور حوادث کے اسباب و محل کا سائنسی شعور مادی رشتہ قرار دیا جائے۔ چنانچہ جب ہم آپ غائب کا یہ مطلع دہراتے ہیں۔

ہوئی مٹت کہ غائب مر گیا ہر یا د آتا ہے :

قواس یاد کے صرف ایک ہی سنی ہوتے ہیں کہ غائب آج بھی ہمارے بنیادی عذیب، اور جنیل اور فکر کی تمام شعوری، عیناتی، روایتی اور اجتہادی کوششوں میں اسی طرح ہمارے ہم سفر ہیں جیسے کہ وہ اپنے عہد کے شریک سفر تھے۔ اس اعتبار سے غائب کی ذہنی عظمت ایسے اجزائے تشکیل ہے کہ ہر عہد کا نظام فکر کی بڑھتی اور کھینچتی ہوئی دستوں میں ان کے فکر اور شعور کی تازگی بڑھتی ہی رہے گی۔

دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں (صفحہ ۱۱۸ سے ۱۲۲)

مجھے اپنی تفصیر کا احترام چاہئے ہے۔ اور کوئی نہیں پھر شرمندہ ہوں۔ میں پدمائی کے جوشے دھوے کے بجائے صدف دل سے شرمندگی اور انفعال کا قصہ کہہ رہا ہوں۔ اسے تو شوق قبیل حاصل ہوگا اور تیرا پدمائی کا دعویٰ طرح طرح سے اُڑھا ہوگا اور مردود قرار پائے گا۔

۱۶۵ گر ننگ و گرم فہر ماتی وہی تسلیم کیا

شغلہ خن میں بھیجے خونِ رگ میں نہاں ہو جائے گا

محبوب محبت کے تیرہ سے بزم ہوتا ہے اور گرم میں غائب اور غصہ کی نظروں سے عاشق کو منہ کی تسلیم دیتا ہے۔ عاشق کہتا ہے کہ اگر میں دل ہی دل میں آتش مشق چھپائے رہا تو میری رگوں میں خون نہاں ہو جائے گا۔ میں رگوں میں جو غصہ ہے وہ بھی غائب ہو جائے گا اور رگوں کے اندر بھی نظر نہ آئے گا۔ اور میری حالت خن کی طرح ہر بارے گی جو سفلہ چھپائے رہتا ہے، جس کے اندر غصہ کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اور وہ اسے منہ کے کہتا ہے۔ غصہ جیسے "اپنی جگہ سے ہٹا ہوا ہے۔ جو دوسرے معنی کے لحاظ سے وقت" جیسے "ہر جوتا چاہئے اور بکھر کے لگا دے۔ خون" پر ہوتا ہے اس لئے کہ یہ تسلیم پیدا ہوتی ہے، ہر حال "نہاں ہو جائے گا، کا خاں۔ خون" ہی ہو سکتا ہے، اس لئے کہ تسلیم غصہ عاشق کو دی جاتی ہے اور اس کا اثر اس میں ہوتا چاہئے کہ خن میں خن میں تو شغلہ نہاں ہوتا ہی ہے اسے صرف مشق پہنر دیا جاسکتا ہے۔

## سحر انصاری

# غالب کے تین نقاد

(حائے، سخنوری، لطیف)

حاکم کی بیانیہ تنقید میں، یادگار، غالب، دھڑلے سے لڑنے والے ایک خاص مقام حاصل ہے۔ مشرقی مذاکرہ نویس میں کارفرما تنقید کی شعور کو مغربی تنقید سے ملحق اور اس میں اس سے ہم آہنگ کر کے حاکم نے ایک نئے ذوق اور حساسیت کی بنیاد ڈالی ہے۔ مقصد، طریقہ اور اسلوب دھڑلے میں حاکم نے شاعری کے بارے میں جو بنیادی خیالات کا اظہار کیا ہے اس کا اطلاق یادگار غالب کے بعض حصوں میں ایک نئے انداز سے لگایا ہے۔

غالب کی زندگی اور فکر و فن کے مگرشے، اس کا تحقیق کی روکھنی میں ہے نقاب ہوتے ہیں، ان کے چہرے نظر یادگار، میں کی خامیوں کا احساس ہو سکتا ہے اور جدید تنقید کے کئی معیارات میں حاکم کی تخلیق پوری نہیں اترتی ہے لیکن حاکم کو غالب سے جو نسبت ملتی اور جس طرح انھوں نے غالب سے ان کی امداد اور ناکسی عزائم اور بھانجے معانی و مطالبات کے ساتھ ساتھ ان کی اور میں ان کی نسبت انھیں غالب کو تنقید سے دیکھنے کا موقع ملا اس کی روشنی میں حاکم کی یادگار کو ہمراہی ہے ایک اہم اثر اور جو بنیادی تنقید کی حیثیت حاصل ہے حاکم، غالب کے پہلے نقاد ہیں جن کے یہاں غالب کے کام کی کئی چیزوں اور دستوں کا احساس نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ یعنی غالب کی مزاحمت اس کے اندر بھی ہو رہی ہے۔

حاکم نے اپنی خود نوشت سماج میں سمجھا ہے کہ انھوں نے غالب سے ان کی فزلیں اور فانی تمام دھڑے سے اس طرح بغیر انھیں غالب کی سخن فہم اور اشارہ کی جہد، جدوجہد تک زمین کھلے جانے کی سعی کا انکار نہیں کیا۔ یہاں سے حاکم نے اپنی جس خصوصیت پسندی، اسادگی اور معاشرے کے ساتھ غالب کے کام کی خوبیوں اور ان کے عناصر ترکیبی کی طرف اشارے کیے ہیں وہ انداز کم نقصا دہی کو تعبیر ہے۔

یوں تو عمر، مشق، دھڑلے، فانی اور نگہداشت کے عوار و غش سے حاکم نے ایک خاص انداز میں زندگی گزار دی۔ یہاں سے حاکم نے اپنی کائنات کا تذکرہ نظر آتا ہے لیکن جس انداز سے حاکم نے اپنی یادگار غالب کو لکھنے اور لکھانے کی کوشش کی ہے، اس کی مثال اس سے پہلے نظر نہیں آتی ہے۔

جدید تنقید کی اصولوں کی روشنی میں حاکم کی یادگار میں کچھ مشابہتیں نظر آتی ہیں مثلاً حاکم یہاں غالب کے ذہنی اور نفسی اور لکھنے اور لکھانے کے تجربے کرنے کی کوشش نہیں ملتی ہے لیکن حاکم سے یہی تھیں میاں کا مطالبہ کرنا ضروری ہے۔ البتہ غالب کے



اجتماعی کلام اور ادب کی ابتدا ان روشن ہواؤں سے ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم کے ان لوگوں نے غائب کے اسلوب اور شعری احساس کے بہت سے نکات مدخل تھے لیکن وہ صرف اجمالی طور پر ان کا اظہار کر سکے۔ وہ اس حقیقت سے بھی غور نہیں کر سکتے تھے کہ غائب کی شاعری حیرت انگیز اور آتشیں جہازات اور آتشیں کسکس اعتبار سے مختلف تھی۔ وہ غائب کی شعری مقبولیت اور ایک شیعہ بنانے پر مدغم مقبولیت کے اسباب بھی جانتے تھے۔ انھیں غائب کے خاص مغزات کا بھی اندازہ تھا۔ مثلاً یہ اسی نے انھوں نے غائب کے اجتماعی کلام سے بھی جزوی بحث کی کہ یہ کچھ کسان کے خیال ہیں اس سے غائب کی "اجنبلیٹی اور غیر معمولی ایک کاما طرح اور سوانح شکیبہ؟"

عالم نے اپنے مخصوص انداز میں غائب کی شاعری اور انشاء پر دانسی کی غیر معمولی استعداد کو ساماناً نقداً تسلیم پر واضح اور قریح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس میں میں انھوں نے ذہن غائب کی فارسی اور اردو و نظم و نثر کے نمونے دیکھے ہیں بلکہ پیش رو شعریات ان کے کلام کا سبب دیکھی کہ یہ نظمیں انگریزی، عربی اور فارسی شعریات میں بھی اور انہیں ان کی نظر سے ملتا دیکھا؟ "یادگار غائب" میں ذہن پر بیان ہے کہ ایک ایسا نمونہ شکیبہ بیکر جیسی واقعات سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ خود غائب کے سامان ادب کی شاعری اور نثر کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے۔ عالم نے اس اعتبار سے دو پر کام کیا ہے جو ان کے سامان غائب کے کسی اور وقت کے بیان اس اعتبار کے ساتھ نظر نہیں آتا۔ یعنی ایک تو انھوں نے اس تنقیدی شعریات کے بل پر دم مصیبت، غائب اور سرسبز ماحولیت یا خلاصہ غائب کی نظم و نثر کا اندازہ ہاں وہ ایک خاص ذہنی شعریات کے لیے اثر غائب کی نظر اور نثر کا ایک تشریح کی دوسرے اپنے رائے کے ساتھ ساتھ غائب کے سامان کی رائے کو بھی مابین کتاب میں بیان کر دیا۔ اور سامان رائے کی اہمیت ممکن بیان نہیں۔

اس طرح عالم نے "یادگار غائب" میں کلام غائب تک رسائی حاصل کرنے کی جہاد دیکھا ہے۔ اس پر کسی دیگر محققان سے آج تک ہمارے ناقدین کا مزہ نہیں۔

عالم کے بعد غائب کے دوسرے نام تھا ڈاکٹر عبدالرحمن بخاری ہیں۔ عالم کو جانتے ہوئے ادبی مذاق اور تنقید سے مستعدان کا بخاری اندازہ ہو چکا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ "انھیں شریح کی قوت غائب کے کمال کی گئی ہے اور ہمارے شریح نے اسی کی بدولت کہ غرضت کے قدم چھنا شروع کر لیے۔ لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ "جب تک لوگ یہ نہیں سمجھ گئے کہ ہم کہ انھیں شریح سے کلام کی باقی انداز کرنا چاہئیں اور اپنے قدم مشرقی شریح سے کیا کہ سن میرا ہائے اس وقت تک ہمارا شریح اصل قوت سے محروم ہے گا۔"

غائب کے شعریات مشرقی شریح سے جتن پتے اور انھیں شریح سے اندازہ امتداد کی مطابقت کا شعر و سب سے پہلے ڈاکٹر عبدالرحمن بخاری نے لپکا کی۔ وہ عربی، فارسی، اردو، انگریزی اور اردو نثر کے لیے عرب کے ادب اور انکار سے بہرہ داشت دان تھے اور ان کو اپنی ذات اور اپنے مزاج کا حشر ماننے کا اگر انھیں خوب آتا تھا، ان کا شریح بننے کے لیے احساس جمال اور مطالعے کی وسعت کو اپنے تجرباتی شعور اور فطرتی اسلوب نثر نگاری سے ہم آہنگ کر کے غائب کی ایک نئے راستے سے اردو دنیا کے سلسلے پیش کیا۔ تذکرہ کے زیر اثر ایک دم چلی آئی تھی کہ غائب کو سامان شاعرانہ سے غزل میں نظیری اور تصانیف عربی و فارسی کے ہم پلہ قرار دیا۔ اسے بخاری نے ختم کر دیا۔ انھوں نے پہلی بار مغربی شعرا کے ذہنی افق سے غائب کی نظر اور اسلوب کا سبب دیکھا اور اس طرح ایک نئے راستہ ان کے انداز نگاروں سے جس کو بخاری نے شعریات و ادبیات شعور کو متحد میں شامل کیا۔

عرب کے بعض اعلیٰ ائمہ عربی اور انشاء پر دانسی کی طرح بخاری نے بھی "عالم" کے عقیدے کا بھر پور جوش و احساس کلام غائب

کے نام سے کتاب کی صورت میں شائع ہوا۔ چنے گئے، بہار و ماسع، مختصر اور مفصل، انسانی آغاز کیلئے، ایک جمالیات، علامہ سید احمد علی گزدر نے شیعہ اسلام نے مجوزی کے ساتھ اس کا قابل ذکر یہ دیکھا ہے۔ عربی علوم کی بحث میں جس طرح دوست کے "سماجہ عربی" کی پہلی طرح "انسان کا دنیا بولتے ہیں" سے دھڑکے ہوئے یا برعکس، سہنے کی یاد و انتہا نادر جامعیت کے باعث اب تک ان سنت بار و ہزار کیلئے۔ اسی طرح غائب کے میدان میں مجوزی کے "سماجہ کلام غائب" کی اس پہلی سحر کار بار بار اٹھ کر پڑھیں اور متعدد نقادوں نے موضوع بحث بنایا ہے۔ "ہندوستان کی اہالی کتابیں ہیں۔" مدرس دینا اور دیوان ملک

پہلے کے اہالی کتاب کاغذ خود غائب کی اس رباعی سے پیدا

ہوتا ہے جس میں غائب نے اپنے دیوان کو زمین تنہی کی کتاب انجمن اسرار دلیہ سے

گرفتار سخن بہ دہر آئیں ہر دے

دیوان مرا شہر سحر پرورد ہر دے

غائب اگر ایمان سخن دہی ہر دے

آں دین را بنزدی کتاب ان ہر دے

جس طرح ان جانی نس (LONGINUS) کے زیر اثر اشارہ جوی مصری میں ملی گئے "SUBLIME" کا مفہام مروج اصطلاح بن گیا تھا اسی طرح غائب کے کام کے لئے "اہام" کا اصطلاح مجوزی کے بعد بہت عام ہو گئی ہے۔

عبدالرحمن مجوزی نے ابتدا میں غائب کے کام سے بہت کرم و قرا اور صافی و بیان کے بارے میں جو خیالات لائے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تخلیقی عمل کو بلا کسی اصول کا پابند نہیں رکھتا ہے اور نہ کہ خود تحقیق کر رہے ہیں اس لئے اصطلاحات اور مروج اصولوں کی جانب ان کا رویہ قدرے آزادانہ اور فری ہے۔ انھوں نے "سماجہ" میں کیا سب کچھ دیکھ لیا ہے، "غائب کا کام قریباً ان کی پابندی نہیں ہے۔ ہر قرا اور کام ہے کہ ان کی پابندی کرے۔"

ڈاکٹر مجوزی نے غائب کے ادب کا اگر مطالعہ کرنے کے بعد اس کی نگراں اس کے الفاظ کے کلمات کوئے اسماں، جلال کے ساتھ اپنے الفاظ میں پہیل کیلئے۔ ڈاکٹر مجوزی نے موز کے قدیم و جدید اسرار شعراء و مفکرین سے غائب کا سوانہ کیلئے لیکن انھوں نے آخری ہی طرف توجہ کو جو کافوں اختیار نہیں کیا۔ بلکہ شروع میں ہی انھوں نے ادب کے خیالات کو مغربی طرز پر جاننے کی مخالفت کی ہے۔ انھوں نے دعا میں اپنے مطالعے اور منزل ادب سے اپنی انجمن کے سہارے دراصل وہی فرزند تیار کیلئے جو حاکمی نے "یا خمار غائب" کے دوسرے صفحے میں اختیار کیلئے، یعنی حلقہ اب و مٹھوا سے سوار نے کے ساتھ ساتھ غائب کے اشارہ کی اپنے اندر میں تشریح۔ "انجمن حاکمی کے اس عمل کی مجوزی نے بہت آگے بڑھا دیا ہے۔ عبدالرحمن مجوزی نے کلام غائب کی تشریح اور ترمیم کے دوران فلسفے کا علاوہ طبیعات اور علم متاخر و مرید کے اصول سے بھی اپنے موصوفہ کو بڑے دلچسپی پہلے میں لائے ہیں۔ اور دعا کیا کہ کیا یا وہو کا کہ سامنی اصطلاحات اور سامنی اصولوں کے ذریعے تنقید کو وسیع بنانے اور بعض انسانی تجربات و مشاہدات کی تفسیر کا یہ انداز پہلے دراصل عبدالرحمن مجوزی نے اور تحقیق میں شامل کیلئے۔ چنانچہ ان دنوں کے تنقید اور تنقید کے نثری سامان سے بھی انھوں نے "سماجہ کلام غائب" میں بحث کی ہے۔

مجوزی کے اسلوب تنقید کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ وہ فلسفہ ادب مباحث کے لب لباب کو یک دم سرفراہ جان کرتے ہیں اور

پھر اس سے ایسا ایک نتیجہ خود بخود نکلتا ہے اور اس طرح فائنٹ کی گوارا دہندہ کے باہمی بحثوں کے سرایت و رموزیت سے ان کے غلام ہیں۔  
افسانہ کہتے ہیں۔

ڈاکٹر بجنوری نے بعض نقادوں کی طرح اپنی تنقید کا مادہ دو چاند کے لئے خاک کی اہمیت کلم کوٹنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ اس دور  
شاعری کے تشبیحات و استعارات کے ضمن میں جب انھوں نے شعراء کے "کیریکے" تحریر کیے ہیں تو انھوں نے ان کی تائید و توثیق  
کی حمایت میں خود حال کا قول بھی نہیں کیا ہے۔ انھوں نے کمال کو اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ عاقل نے مون فائنٹ کے کام کی فنی و نیا نیا پتہ دکھایا ہے  
اور حقیقت میں مولہ اموال کی طرف فائنٹ سے کہ کم مستحق داد نہیں ہیں۔

ڈاکٹر بجنوری کی ان خام ترغیبات کے باوجود یہ بات چند کسبیدہ اذکار کو بھی نہیں لگی کہ انھوں نے بعض اوقات اس بات سے  
فائنٹ کے سوانے کی رو میں کی جگہ مون نام خود دینے میں اور صحیح معنوں میں اس بات کے کافور اذکار پیدا نہیں کیا ہے۔ پھر کہیں کہیں ذہنی  
بیان اور قلیل کی رو میں آتے آتے کلمے مل جاتے ہیں کہ آخر میں تنقید سے زیادہ انسانی اور داستان کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے اور کلمے بھی  
ہو کر جیسے وہ قرائن پرستوں، جنس ہے جو صنعت کے لئے مخصوص حلقے افراد کے ذہن پر قائم کیا تھا۔ شاید اس لئے بعض نقادوں کو بجنوری  
کی تنقید کس حد تک جذباتی معلوم ہوتی ہے۔

ڈاکٹر سید عبداللطیف کو فائنٹ کے "مثنوی" کا دورہ حاصل ہے حالانکہ اگر وہ اپنی نقد و نظریات میں کمر و زنی اذکار اختیار کیا جائے تو  
معلوم ہر کار فائنٹ کے مطالعے کو آگے بڑھانے اور فائنٹ کے شاعری کی نئی راہیں استوار کرنے میں لطیف کی کتاب "فائنٹ" نے ایک نمایاں  
منصب ادا کیا ہے۔ ڈاکٹر لطیف کا اس کتاب کا تحریک ڈاکٹر بجنوری کی محاسن کاام فائنٹ کی ابتدا کا مسودہ ہے۔

میر خیال ہے کہ ڈاکٹر لطیف نے جب اپنے یہ ایچ ڈی کے تحقیقی مقالے دیں انھوں نے اس آدھ عقلی اور پیر آن اور ادبی تجربے کی تیار کی  
تھیں۔ ان کے تحقیقی سرے پر نظر ڈالی ہوگی تو انھیں بجنوری کا قریب استدلال غیر معتدل نظر آئے گا۔ چنانچہ انھوں نے جن اذکار  
پر بعض اذکاروں کی طرف سے مطابقت نظر کیا اور بجنوری معتدل رحمت سرائے کے خلاف ایک حق بجانب منہ سے احتجاج بند کر دیا۔

ڈاکٹر لطیف کی مختصر کتاب "فائنٹ" مطالعہ میں جذبات انگیزی کی شائع ہوئی تھی اور مطالعہ میں سید میں ان کے فنی و فنی کے اس کاتر  
شائع کر دیا تھا۔ ڈاکٹر لطیف نے صاف احوال میں وضاحت کر دکھائی کہ ان کا مقصد فائنٹ کی اپنی کو معلوم کرنا نہیں بلکہ اس اذکار تنقید کے  
حلقہ ایجاد کر کے جوئے نقادوں کو یہ راہ دکھائی جائے کہ وہ فائنٹ کا خیال ہے کہ فائنٹ کے نقادوں نے اس وقت تک بعض  
حلقہ ایجاد کر کے انھیں کی طرف سے کام کیا اور ایسے اذکار ہیں۔ مطالعہ حیرت کا اظہار کیا جو مسطر منہ صحت سے ہرے یا شاعر کے اسلوب اور  
طرز سخن کی فنی و فنی کی طرف سے کام کیا۔ جس سے بھی اس کی مدد میں سہا ملنے اور اس کے شاعر اور اس کے دیگر اذکار کی کی خصوصیت کو جاننے  
کی کوشش نہیں کرتے۔

اس مختصر کتاب میں ناموں کی صفحہ اندازہ درست قرار دیا گیا ہے۔ دے لیل اور طبع اور جمل اور اسٹور گینے، نام ہر  
جگہ سے، رومی، مہار و معتدل دی مہار، اور لیل، حیرت، رنگ، اوجس، و شکیبہ، اور اس دور سے کاٹا اہم ہیں۔ اس کا خیال  
ہے کہ اس کے قارئین اس سے کچھ سیکھ سکیں، دے صحت، تاج، ہر مثل، لیلے اور رساں۔ بجنوری کے اس اذکار کی کوشش نے  
مسطح یا مختصرات کی ہیں۔

ڈاکٹر لطیف نے مآلی اور بختوری کو فنا گیت کے اہم ترین نمونہ قنصلہ میں تسلیم کیا ہے لیکن اس کا احترام یہ ہے کہ مآلی اور بختوری فنا گیت کے گچے مینے علم فضل کو تو طلب کیا گئے۔ لیکن خود فنا گیت کے ذہن و کمال کی مکمل تصویر نہ گینے سکے۔

ڈاکٹر لطیف لکھتے ہیں کہ بختوری، مآلی دونوں کے فرق میں ایک بڑا عجیب و غریب فرق ہے کہ ایک آدھ شعور و جذبہ کمال لیتے ہیں کہ فنا گیت ہیئت، دامن و فلسفی، دماغ اور عاقلی بھی کچھ نہایت

اسی قسم کے دوسرے اوجہ و مناسبت کے بعد ان کی سمجھ سے مکمل طور پر ہٹا کر محض جبریت ہے۔ ڈاکٹر لطیف نے دو اصول بیان کیے ہیں۔ ایک تو یہ کہ فنا گیت پہنچا نہیں جونی پہنچنے کا کہ محض عقیدت میں قنصلہ نکل کر ختم نہ ہو جائے۔ دوسرے فنا گیت کی عظمت کو گننے کے لئے فنا گیت کے ذہن و کمال کی صحیح طور پر جانچ کی جائے۔

اس کام کی وقیفش ڈاکٹر لطیف کے سلسلے میں لیکن یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ خواہ وہ خود اس کی عقلیں دیکھ لے ہوں لیکن خود نے فنا گیت کے سلسلے میں کام کرتے ہوئے اس کی ایک مستقل راہ فروغ کیا ہے سچا پہلی بات ڈاکٹر لطیف نے یہ کہی کہ مکاتیب فنا گیت کی تاریخ وادب ترتیب فروغ ہے اگر فنا گیت کے واقعات زندگی مضبوط کے ہاسکیں یعنی انھوں نے مکاتیب فنا گیت کو حیات فنا گیت کا سب سے اہم اور قیہ فاخر کہا جتا پند ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا غلام رسول تھراوی نے شیخ اکرم نے مکاتیب ہی کو اپنی کتابوں کا بیڑا بنایا ہے خواہ شریعہ یا لہجہ۔

ڈاکٹر لطیف نے پہلی بار فنا گیت کے دیوان کی تاریخ وادب ترتیب یہ نوادہ لکھا کہ اس بات کا پتہ چلا ہوا ہے کہ گزشتہ سنی غزل گیت انکس اصول میں بھی گئی۔ ڈاکٹر لطیف نے علم و کام فنا گیت کے مسائل کا اعجاز، گلے کے لئے سب سے پہلے شاعری سے وابستہ مسائل کا جائزہ لیا اور بیگل، کاروان، اویلیڈ، زار، قلی، سٹنی، شاد، پٹیلی، اور دوسرے، اسکی اپنی، وٹیلی کے خیالات، کہہ دیکھنی ہی شاعری کے اس فن وادب کے خارج کیا جس پر وہ خود بھی یقین رکھتے ہیں پھر انھوں نے فن کمال اور علم وادب کمال سے الگ الگ بحث کی کہ خاص اور دو جانی سنا عربی کے قنصلہ نیز تحقیقی سرودی شاعری یا خیالی سرودی شاعری، رزم اور قطعی شاعری کے انکس کا جائزہ لیتے ہیں ان کی روشنی میں یہ جانکیں کہ فنا گیت کی شاعری کس میں ہیں لکھی جائے۔

ڈاکٹر لطیف نے شاعری کو یہ لکھنے کے چار اصول وضع کیے۔ اجتماع الیہاں، اظہار الشعور، تعقبات شعر، تنغیم شعر اور صورت شعر اور انہیں ان کے فن وادب کے قنصلہ فنا گیت کی شاعری کا جائزہ لیتے ہیں۔

فنا گیت کے باب چہم میں لطیف نے پہلی بار اس امر کی ضرورت کو واضح کیا کہ زندگی کے حلق فنا گیت کے ذریعہ لکھو، غلامی، اخوت، شخصی وایمانت ہے انھیں ان کی نے انھیں ناقدری کی شکایت اور مالی پریشانی، شہب، وطن پرستی، صفیا، درنگ کا جائزہ دیا جائے ڈاکٹر لطیف کی تقریر فنا گیت میں جو چلنا روشن ہوئے ہیں ان کی مکمل ہی اصولوں کی مرہون منت ہے اور اس کا احترام دیکر لیا وادب ڈاکٹر لطیف نے سب سے پہلے سب ذیلی مسائل کی جانب فنا گیت صفحہ سونے کی قوم مبذول کرائی۔

۱۱، دیوان فنا گیت کی تاریخ وادب ترتیب

۱۲، غزل فنا گیت کی مکمل ہی وادبات کی چھان بین۔

۱۳، سراج کی تاریخی ترتیب

۱۴، فنا گیت کے استاد وعبادہ کا مسطور

۱۵، ہم عصر ادب ایک اہم نامہ جو سکا ہے۔ قاضی الشافعی، محمد برہان، محرق قاضی، سامع برہان کے علاوہ میں کا ذکر ہو گا کہ کہا ہے

## فی اکثر انعام الحق کوثر

# غالبے و ناطق

مرزا غالب ۱۲۱۳ھ / ۱۷۹۷ء — ۱۳۵۵ھ / ۱۸۶۹ء کی ایک معروف معشری و ادبی شخصیت تھے جس میں انھوں نے ایک مزیدار کہانی بیان کی ہے کہ ایک عورت کی یہ دعا تھا کہ جو اس کے بچے کو دیکھے۔ جہاں جاتے ہیں اس کے بچے کو دیکھ لے اور اس نے اپنے شوہر کو دیکھا اور دیکھا۔

عبدالحی شمسیت و انصاف شمسیت

رنگ پر خوار و عصمت شمسیت

پہلے شوہر نے اس کی بے وفائی کے شکستے ظاہر ہو کر وہ دعا کی اور وہ سنائی ہی گئی۔ اس وقت پہر مرزا غالب کہتے ہیں۔

فک شدہ شوہر زود سا ذکر

باسم و و عریہ آفت ذکر

اس پر مرزا غالب کے ایک ہمعصر گل محمد خاں ناطق کراچی دہلی ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۷ء نے اپنا خیال ظاہر کرنے کی جرات کی۔ یہ صاحب خط کراچی سے شوق تھے۔ انھارہوی مدی کے آثار ادا شیریں مدی کے شریعت میں وہی اپنی خدا داد و دنیاقت کے جوہر دکھائے۔ پھر سندھ کا رخ کیا اور اس سے ہندوستان پہنچے اور اودھ کے کشن پور اور دہلی کے شہزادہ اور دہلی کے شہزادہ اور دہلی کے شہزادہ کے دیار سے شوق ہو گئے۔ وہیں سے گیا ہوں۔

عبارت جانب ناطق سدا ہی خاک مکران کا کرمین ہونے اپنے دل نہ گشت ہندوستان بزم

ای عزیزای وطن دست بگوشید از من کہ گشت ہند و سہزاد گاہی پریشانی

نکستہ ہی سے انھوں نے مرزا غالب کو خط لکھا جس میں اپنی زندگی کے حادثات اور واقعات کا ذکر کیا ہے۔ دہلیوں اور دہلیوں کی اس بے بسی اور مردہ دلی کا شکوہ کیا ہے جو وہ فنکاروں اور ادیبوں کے طمع حواس سے بے نیاز تھے۔ خود کا افسانہ لکھ رہے تھے۔

۱۔ کہات غالب۔ چاپ نکتہ ۱۹۲۵ء صفحات ۷۱ تا ۷۹

۲۔ شمسیت النبی۔ محمد رفیع من خان۔ جہاں ۱۹۶۴ء صفحہ ۴۷

۳۔ جوہر مسلم۔ نکتہ ۱۳۷۷ء صفحات ۳۰ تا ۳۹



نہیں آتا۔

ایک خط میں ناخن دہلی والوں کی یوں توصیف بیان کرتے ہیں: "دہلی دہلی کا صدور و رجائے ہمایں ویاہرہ سالن داشت  
ایمانت قدر شہناش با اینہر گواہ ذاتی و دبارہ مایہ طرفہ داشتند و ہر قدر قد و دان کا لستے کا سہم بوندہ"  
مرزا غائب کے وہ خاکسار غلط جو ۱۸۲۹ء سے ۱۸۵۲ء تک لکھے ایک پیش پنا آخر دیں۔ اس سے مرزا کی کوششوں، مصیبتوں  
اور ان کے اعمال کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ ان غلطیوں وہ احباب کو پنا دیکر اساتذہ ہیں۔ ناخن کرانی کے غلطو میں بھی کم و بیش بھی افسانہ ہے  
مگر مرزا غائب ایک خود بخود لکھتے ہیں۔

"ہنگامہ ویاہرہ کجی ہر دو یک طرفہ و غوغائے دام طراپان دیکسو۔ آشوبے بدیدہ آہ کہ نفس ماہ لب و لنگاہ و نہ پشیم فرخش  
گرد و گنجی بدی روشنی روشن دل و ترقہ و آراشد۔ بلکہ ازمنہ دوخت و چشمتے از غوغای فر و لبست جاں و جاں شگلی و عالم عالم شگلی  
با خود غوغای از بیجا و روزگار ناکی و سیدہ و دم تیغ ناکی بہ کھنڈہ کسے م"  
ناخن کے ان قرضوں میں ہوں کا انتظار دیکھئے۔

"ہر گاہ کہ از غوغای خان حکمران اقبال ہو و دیگر قوم از دام قرض غوغای بیشتر می شود و کوشاید جزای آئندہ باشد و کاشاید  
بہر نعم و شرف مدد و مدد فرمائیے۔ چند سال ہی گزر و کہ بظاہر میں مرزا کا نظم و شریہ ختم و دیگر حرات ہیزی خند و ختم ہاں  
مسرت است کامر و خدمت کوشت غوغای کا ہش جسم و جان می نماید اگر ایچہر و ملا سوز پنا کردہ بودی این مایہ ناست با گردی"  
مرزا غائب اور ناخن کرانی قبیعت کا اہل رسالت کو خوب بھانپتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ قبیعت کو غوغای کی طرف لاؤں  
ہنگامہ لکھتے تھے۔ چنانچہ وہ نصیب پر لیا وہ اور دیتے ہیں۔ اور اس لئے مرزا غائب کے بعض قصائد توصیف خدا، اسے اور شہادت پرتی  
ہیں۔ ناخن کرانی بھی کم و بیش اسی اعجاز پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ قرآنی مشیر آدمی کی طرف دونوں قصائد میں اپنا ذکر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔  
انہیں اپنی ذات سے فاصلہ قائم ہے۔ مرزا غائب نے آخری قصیدہ خود اپنی تعریف میں لکھتے ہیں اس خطبے سے

از کھون نشانی نمی خواہم

غریب را بہر گمان نمی خواہم

غائب اپنی اور مسدود کی تعریف کو ہم آہنگ کہتے ہیں جیسے

مرا بہ شیعہ جاودہی ہماں محال

قرا بہ پایہ مشاہدشیں عدلیہ

ایک نصیب میں اپنی خوشنویسی کا جائزہ دیتے اس طرف سے لیتے ہیں۔

مرا بہ دست بریس کو چہ گرفتاری

بہ آخری کلمہ آسان قبول یعنی سکن

ز دلویان سنگوغا کوی ملازمین جوی

جو ذلت جو بہر تیغ بود بہریشانی

کشاہ روی ترا و شاہان بادشاہی

کو پیشہ نمود یا یہ گمراہ ہمارے

نشاہ لغز و لذت مہنگو خوارے

جو چشم ناز کو بکیشم رسد و ہمارے

فاکب اسی طرح بنا کر چھوڑے ہیں

دیں زاد میں آں شاعری و نشان یافت  
نغمہ میں پسند و رفت و راجب و

آن بلیغ کو گرچہ سرمد نفاں  
آن گلشن کو بادہ طبع مستم  
آن قلم کو کہ بالادار و جود نویسی  
آن شاعر کو شہرت طبع جہان گرفت  
از ہر دولت آتش موسیٰ خود عیان  
بخشد کردہ چو آتش جیسوی روان  
ہر قدر ماضی نشان دم از بکر بیکان  
چون میت کام بخش و خورده نشان

مرزا فاکب کی طرف فائق کو ان کی شریفی کا اندازہ دانی کی حکایت موجود نہ جانے بلکہ اس کی جھلکیاں غریب کلام میں بھی ملتی ہیں مثلاً

فاق نشد بجز کفنی ماصلم زو حیر  
آن ہم ہنر و گوئی گوئی گرفت

صدر حق مد گذر نغمہ ظاہر دلی  
چننا مسد حج بہانیم دلی ہیضہ دیم  
فاقن از غلبہ کم قیتی نویسی چہر  
یا بھر آقن کو ابل و خیال اور وطن کی یاد ملا ہے۔  
از سب بختی ماسر نشد ماضی ما  
کو ہنر و دست زنگار بود جو ہر ما  
آب شد باد و گر گر ہر یک واد ما

گاہ و گاہ نام از دست افکار و خیال  
غفر کن جسرم نالہ ام میتاد  
عزیز ہنر و گد نام وطن را فاقن  
گاہ و گاہ نام از دست افکار و خیال  
کادیم یاد از آشیاد نویسی  
بازید از ہنر جالغہ کو بسطی ہست

مرزا فاکب کی مانند فائق کو ان کی زندگی کا اصل رنگ غم ہی تھا ان کی زندگی میں صرت اور اس کے قریب نہ ہو رہیں۔ ان کے یہاں غم مستقل اور عین حق ہے اور ان کی زندگی کا ماحول بھی ہے وہ اپنے گھیرے میں ایک غم جو کم کی لذت پسری کی ہے مثلاً

دشتا بداییل از دشت غم پر سربا  
شروعی دور کہ غم دل ماسود دست  
فاقن مطلب محبت راحت فلہان را  
نست جنت اگر نذر مذاقم سازند  
سربا و دشت غم جان چہ دور ما  
دش و شیشم جہت مرہم دور دست  
بجز زود کہ غم زبان زود نیست  
ذوق اندہ و تو ماشا کو فرسوسن کم

فاقن فاکب کی مثل غم کو سوزنا بھی ملتے ہیں وہ گنگوڑ گنگوڑا میں کالی کی چمک دیکھتے ہیں۔ چنے فاکب کے دو چار شعر کا خلاصہ لیتے ہیں فائق کا اظہار دیکھئے۔

عذر از زہر پر سینہ آسودگان غالب

چہ منتہا کہ ہر دل نیست جان ناخکیا را



ای کہ پدیدہ نم ز دست و کار سبز غم ز دست

پیش غم کہ ہم ز دست غم ز دست و می دہد

غم کہ ہم ز دست و کار سبز غم ز دست	داند و غم ز دست و کار سبز غم ز دست
آفرین غم ز دست و کار سبز غم ز دست	آفرین غم ز دست و کار سبز غم ز دست
تضا و کار سبز غم ز دست و کار سبز غم ز دست	تضا و کار سبز غم ز دست و کار سبز غم ز دست
مکید و کار سبز غم ز دست و کار سبز غم ز دست	مکید و کار سبز غم ز دست و کار سبز غم ز دست
کار سبز غم ز دست و کار سبز غم ز دست	کار سبز غم ز دست و کار سبز غم ز دست

بیا بہ ملک است و بہ بین ناکھن

بہ شای علی نین سائن برین رانی

کرم و چکل شہباز غور و خیاں

خدا بہ ہم ز دست و کار سبز غم ز دست	خدا بہ ہم ز دست و کار سبز غم ز دست
عاجز غم ز دست و کار سبز غم ز دست	عاجز غم ز دست و کار سبز غم ز دست
غور و خیاں غم ز دست و کار سبز غم ز دست	غور و خیاں غم ز دست و کار سبز غم ز دست
مد و غم ز دست و کار سبز غم ز دست	مد و غم ز دست و کار سبز غم ز دست
آن ہا غم ز دست و کار سبز غم ز دست	آن ہا غم ز دست و کار سبز غم ز دست

بہ و در میان ناکھن کے غور و خیاں غم ز دست و کار سبز غم ز دست

غریب کہ تیر و غم ز دست و کار سبز غم ز دست

یک غم ز دست و کار سبز غم ز دست و کار سبز غم ز دست

دور و غم ز دست و کار سبز غم ز دست

دور و غم ز دست و کار سبز غم ز دست

بعض غم ز دست و کار سبز غم ز دست

قائب ۱۔ بہ شای علی نین سائن برین رانی

تائب ۱۔ بہ شای علی نین سائن برین رانی

قائب ۲۔ بہ شای علی نین سائن برین رانی

تائب ۲۔ بہ شای علی نین سائن برین رانی

قائب ۳۔ بہ شای علی نین سائن برین رانی

ناگن :- دہائشی میں پیارہ مادل انار دست

غائب :- دہکے گا از بکر سوختہ بڑھو

ناگن :- اندیشہ خدا زولم آن دلی گوئی

مرنا غائب نے کہا تھا

دوست غلامی میری مری فراموشی گے کیا

زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بھرائی گے کیا

ناگن گویا ہوتے ہیں

وقت زود رو بسکہ دل زار میں گرفت

ناخن زودم جہاز اگر ہر مشدہ گرفت

غائب :- میں بھی دک دک کے نہ مریا جو جھانکے دے

دشمنہ اک تیز سامی تارے طواء کے پاس

ناگن :- مائی دولت جانی نیم بسل دیسی

میزم زہن باز پرستی کو با شدہ ہیں مرا

بقول غائب :- کے تیر کماں میں ہے د مینا د گئی ہیں

گھٹے میں نفس کے گئے آ نام ہم ہے

بیدل نے کہا تھا

بزم گمائی سسلا غمین نواں یا نعتن

دور نہ اندھ دانا باال علقا آفس اسد

ناگن گزائی ہی نواں کاتا آباتا یوں پختہ ہیں

مگر جو بلیل کلبہ اذفا وفس باشد مرا

کشتنی باشم اگر کشی ہوس باشد مرا

کی میتری شود مرغان باغ غلدہ ما

ایں نور غنچہ کہ وہ کنز نفس باشد مرا

بے ساختگی، سادگی، افسانہ اور پچا، بڑے کی حقیقت اور احساس کی پختگی، ناگن گزائی کے کلام کا زور دیتی ہے۔ وہ ناگن کے بعض شعروں

کی جھلکیوں سے ہرے مرنا غائب ہیں، سچے بھرتے ہیں کہان پڑ غائب کہ چک ہو گئے ہیں کہانے۔



کیا اور اس کی منتقل کیا، بڑے میاں ہوس کے عارضے، عدالت کے رسیدہ، پا لکیاں پڑ جڑ جڑ کر فرشتوں کے دروازے پر مارتے رہے اور مذکی کھلتے رہے۔ بی ٹکابی جان جو مذکوئی تھی، اس کے چپکے کے چپکے نے کہیں کا نہ دکھا، جب بچے لہجوں کے تقاضے اور حالات کی بنیاد پر اس طرف سے مسرت و محبت تک پہنچتی ہوئی، تو اس کے دل پر کون کون سے عالم گذر جاتے ہوں گے۔ کیا کیا نہ کیجئے پر سمیت جاتی ہوئی۔ اور میرے برے خاندان میں تھری چھا اور پاری میں عزت و آبرو کو بٹائے بیٹھے رہنا، وہ بھی صبر، سکون، راضی و رضا، قناعت و طاعت سے، تو سوچ تو یہی سونک کے تجھے مٹا کر چک جھپکتے کرتے ہوں گے کہ غالب جو بصورتِ شوہر پردہ کا تاب ہے ہوتے تھے، وہ اکھاڑ کر کے چپا کی یہی برجھیں ہیں کہ ان پہاڑ سے جا میں کو کہیں کے کاؤں کا ان خبر نہ ہوئی اور غالب نے ہزارہا خیر کہہ کر صبر و رضا کی محبت و عنایت کی، وہ ایک منزل بھی ایک خصوصیت بھی نہ کر سکے۔

آج کل تو اسی پر اس مرض کو کہتے ہیں، جو مرضِ لاعلاج ہو، یا اسے کہ وہ کرے علاج میں کی ۔۔۔۔۔۔ میں آئیکے۔ تو حضور والا غالب کا ظہر سبب ہے۔ دنیا ٹوٹی ہے، دوسرے سے چل کر اس مرض نے سب کو منسوب کر دیا۔ پتہ نہیں کہ غالب منسوب کئے یا غالب ہو۔ مجھے کیا پڑی ہے کہ ماری سوتوں کے روتے تم سے بیٹھ کر دوں۔ وہ میرے غالب حضرت احمد بھی اپنے رنگ کے ایک ہی دھانے ہیں۔ صبح سے شام اور شام سے صبح علمِ غالب لکھے لکھاتے کھنے مٹانے کا ایک چر فر ہے کہ چلا جاتا ہے، جو بچتے ہیں، ان کو بن موت مارتے، جو مر چکے، ان کو انہوں حروف سے جلاتے ہیں۔ یہ خواہ ہے یا نہ۔ بہر حال میرا دل میرا آتش کے دانہ ہے۔ مجھے نہ ظاہر کرنے کی ضرورت ہے نہ نہ تہدیک، نہ پڑے سلاسیں، نہ جلی چھوڑ رکھی تھیں، وہ آج تک ہیں، چاہتی ہوں اتنا لکھیں کہ کچھ لکھنے سے باقی نہ رہ جائے تاکہ مرد جو بدنامی کا ٹھکانہ عورتوں کے سر نہ جا کر کہے ہیں کہ کچھ کرنے نہیں دیتی تو میں کبھی اس میں ان کے خیالوں میں حائل ہو کر شغلِ اغا ز نہ ہوئی، وہ سائیں وانا سائیں، یہ کن کی آن اور جان اور شان ہے۔ (اقتباس خط بنام پروفیسر جلیل احمد، ڈگری کالج، بہاول نگر)

## غالب اور آزادی

(صفحہ ۳۵ سے آگے)

مجھے یہ خیال کیا کہ جب زندگی میں تنگ دام سے بے پردہ رہے تو پھر موت کے بعد کیسی پردہ داری سے گھیرا میں میری فحش کو کھینچنے پھرنے کہ میں صباں دادہ ہمارے مسرور و بگڑا رہتا اور جب موت کے بعد انہیں کفن میں نصیب نہ ہوا تو کس مسرت اور تغافل سے انہوں نے عزت اتنا کہا کہ یہ لاسٹ بے کفن استہضت جاں کی ہے حق معذرت کرے عجیب آزاد مرد تھا

## منتخبات

# مرزا غالب جو ہوتے اب تو کیا ہوتا؟

## مرزا غالب

ہمارے استادوں اور کتب کے نقادوں کی رائے ہے کہ بڑا شاعر آفاقی ہوتا ہے۔ ہم صمت کی خرابی اور طبیعت کی کڑھائی کے باعث مرزا علی مرتضیٰ انسان بن گئے ہیں۔ اور استادانہ نقاد سے کہیں نہیں الجھتے۔ چنانچہ ہم بھی اس رائے سے متفق ہیں کہ مرزا غالب بڑے شاعر تھے اور ان کے اشعار میں آج بھی وہی تخیل اور دل کشی ہے جو پہلے تھی۔ بلکہ اب تو لوگ ان اشعار کے بھی معنی بیان کرنے لگے ہیں جو مرزا کے ہمعصر دیکھ پاتے تھے۔ اور آسان کہنے کی "فراکش" کیا کرتے تھے۔ مرزا کا ہر شعر تنقید حیات اور ادب عالیہ کا نمونہ ہے۔

ہم یہ تو دعویٰ نہیں کرتے کہ غالب کے ہر شعر کے معنی بیان کر سکیں گے لیکن ہیں غالب کے طرفدار بلکہ پرستار۔ اور مدح و پرستش کے لئے بھٹکا بھٹکا مفرد دی نہیں۔ آپ بحث کی بہت سی شقیں نہیں بکھپاتے لیکن وزیر خزانہ کو یاد دلاتے ہیں اور ذوقِ باد کے نغمے لگاتے ہیں۔ پکاسو کی تصویر آپ کو گیلریوں کا عجیبہ عجیبہ منظر آتی ہے۔ لیکن پکاسو کا نام سنکر آپ سر دھنستے ہیں۔ اسکول کے زمانے میں تو غالب کے مشکل اشعار ہم خاص طور پر دعب ڈالنے کے لئے یاد کیا کرتے تھے کہ اس کام کے لئے وہ تیرہ ہفت نسخہ ہیں۔

تھوڑے تھوڑے کہ ہم غالب کو ایک آفاقی شاعر، زہد و استقامت، معنی آفرینی کا ہر تخیل کا بادشاہ، ذوقِ نگاہی، ہیکل بننا، دور رس، استاد یعنی ایک وقت دور بین و دور بین ادب سمجھتے ہیں۔ ہم اس لحاظ سے پوری طرح متفق ہیں کہ ان کے اشعار آج کل کے زمانے پر بھی منطبق ہوتے ہیں اور یہی ان کی آزادی اور شگفتگی کا مادہ ہے۔ یہ سب باتیں ماننے کے بعد اور گستاخی کی معافی طلب کرتے ہوئے ہم اتنا عرض کرنا چاہتے ہیں کہ آج ان کے بعض اشعار پڑھ کر الجھن پیدا ہوتی ہے اور یہ خیال تو ہمیں ابھر رہا ہے کہ اگر مرزا آج موجود ہوتے تو کیا ہر شعر کہہ سکتے تھے؟ یا انھیں اشعار کو دیباچے سے خارج کر دیتے؟

میں سدا قصداں کے آج کل یعنی شان و مرجوہ میں ہونے نہ ہونے کا ہے۔ اس ہونے کا فکرواٹھانے خود بھی بہت عجیب ہے۔ موصوم کو اپنے ہونے سے بڑی شکایت تھی کہ ان کے خیال میں اسی ہونے نے انہیں ڈھونڈا تھا۔ حالانکہ بعض ان کے تجلی کی کارفرمائی تھی۔ تاریخ سے ثابت ہے اور مولانا حالی جیسے نقاد کی نے لکھا ہے وہ موجود تھے اور نہ بے نہیں تھے بلکہ باقاعدہ مرے تھے، خود بھی کہا کرتے تھے۔

ہونے ہم جو مرے دوسوا ہوئے کیوں نہ عسرق دریا۔ دینو  
مگر طبعاً وہ ہونے کے اور ہستی کے ممانع معلوم ہوتے ہیں۔ ام کہانے کی شوقین تھے مگر "فریبِ ہستی" کہانے کے خلاف  
مان ممانِ قیہر فرمایا کرتے تھے۔ ان کا خیال موت فریبِ ہستی  
ہر چند کہیں کہے نہیں ہے

ان نے تعلق بملوک مرزا نہ صرف موجود تھے، بلکہ بڑے زور و شور سے تھے۔ ان کا ہونا بھی اہل تارکینِ حقیقت ہے اور مرزا بھی جس کی تاریخ وہ خود نکال گئے ہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ وہ اگر آج ہوتے تو کیا ہوتا؟  
بعض باتیں تو ظاہر ہیں مثلاً مرزا اگر آج ہوتے تو خواجہ معین الدین مہرنا غائب بندہ دو ٹو پر "کھنے کی ضرورت  
میں نہ کرتے۔ ان کی صدا و برسی نہ خالی جاتی۔ قار و بازی کی علت میں ہرگز نہ پکڑے جاتے کہ اب یہ کام میرے "موت و فحش  
کہاں ہے اور خرم نہیں بکھا جاتا۔ ہاں وہ ڈیفنس آف پاکستان دلا دلا اسی قبیل کے کسی قانون کے ماتحت گرفتار ہو سکتے تھے  
مے پینے کے لئے انہیں کوئی جنگ فرض نہ دیتا، اور آج کل کے رئیس بھی شاعروں کو کچھ نہیں دیتے داتے۔ بلکہ۔ قوالی سے  
دل بہاتے ہیں۔ بسنا اپنا شوق پورا کرنے کے لئے انہیں امریکی یا کسی بیرونی سفارت خانے سے دہشتہ رقم کا پڑا اور اس لئے  
اپنے مشہور شعر کا پہلا مصرعہ لول جلتا پڑتا۔

"صفت" کی پیتے تھے مے اور کھینے تھے کہ ہاں۔

ہم نے فرض کئے جیتے ہیں کہ مرزا دلی چھوڑ کر پاکستان مزور آتے۔ یہ صحیح ہے کہ تقسیم کے بعد ایک تعلق پاکستان  
کی طرف اڑی پہلی آتی تھی اور مرزا اس پیش چال کے خلاف تھے۔ بلکہ اس لئے ایک سال مرنے کی تادیب بھی ملتی کہ پڑی تھی، مگر  
بیاد ی سوال ان کے سامنے ہوتا۔

ہم نے یہ عبادت کو دلی میں رہیں کہا نہیں گے کیا؟

ہذا وہ جس شاید بلکہ یقیناً ہجرت کرتے۔ اب فرض کیجئے وہ کراچی آتے ہیں۔ تو مے سے پہلے تو ہائش ۲ مسئلہ پیش  
ہے۔ دوست اصحاب کہتے ہیں "حضرت" چلنے انصر اعلیٰ سے ملنے، حرمِ مطلب زبان پر آجئے؟  
مرزا انصر آتے ہیں "ناہی، مے سے نہ ہوگا۔ اگر انصر ہو چھو بیٹھا تو تو کیوں چلا آیا۔ تو نے اپنا گھر کیوں چھوڑا تو  
میں کیا جواب دوں؟۔ تجلی ہو کر بھی کہنا پڑے؟

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ تیرے ملک و نام ہے۔

یہ جانتا اگر تو موت نہ گھر کو میں

دلت کہتے ہیں حضرت آپ کا دودھان دھواں تو ہمیشہ میر دھواں کا دھواں رہا ہے۔ دادا آپ کے دادا دھواں

## منتہاِ زمن

# مرزا غالب جو ہوتے اب تو کیا ہوتا؟

## رفعتِ درویشی

ہمارے استادوں اور لکھ کے نقادوں کی رائے ہے کہ ہر بڑا شاعر آفاقی ہوتا ہے۔ ہم صمت کی خرابی اور طبیعت کی کمزوری کے باعث مرتجاً مریخ انسان بن گئے ہیں۔ اور راستہ دیا نقاد سے کہیں نہیں الجھتے۔ چنانچہ ہم بھی اس رائے سے متفق ہیں کہ مرزا غالب بڑے شاعر تھے اور ان کے اشعار میں آج بھی وہی تنوع اور دل کشی ہے جو پہلے تھی۔ بلکہ اب تو لوگ ان اشعار کے بھی معنی بیان کرنے لگے ہیں جو مرزا کے ہمعصر نہ سمجھ پاتے تھے۔ اور آسان کہنے کی ”فراکش کیا کرتے تھے“ فریق کو مرزا کا ہر شعر تنقید حیات اور ادبِ عالیہ کا نمونہ ہے۔

ہم یہ تو دعویٰ نہیں کرتے کہ غالب کے ہر شعر کے معنی بیان کر سکیں گے لیکن میں غالب کے طرفدار بلکہ پرستار۔ اور حدِ دلچسپی کے لئے کھنسا کھنسا مفرد لہجے نہیں۔ آپ بحث کی بہت سی شےیں نہیں سمجھ پاتے لیکن وزیر خزانہ کو ہار پھٹاتے ہیں اور نذہ باد کے نعرے لگاتے ہیں۔ پکاسو کی تصویر آپ کو ٹیکڑوں یا دعوتوں کا مجسمہ نظر آتی ہے۔ لیکن پکاسو کا نام سن کر آپ سر ہٹتے ہیں۔ اسکول کے زمانے میں تو غالب کے مشکل اشعار ہم خاص طور پر دھب ڈالنے کے لئے یاد کیا کرتے تھے کہ اس کام کے لئے وہ تیر ہونے لگتے ہیں۔

تقریباً نصف سہ صدی کے ہم غالب کو ایک آفاقی شاعر، زبردست نقاد حیات، معنی آفرینی کا، ہر تخیلی کا بادشاہ، ثروت نگاہی، ہیکل بینی، دور رس، میں استاد یعنی بیک وقت دور میں و دور بین ادب سمجھتے ہیں۔ ہم اس لئے سے پوری طرح متفق ہیں کہ ان کے اشعار آج کل کے زمانے پر بھی منطبق ہوئے ہیں اور یہی ان کی آدگی اور شگفتگی کا ماز ہے۔ یہ سب باتیں اس لئے کہ بعد اور گستاخی کی معافی طلب کرتے ہوئے ہم انشاعرض کرنا چاہتے ہیں کہ آج ان کے بعض اشعار پڑھ کر الجھن پیدا ہوتی ہے اور یہ خیال ذہن میں ابھر رہا ہے کہ اگر مرزا آج موجود ہوتے تو کیا یہ شعر کہہ سکتے تھے؟ یا انہیں اشعار کو دہان سے خارج کر سکتے؟

ہیں سدا قصداں کے آج کل یہی نواز موجود ہیں ہوتے نہ ہوتے کا ہے۔ اس ہوتے کا ذکر خدا نے خود میں ہی کیا ہے۔ مرحوم کو اپنے ہوتے سے بڑی شکایت تھی کہ ان کے خیال میں اسی ہوتے نے انہیں لہو بہ سحاب حالانکہ بعض ان کے تخیل کی کارفرمائی تھی۔ لیکن سچے ثابت ہے اور مولانا مقلی جیسے لغتِ آدمی نے لکھا ہے وہ موجود تھے اور نہ وہ نہیں تھے بلکہ باقاعدہ مرے تھے۔ خود بھی کہا کہ تھے سہ

ہوتے ہم جو مرے دوسرا ہوتے کیوں نہ مشرقِ دنیا۔ و فیو  
مگر طبعاً وہ ہوتے کے اور ہستی کے مختلف معلوم ہوتے ہیں۔ ام کہانے کے خدائیں تھے مگر "غریب ہستی" کہانے کے خلف  
صاف صاف تینہر فرمایا کرتے تھے سہ  
ہاں لکھا یکتا صفت غریب ہستی  
ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

اس نے مختلف بطور مرزا نہ صرف موجود تھے۔ بلکہ ہرے زور و شور سے تھے۔ ان کا ہونا بھی اہلِ نادانی حقیقت ہے اور مرزا بھی جس کی تاریخ وہ خود نکال گئے ہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ وہ اگر آج ہوتے تو کیا ہوتا؟  
بعض باتیں تو ظاہر ہیں۔ مثلاً مرزا اگر آج ہوتے تو خواجہ معین الدین مرزا غائب بندہ دو ٹوپ پر "کھینے کی ضرورت  
میں نہ کرتے۔ ان کی صد سالہ برسی نہ منائی جاتی۔ قار بازاری کی علت میں ہرگز نہ پکڑے جاتے کہ اب یہ کام ہرج "لوگوں کی خوش  
کہا نا ہے اور ہرج نہیں سمجھا جاتا۔ ہاں وہ ڈیفنس آف پاکستان اور دنیا اسی قبیل کے کسی قانون کے ماتحت گرفتار ہو سکتے تھے  
سے پیسے کے لئے آغوش کوئی جنگِ فرض نہ دیتا۔ اور آج کل کے رئیس بھی شاعروں کو کچھ نہیں دیتے دلاتے۔ بلکہ۔ قوالی سے  
دل بہاتے ہیں۔ لہذا اپنا شوق پورا کرنے کے لئے انہیں امریکی یا کسی یورپی سفارت خانے سے رابطہ قائم کرنا پڑا اور اس لئے  
اپنے مشہور شعر کا پہلا مصرعہ پل جانا پڑا۔

"صفت" کی پہننے تھے سہ اور کہنے تھے کہ ہاں — نا

ہم یہ فرض لے لیتے ہیں کہ میرزا ولی جھوٹا پاکستان مزور آتے۔ یہ صحیح ہے کہ تقسیم کے بعد ایسی خلقت ناکشا  
کی طرف آڈی چلی آئی تھی اور مرزا اس پیشِ حال کے خلاف تھے۔ بلکہ اسی لئے ایک سال مرنے کی ناشی بھی ششوی کرنی پڑی تھی۔ مگر  
بنیادی سوال اُن کے سامنے یہ ہوتا تھا

ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں کہا میں گئے کیا؟

ہلندہ بھی شاید بلکہ یقیناً ہجرت کرتے۔ اب فرض کیجئے وہ کہاں آتے ہیں۔ تو سب سے پہلے تو رہائش ۱۲ مسلوہ دہلی  
ہے۔ دوست اصحاب کہتے ہیں "حضرت" پہلے انصر اعلیٰ سے ملنے۔ حرمِ مطلبِ زبانِ پراگئے؟  
مرزا فرماتے ہیں "ناجی" مجھ سے بد ہوگا۔ اگر انصر یہ پوچھ بیٹھا کہ تو کیوں چلا آیا۔ تو نے اپنا گھر کیوں چھوڑا تو  
میں کیا جواب دوں گا۔ غلج ہو کر یہی کہنا پڑے گا سہ

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ ح نام ہے

یہ جاننا اگر تو است نام نہ گھر کو میں

دست کہتے ہے حضرت آپ کا دعوایِ دلاشان تو ہمیشہ میر و مصر کا عادی رہا ہے۔ دوا آپ کے ادرا الفہر



سے دلدرد ہندوستان ہوئے تھے۔ آپ دادا و جہان سے دار و پاکستان ہوئے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ اس

مانع و شلت ہندی کوئی قہمیسو نہیں

ایک چکڑے سے مرے ہاتھوں میں زنجیر نہیں

پھر کوئی حقیقت پسند منہ پھٹ دوست مرزا کو یوں بھڑاتا " مرزا فوشہ زادہ بل گیا ہے۔ یہاں دشاہ ظفر سعدا نے ملکی لٹ مٹنی، فرنگی بھی دشمن ہوئے۔ یہ دلی نہیں لگا رہی ہے۔ یہاں چڑایا اچھلتی ہے اسے بے خانہ کہتے ہیں۔ نیا زادہ ہے جی ہاں نئے طور طریق۔ سبقت آسمان کے بچے کیونکر گزر ہوگا۔ پرانی باتیں چھوڑ دینے۔ وضع واری کا چڑا ہمارے۔ مصلحت کا سوٹ زیب تن کر لیجئے۔ انٹر کے یہاں حاضری مزدوری ہے۔ خالی بجلی شعلہ بننے سے کام نہ چلے گا۔ انگریز کا دور نہیں، انگریزی کا دور ہے۔ آپ سے تو خدا بھی نہیں پوچھ سکتا کہ انگریزی میں کوئی عقیدہ، اسباب خداداد یا اندریں ہی کد ہیں۔ وہ بڑا بھاری انگریز کہہ سکتے ہیں۔ اندر وہ فارسیا لودو سے نابلد اور مرزا کا انگریزی سے بے بہرہ اس لئے بغیر حاضری دینے کام نہ چلے گا۔

فریض مرزا بادل، خواستہ دہنی ہوتے ہیں اندر کٹ پر چید کر دیا ہر پر حاضر ہوتے ہیں۔ دلی زبان سے بولتے ہیں "ہیں! سکتے ہیں اور چپے ہاں کو نہیں نکلے" دوست پھر بھڑکتے ہیں "حضرت! ہستہ بولتے۔ دلی اور ہم گوشہ دار۔" مرزا زادہ بھول چلے گئے۔ اسی چپے ہاں نہ ہونے کے باعث آپ نے دلی کا لچ کی نوکری گھدی تھی۔ اب آپ پھر ایسی باتیں کر بیٹے تو مکان ہاتھ سے نکل جائے گا؟ عزا بہر صورت عقل نہ کوئی ہیں۔ موقع کی نزاکت کچھ کو چپ چاپ بیٹھ کر انتظار کرتے ہیں کہ دیکھئے کب اللہ سے بلاوا گئے چہرا کی بھی کہتا ہے "اب صاحب پنج پر ہیں۔ اب صاحب میٹنگ میں ہیں۔ اب صاحب وزیر کے پاس ہیں۔ اب صاحب کے پاس چھوٹے صاحب ہیں۔ اب صاحب عطا ہو چکے ہیں کہ مرزا صاحب گھبرا جاتے ہیں۔ مگر زمانے کی ہوا کو پہنچانے لگے ہیں۔ روز کی جلد دھوپ اور گرمی کی آہ و بھونے بن گال دیئے۔ آخر ایک دن وہ مستوف سے کہتے ہیں کہ کوئی میرے دیوان سے وہ شعر نکال دو۔ اب کچھ بھی اس کا پتا نہیں ہے۔

بندگی میں بھی وہ آزاد و خود ہیں ہیں کہ ہسم

آئے پھر آئے دیر کعب اگر دا نہ ہوا!

دن رات کی غم و دوا و دہانی بے سیر کے بعد مرزا کو ٹھگ کا لالچی میں مکان مل جاتا ہے۔ یہاں آکر مرزا کے بہت سے اشعار آفاقی ثابت ہوئے۔ وہ اس قسم کے شعر لکھتے دیتے ہیں۔

حکایت رہا ہے درد و دل اور پر سبزو غالب الخ

یا۔۔۔۔۔ کوئی دیوانی سی دیرانی ہے الخ

باہر بھٹتے ہیں تو بڑھتے ہیں۔ دل خوش ہو اسے راہ کو پر خوار دیکھ کر

خبریں جیسے ہونگیا کہ مرزا غالب آگئے۔ چنانچہ ایک نئی پاکستان مشاعرہ منعقد ہوتا ہے۔ مرزا اس میں دعو ہیں اسرار علی صدر مشاعرہ ہیں۔ ان کے "بی۔کر۔ اور" مشاعرے کے سرکاری ہیں۔ وہ بار بار انیک پر آکر فرماتے ہیں کہ جناب صدر آپ آئے ہی دلتے ہیں۔ جناب صدر اب ایک اہم نوکر کلاس ہے ہیں۔ اب ایک خاص "شوہ" دیکھ لےے ہیں جو ان کے لئے خاص طور پر کلب میں ترتیب دیا گیا ہے " اس دوران میں انجمن مشاعرہ میں مختلف کے بی ڈی جیسے سین، بیوگرافی کے حزب افکار کے ایذا اور ملے کے ضمیمہ

دفترہ شمال میں حاضرین کی تفریح طبع کے لئے نظم دیکھا دیا دیتے ہیں۔ گپا وہ بچے کے بعد بچا ایک ایک غلط غلط ہوتا ہے۔ معلوم ہوا۔ کس قدر مشاعرہ تشریف لائے ہیں۔ اس سوٹ پہننے، کاٹی ہوئے ہانسنے۔ افسرانہ نہایت مہربانی اور تدارک کے ساتھ ایسے آتے ہیں، جیسے نظر کوئی مشوق بعد شوکت و ناز آتا ہے

یا۔ جنگی کا بادشاہ چپے نکلا ہے۔ شیر کے جلو میں شیرنی بیش قیمت ساری اور بے اسستین پلاؤ پہنے آتی ہے، اور متعدد جمادی، دعوت احباب ملے ملایاں، اس جلوس میں شریک ہیں۔ یہ کوئی نہیں جو چھوڑ سکتا کہ آپ نے اپنی دیر کہاں لگا دی۔ مرزا صاحب! دیر برب فرماتے ہیں اب کو یہ کہنا بھی بکا ہے۔

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاجیں بھی تھا؟

صاحب صدر کے آتے ہی اگلے سونوں پر بیٹھنے والے اٹھ جاتے ہیں۔ وہ اور ان کی پوری بیٹھدی جو ساتھ آئی تھی صدقوں پر ہرچکان ہوجاتی ہے۔ سو سو روپے والے ان کا بچے چلے جاتے ہیں اور ہرکس خوش ہیں کہ قرب سلطان کا۔ صاحب صدر خدائی مائیک پر آتے ہیں اور نہایت گرجدار آواز میں بڑاں انگریزی ایک ٹیمنز مقال بصورت خطبہ صدارت پڑھتے ہیں اس کی کاپیاں اخباروں میں پہلے ہی جاتی ہیں۔ فوٹو گرافوں کا نجوم ہے۔ تالیوں سے پسندائی گئی رہا ہے۔ خطبہ صدارت میں شاعروں کو حکم دیا جاتا ہے کہ آئندہ سے وہ طلب کپڑ، مٹن، ٹی ایس بیٹھ اور دیگر انگریزی شعری پیرا ی کہا کریں۔ تاکہ آئندہ شاعری میں ترقی کر کے اسی مقام تک پہنچے جسے مغربی شاعری ہے۔ نیز یہ کہ شاعری کو آئندہ قوی مفاد کے لئے استعمال کیا جائے۔ شاعروں کا فرض ہے کہ وہ فیروز ترقی کے موضوعات پر شعر کہیں، اس قسم کے موضوعات تمام ملک میں بکھرے پڑتے ہیں مشرقی شاعرانہ، جہادی جیسویت، اگرچہ شاعری کرتے ہیں تو میکسی پگ جیوں، پوٹری فادرک اور دیگر انقلاب اپنے موضوع ہیں۔ صدر موصوت نے حکومت کی پسیس پر بھی چند الفاظ کہے اور تمام کھٹے فالوں اور شاعروں کو فوش سے دیا کہ تحریری تنقید کا مقصد ملک سے فساد ہے۔ تعمیر تنقید کی اہانت ہے لیکن تعمیر کا مفہوم معاد حکومت بتائیں گے۔

مقالہ ختم ہوتا ہے۔ پی۔ آر۔ او صاحب یعنی سکریٹری مشاعرہ اس پر مغز مقالے کی مزید تعریف کر کے بے مغز لوگوں کو بھاتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اس کا اصل مطلب کیا ہے۔ مرزا صاحب سوچتے ہیں کہ دیوان سے یہ شعر غارت کر دینا چاہتے ہیں۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرا دل ہے

مشاعرے میں مرزا سخت الفاظ شعر چڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ٹوٹ ترم سے ترم سے کی آوازیں نکالتے ہیں۔ مرزا

مہذوری کا نظارہ کر کے مائیک سے ہٹ جاتے ہیں اور آہستہ آہستہ گنگھٹاتے ہیں۔

یاد رہے وہ دیکھے ہیں نہ بکھیں گے سری بات

دے اور دل ان کو جوڑے تھو کہ زبان اور

حالت ایسے نامساعد ہوتے ہیں کہ بالآخر مرزا کو دن میں ریڑیوں میں نوکری کرنی پڑتی ہے۔ شام کو حلا میں ہائٹ ٹائم

لام کر رہے ہیں اور کہتے ہیں۔ غائب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دوا

وہ دن گئے کہ کچھ نئے نوکر نہیں ہیں میں



## فتہرہ اشہی

# سخن فہم

(طغنیہ)

ہنڈکیا کام ہیں اک غالبِ فستہ کے بغیر  
 شعلہٴ عشق کی طرح دل میں ہیں اس کی یادیں  
 جہشِ صدماء مرگ غالب  
 عظمتِ مردِ متلذذ تو نہیں ہو سکتا  
 اپنی ہی ذات کا عنوان بنا  
 میرے گھر میں نہیں دیوان کا اک نسخہ بھی  
 دعویٰ یہ ہے مجھے غالب سے بڑی نسبت ہے  
 اس کا ہر شعر ہے "گنجینہٴ معنی کا طلسم"  
 میرا ہر شعر ہے ابہام کے زنداں میں اسیر  
 یہی دونوں کی سیرِ بخت ہے  
 زندگی میں کوئی فن کار اگر کلیہٴ احزاں میں رہے  
 لوگ کہتے ہیں یہی اس کے مقدّر میں تھا  
 اور وہ فرجائے تو

ہم ہمیشہ سید پوش رہیں گے برسوں  
 زندگی میں اُسے حسرت کے مزاروں سے نکالا کسی نے لیکن  
 اک صدی بعد یہ قوم  
 اُسے آفریںش لحد سے بھی اٹھا لائی ہے  
 اور غالب ہی سے کہتی ہے کہ سن  
 ۔ تو اے کہ مجھ سن گستران پیشین  
 مباحث منکر غالب کہ در زمانہ تست ۔  
 کاشش اے ترک طرح دار  
 پرستار تو ہے  
 تیرے آبا کی طرح صرف سپاہی ہوتے  
 خبر پر تیری ۔ اٹھن مشن ۔ ہو کر  
 ۔ گارڈ آف آئز ۔ دیتے  
 شاعروں نے ترے اشعار کی تضمین سے  
 اپنی ہی سجاو دوکاں  
 تجھ پہ احسان ہے کیا  
 ناقتوں نے ترے اشعار کی تشریح میں  
 ملش پہ لکھا  
 ۔ سہزہ خط سے ترا کاہل سرکش نہ دیا  
 یہ نہ مرد بھی حریفِ دم افی نہ ہوا ۔

## عزیز حسین

# غالب سے

(مذہب کے بغیر)

تم ہوتے تو کیا کہتے؟

گرم فرش کے آگے منظر بھی

دو میں ہے پروازِ نظر کی

گرم عالمِ امکاں کی وسعت میں

دوسرا نقشِ قدم بھی تہا کا۔

آنکھوں نے دیکھ لیا ہے

لیکن اب تک۔۔

لا تہدا و اتقادہ دلوں کے در و کی

اندھی گہرائی میں

پائے نگاہ چارہ گراں بھی پڑ نہ سکا ہے

تم ہوتے تو کیا کہتے؟

ناو کہاں جاتا کہ فلک ہی کوئی نہیں ہے

نغمہ لے سے لے سے خفا ہے

لفظ معانی سے جزا دیں

نفس پیکروں سے روگرداں

شعلہ خلق کہاں ہے اپ تو مروت سے پرش ہے

راکھ ہی راکھ ہر آفاق نظر آتی ہے

کیا ہو مشاہدہ حق اب تو

باہر و سداغرا کا عیلہ بھی بے مہیا ہے

جام سفالیں ٹوٹ چکا ہے دل کی طرح

اور دیرِ ریزہ بکھا ہوا ہے سلوتِ ہم کی راہِ طرب میں

سے نا جنوں کے اڈے کی ایک قبیہ ہے

شوق کوئی دلال ہے دستِ ہوس گا کہ ہے

اور حکم ہے برم منزل میں اولوالامر ہیں

تم ہوتے تو کیا کہتے؟

پہلے ہاتھ قلم ہوتے تھے اب تو زبا نہیں کٹ ہاتی میں

شکر کرو کہنا تھا تم نے کہ فی لا

شکر کرو تم نہیں رہے اور ایک صدی تک تو زندہ ہو

اس کے بعد نہ جانے کیا ہو

شکر کرو کہ لوحِ جہاں پر حرفِ سکند ہونے لگا تم۔

## شبیم رویان

# سایہ شاخ گل

ہم یہ سورج کا احساں ہے زندگی  
 معنویت میں غالب کا دھان ہے زندگی  
 زندگی چاند کی طرح کیوں کا سسہ شوق ہے؟  
 بھر کیوں بھر ہے کیوں بیاباں نہیں؟  
 کیوں بیاباں کی جانب جنوں چاک دل چاک دماغ چلا؟  
 کیوں سکون شہر داروں پہ تہیٰ عمدی طرح برہم ہے؟  
 سایہ شاخ گل ہم کو انہی کے مانند ڈرتا ہے کیوں؟  
 ہم کو رستی کے مانند کس سے کیوں؟  
 سایہ شاخ گل — سایہ شاخ گل — سنائیے شاخ گل! لا!  
 سایہ شاخ گل سے معز ہی نہیں!  
 سایہ شاخ گل سے معز کیوں نہیں؟  
 ایسا انہی جو خونخوار نکھد کے چلے پراغوں، چپکے ڈیالوں سے کہتا ہے  
 "کم کوں ہو؟ — کیوں بیاباں آئے ہو؟  
 — یہ مڑا ہوا ہے — یہ مڑا ہوا ہے"  
 ایسے انہی سے آنکھیں ملاتے ہوئے کیوں پسینہ پسینہ ہے میرا ہلکا؟  
 نہ ہر میرا ابھی مجھ پہ روشن نہیں —!  
 میں جو چاہوں تو خود سایہ شاخ گل میں کے جھکوں میں ابھی  
 میں جو چاہوں تو انہی کو ڈس کر بھی شاخ گل کی طرح تو ڈر ڈال دوں  
 میں جو چاہوں تو —  
 لیکن میں چاہوں بھی کیوں؟  
 — اور چاہوں بھی کیا؟

## عصا امانت

# غالب

لے شہنشاہِ سنن، خسروِ تسلیم ادب  
دوش پر اپنی صلیب آپ اٹھا کر نکلا  
دشیتِ ہجران میں کئی یا سپوتخانِ گندی  
عمر میٹے ہوئے صحرا میں گزاری تو نے  
اپنے ہر کرب کی تصویر اتاری تو نے  
بائی شوقِ خدا آرائی نہاری تو نے

لے خوں اٹھا تو زیبائشِ محبوب ہوئی  
تو اٹھا ہے تو بھی خود ہی جبینِ عالم  
تو کہ ساحل کی طرح تشنہ ہے آب رہا  
تو نے دکھ پیچھے تو کچھ گوہرِ نایاب ملے  
تو بڑھا ہے تو سندرکھئی پایا بے ملے  
تشنگی کو تری دریا کئی سیراب ملے

کتاب ہے نور تھا پہلے یہ طربِ ماندِ شعر  
قامتِ نغمہ احساس کو دی غلمتِ در  
روح ہے مابینِ اظہار کی ماہیا پائیں  
تو نے غلمتِ کدۂ جاں کو اُجالا بخشا  
منکر کے پیکرِ عریاں کو دوشِ لالہ بخشا  
ذوقِ گویائی کو اندازِ نزالہ بخشا

لفظ و معنی کو جلا مل نہ سکی تیرے بعد  
مستیِ ابر کے باد صفتِ ہر دشتِ جنوں  
نالہِ حرفِ سنن اب بھی وہی ہے کہ جو تھا  
مر مرِ غم کا چلن اب بھی وہی ہے کہ جو تھا

تمہ کو سقا مشکوۂ بے مہرئی اربابِ وطن

حایلِ اربابِ وطن اب بھی وہی ہے کہ جو تھا



## عرفانہ عزیز

# احتسابِ غالب

عصرِ حاضر کے سننِ فہم تجھے پہنتے ہیں کہ نہیں کوہِ شکن تیشتر افکار ترا!  
یہی طعنہ ہے کہ غالب ہے غرضِ محبوب زہر آلودے و جام ہے بکروار ترا!  
پیرے اصنامِ خیالات نفوذِ ادا م محسوس راز نہیں دیدہ بیدار ترا!  
منکرِ تازہ کے علمدار ہیں کہتے ہیں نفقہ کشی میں ہے فقط نقشِ بد دیوار ترا!

تیرا ماحول ہے مجوسِ قصب ہر چہذ مشعلِ فکر جہاں تاب کی تحریر ہے تو!  
تیرا دھماکا ہے سررشتہ معنی کی گڑہ گم شدہ سلسلہ فکر کی زنجیر ہے تو!  
دعوتِ دہریہ وہ خواب ہے اب تک محفئی دل بیدار کے جس خواب کی تعبیر ہے تو!  
نورِ روح کا انشوں ہے تے شعروں میں

ہمہ نیرنگ و ہمہ جا دوئے تحریر ہے تو!

تیری عظمت سے رہا محسوسِ فتنِ قاصر نکتہ نکتہ تری تحریر کا محبوب ہیں!  
تیرے افکار نے اُسے ہیں سما باہِ مہیات فکر تیری نگہِ وقت سے محبوب ہیں!  
خوں بہا ہم سے طلب کرتا ہے دیوانِ ترا مقبلِ دہریہ اندازِ یہ مستوب ہیں!

تیرا عرفان کہی نعتِ اد کو حاصل نہ ہوا

شیوۂ نعت و نظرِ خوب بہت خوب ہیں!

## ابوالحسن کاشف

# اعتراف

(۱)

نغمہ سرا ہے روح میں میری وہ کج بھی  
جو مندرلیپ گلشنِ تا آفسر بہ تھا  
تھا عریٰ نشا طہ تخیل سے نغمہ سنج  
ہر لفظ کو بہنا دیا غمگینیٰ گھر  
الفاظ سے طلسم معانی کے درکے  
خلوت کو انجن کے اسایب دیدیئے  
انساں کو اس نے عشرِ تفتیشی کر دیا  
تا لیفِ نغمہ ہائے وفا کی ہے اس طرح  
جمو مسر خیال کو ترتیب مل گئی  
ترتیبِ شوق، محسنِ مکمل کا آئینہ  
یذ بہ بھی جیسے فکر کے سلسلے میں دھولگا

(۲)

حال نے اس کی فکر سے پریشان کیا ہے  
بکھنور کے حکیم نے نقد و نظر کے ساتھ  
ناخن کا قرض سب کی طرف سے کیا اما  
دانش وروں نے اس کے مقامات شوق کو  
دیکھا ہے اس طرح کہ تماشا کہیں پسے  
لیکن میں اس صدمہ کی مسافت کے بعد بھی  
یہ سوچتا ہوں ذہن کی دولت کے باوجود  
محرم ہے کون اس کی فزا ہائے راز کا  
کتے بجا اب آج بھی پردہ ہیں ساز کا  
(۶ فروری ۱۹۶۹ء)

میں غمگینی کا شوق نا کھنور کے  
جو لفظ کو غالب سرے قمار میں کھینے  
جمو مسر کھینے ہیں خلوت ہی کیوں نہ  
نغمہ مسر خیال، ابھی مسر و مزد تھا  
انجن بہ قرض اس غم کے جسم ہار کا  
ایہ کہاں سے لڑاں کو بچنا کہیں ہے  
ذرا دیر جو بجا ہے پر دہے ساز کا

۱۱) ہوں عریٰ نشا طہ تخیل سے نغمہ سنج  
۱۲) غمگینی معانی کا فلسفہ اس کو کھینے  
۱۳) ہے آدمی بجا ہے خود اک مسر خیال  
۱۴) تا بہت شدہ ہائے وفا کو ردِ صحت میں  
۱۵) کلرمل کا دن کو ہے لقا جا کہ ہے خود  
۱۶) آئینہ جوں تو وہی کو کھینے کہیں ہے  
۱۷) محرم نہیں ہے تو ہی فزا ہائے راز کا

## نہید کُنجاہی

# نذرانہ عقیدت

تجہ ساسا عرنہ زما نے میں ہوا تیرے بعد  
جو ترے رنگ میں ہونفہ سرا تیرے بعد

تیری ہر واژہ تصور، تیرا اسلوبِ خیال  
کون کہلا یا خفیتل کا خدا تیرے بعد

حسنِ تاثیر سے خالی ہی ہے میں یکسر  
نکردن، شعر و ادب، صوت و نوا تیرے بعد

نزلِ اہل شعور اب بھی ہے وہاں ویراں  
تجہ سادیکھا نہ گیا راہِ نوا تیرے بعد

شاعری، جیسے محاورہ سرمدن خاموش  
جلوۂ فنکریہ پوشش ہوا تیرے بعد

خود کیا تو نے تھا جس حسنِ بیاں کا دعویٰ  
ہاں وہ اندازِ بیاں کھو ہی گیا تیرے بعد

آج ہر نظم میں ادب اب غزل کہتے ہیں  
بس نے دیکھا ہے کوئی شعلہ نوا تیرے بعد

صبا کی یادیں

## تصنیفِ غالب

ہے ایک تابشِ جلوہ سے قدردانی 'شیعہ  
 کسی کے حُسن سے بھل مٹا نہ خزانہ 'شیعہ  
 شہابِ برقِ تجلی سے ہے بھرائی 'شیعہ  
 رُخِ نگار سے ہے سوزِ یاد دانی 'شیعہ  
 ہوئی ہے آتشِ گل آسیرِ زندگانی 'شیعہ  
 ادا سکوت کی ہے موت سے ہم آغوشی  
 سکوت ہی کو سمجھتے ہیں لوگ بے ہوشی  
 جھوٹ ہستی 'انساں کا ہے سخن کو ہشی  
 زبانِ اہلِ زباں میں ہے مرگ خاموشی  
 یہ بات بزمِ میں روشن ہوئی زبانی 'شیعہ  
 نہ ابتدا سے تعلق نہ انتہا سے ہے کام  
 نہ اپنی مرضی کا آغاز ہے نہ اسِ انجام  
 بیابانِ خاص نہ اس کا سمجھ سکیں گے عوام  
 کرے ہے صرف باہم سے شعلہِ قصہ تمام  
 بطورِ زلزلہ تھا ہے مٹا نہ خزانہ 'شیعہ

## زہیر کُنجاہی

# نذرانہ عقیدت

تجہ ساز شاعر نہ زمانے میں ہوا تیرے بعد  
جو ترے رنگ میں ہونے سے سرا تیرے بعد

تیری ہر واہ تصور، تیرا اسلوب خیال  
کون کہلا یا فحشیت کا خدا تیرے بعد

حسن تاثیر سے خالی ہی رہے ہیں بحر  
نکرو فن، شعر و ادب، صوت و نوا تیرے بعد

منزلِ اہل شعور اب بھی ہے دیراں ویراں  
تجہ ساز و نیک ناز گیا راہِ ناز تیرے بعد

مشاعری، جیسے محاورہ مدفن خاموش  
جلوۂ فکریہ پوش ہوا تیرے بعد

خود کیا تو نے تھا جس حسنِ بیاں کا دعویٰ  
ہاں وہ اندازِ بیاں کھو ہی گیا تیرے بعد

آج ہر بزم میں اربابِ غزل کہتے ہیں  
بس نے دیکھا ہے کوئی شعلہ نوا تیرے بعد

صبا اکبر بتا دے

## تضمینِ غالب

ہے ایک تابشِ جلوہ سے قدردانی ' شمع  
 کسی کے حُسن سے بھلِ منانہ خوانی ' شمع  
 مشابہ برقِ تجلی سے ہے جوانی ' شمع  
 رُخِ نگار سے ہے سوزِ محاورانی ' شمع  
 ہوئی ہے آتشیں گلِ آسیرِ زندگانی ' شمع  
 ادا سکوت کی ہے موت سے ہمِ آغوش  
 سکوت ہی کو سمجھتے ہیں لوگ بے ہوش  
 جھوٹ ہستی ' انساں کا ہے سخن کو ہستی  
 زبانِ اہلِ زباناں میں ہے مرگِ خاموشی  
 یہ بات بزمِ بینِ روشن ہوئی ' زبانی ' شمع  
 نہ ابتدا سے تعلق نہ انتہا سے ہے کام  
 نہ اپنی مرضی کا آغاز ہے نہ ابِ انجام  
 بیانِ خاص نہ اس کا سمجھ سکیں گے عوام  
 کرے ہے صرف بایمانے شعلہِ قصۂ تمام  
 بطورِ زبانیِ فنا ہے منانہ خوانی ' شمع

غموش آگ میں تیری بلبلا ہے اے شعلے  
 یہ مرگ اصل میں مرگِ دغا ہے اے شعلے  
 یہ داغِ عشق کے دل میں پنا ہے اے شعلے  
 غم اس کو حسرت پروانہ کا ہے اے شعلے  
 ترے لرزنے سے ظاہر ہے ناتوانیِ شمع

ادامداری کی پسیدا گداز کرتی ہے  
 ملا ل دہر سے دل بے نیاز کرتی ہے  
 ترے جمال پہ ہر چہیز ناز کرتی ہے  
 ترے خیال سے روح اہتراز کرتی ہے

ہر جملہ ریزیِ باد و بہرِ فشانِ غصہ  
 حسین کیوں ہے یہ اُڑتا ہوا دیار نہ پوچھ  
 نغمائے دل کی ادائے شگفتہ کار نہ پوچھ  
 دیئے ہیں داغِ ثوابِ حالِ داغدار نہ پوچھ  
 نشاطِ داغِ غمِ عشق کی بہار نہ پوچھ

شگفتگی ہے شہیدِ گلِ حشرانِ شمع  
 یہ خوب روتی ہے مسرور دیکھ کر مجھ کو  
 حبلائی رہتی ہے از شام تا صبحِ مجھ کو  
 رقیب بن کے نہ کیوں آئے یہ نظر مجھ کو  
 جلے ہے دیکھ کے بائیں یار پر مجھ کو

دیکھوں ہر دم پہ مرے داغِ بدگمانِ شمع

## مرزا غالب

دلی بیتی داری آجڑی  
آجڑی مڑ، مڑ، مڑ وستی  
دلی بیتی داری آجڑی  
دلی،

دلی بیتی مرزا آجڑی  
پھر آجڑی، پھر آجڑی  
پھر بیتی، پھر بیتی  
بیتی مرزا آجڑی  
دلی،

جے میرے پنڈ دی گل ہونڈی  
تاں میں وارث شاہ دے تھیتے کر دا  
ناک دی گل سمجھنا  
جے میرے پنڈ دی گل ہونڈی تاں میں دسوا  
میری لاہری تاں دے شوہے تھیتے،  
ایسے دی نہی،

اگر میرے گاؤں کی بات ہوتی  
تو میں وارث شاہ کے تھیتے تھیتا  
ناک کی باتیں کرتا  
اگر میرے گاؤں کی بات ہوتی تو میں بتاتا  
میری مادر وطن کے سرخ خواب  
اب بھی زخمی ہیں

ایسے دی اوہدے پیریں چھلے،  
ایسے دی اوہدے کھستے ہندوکان دے پیرے  
اوہدے اپنے پیرے  
سائے دودھوں مٹی اُسے ڈوبل رہے ہیں  
جے میرے پنڈ دی گل ہونڈی تاں میں دسوا۔

اب بھی اُنہ کے پیروں میں چھالے ہیں  
اب بھی اس کے سینے پر ہندوکان کے پیرے ہیں  
اس کے اپنے پیرے،  
سلجھے دودھ کو فاک آلودہ کر رہے ہیں  
اگر میرے گاؤں کی بات ہوتی تو میں بتاتا۔

دلی کی بات میرے گاؤں کی بات نہیں، پھر بھی  
لکھا ہے جیسے یہ میرے ہی گاؤں کی بات ہے

دلی دی گل میرے پنڈ دی گل بنی وستی  
میںوں رنج لکھا اے میرے اپنے پنڈ دی گل لے



قاب دی گل وارث شاہ دی گل ہے  
 قاب کی بات وارث شاہ کی بات ہے

اکو راہ دی گل ہے  
 ایک ہی راہ کی بات ہے

جہڑی سڑکے اج میں شریا جان  
 جس سڑک پر جس آج رواں دواں جہاں

اوسے سڑکے دل دے پروا ہی نہ تہا  
 اُسی سڑک پر دل کے پروا کو چاہتا ہے

سودہ بیاں دی گل کیہ دور دی گل ہے  
 سو برس کی بات کرنا ہی دوسکی بات ہے

سے دے ساگر دی اک نئی جہی چل ہے  
 یہ تو وقت کے سمندر کی ایک چھوٹی سی لہر ہے

دلی رُنی تہاں اودہ دُعا میں مار کے رُنا  
 دلی رُنی تو وہ دُعا میں مار مار کر رو رہا ہے

دلی ہستی تہاں اوچھل جگ رو بیٹھا سی  
 دلی ہستی تو اسے دنیا روک لیتی تھی

اودے ہنر  
 اُس کے آستو

میرے ہنر  
 میرے آستو

ساڈی گل تہاں اکو راہ دی گل ہے  
 ہماری بات تو ایک ہی راہ کی بات ہے

قاب دی گل وارث شاہ دی گل ہے  
 قاب کی بات وارث شاہ کی بات ہے

بھانویں میرے ہندوؤں کُئی و نہیل  
 ہر چند میرے ہاتھ میں مشکت نے ہے

تے ویاناہ قاب۔ اوہی بھال اتے۔  
 اوڑویاں قاب۔ اس کے سینے پر۔

دھقاہ دھقا بھل گیا ہے  
 ورق ورق بکھر گیا ہے

بھانویں میری۔ سوہنی۔ دے جوہن دیاں تہاں لکھی  
 گز میری۔ سوہنی کے دھپے کا ناتا وائر رہے

بھانویں اوہے۔ نازک بُت۔ دے جوہن۔  
 او اس کے۔ بہت نازک۔ کے بھون پر

زہر دا مہیا رچھے  
 سا غرسم جھک رہا ہے

سہانویں ساڈی دستوں دکھو دکھری  
 ہر چند ہماری معاشرت جدا جیڑا ہے

دلتا ہونئی دا دے کچھ دھناں دی چنڈی  
 پھر بھی سروایہ داری کے زخموں کے دھنوں کے سہم

گل رہے نیں  
 گل رہے ہیں

میرے پنڈ دیاں گلیاں  
 میرے گاؤں کی گلیاں

یاں دلی دیاں گلیاں۔  
 یاد دلی کی گلیاں۔

آڈا سبھی پیر دے گیتان دامن جھنڈا مچھے  
 آڈا مشترکہ درد کے گیتوں کا پر ہم جلتا کریں

شالا میرے پنڈ دے ہونٹاں اتے  
 خدا کے چہرے گاؤں کے ہونٹوں پر

پیمان دے پھل کھڑے رہن بھیشی  
 جیسے صبت کے پھول کھلتے رہیں

دلچہ شالا ہن توں کدی نہ اُجڑیں  
 اسے دلی خدا کے قواب بھی نہ اُجڑے

# مَحْشَرِ خِیَالِ

(منتخب مضامین)

## ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری

# محاسن کلام غالب

ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری نے "محاسن کلام غالب" - لکھ کر غالبیت شناس کا ایک ایسا باب لکھا جس کے بعد غالب کی فکر اور فن کے نئے نئے زاویوں سے دیکھنے کا آغاز ہوا۔ ڈاکٹر بجنوری کی بعض آراء خصوصاً ان کے پہلے فقرے پر جو دراصل غالبیت ہی کی ایک ناقص اور غلطی کا عکس ہے، بعض ناقدین اور خاصے جو غلط ہوئے اور پھر دیوانے غالبیت کے "الہامی" ہونے یا نہ ہونے کی آڑ میں بہت کچھ سپرد قلم کر گیا۔ اور اس غلطی میں تنقید کی بہت سی سمتیں بھی متعمد ہو گئیں۔ "محاسن کلام غالب" کی تصنیف میں ڈاکٹر بجنوری نے جب بصیرت، احساسِ حیا اور قیصر علی سے کام لیا، اس کے مثال اور اولاد میں خالص خالص نظر آتا ہے۔ اس کی افادیت اور احمیت کے پیش نظر انکار کے زیرِ نظر شمارے میں "محاسن کلام غالب" کا مکمل متن پیش کیا جا رہا ہے۔ متن کو مستند اور معتبر بنانے کے لئے "محاسن کلام غالب" کے تین ایڈیشن پیش نظر رکھے گئے ہیں۔ (اداریہ)

گر شعر و سخن بدہر آئیں بدوے

دیوان مرا شہرت پر دیں بدوے

غالب اگر ایسا فرما سکیں دیں بدوے

آں دینے لایق دی کتاب ایسا بدوے

ہندوستان کا اہم کاتبی، ادبی، مجلس وچا اور دیوان غالب۔

روح سے منت تک مشکل سے سوسنے ہیں، لیکن کیا ہے جو یہاں حاضر نہیں، لیکن سانس ہے جو اس زندگی کے شاہوں میں یہ لہر اٹھائی ہوئی ہے۔ شاعری کو اکثر خواہنے اپنی اپنی ہر نگاہ کے مطابق حقیقت اور محاورہ اور جہان اور زندگی اور تخیل کے لحاظ سے تقسیم کیا ہے۔ مگر تقسیم خود ہی تاریکی کی دلیل ہے۔ شاعری انکشاف حیات ہے جس طرح زندگی اپنی نمود میں نمود نہیں شاعری بھی اپنے اظہار میں اظہار ہے۔

جہاں اپنی ہر شے میں روح ہوتا ہے، آخر زندگی قدرت جو مہلت ہادی میں سے ہے شاعر کو بھی اراک کی گئی ہے جہاں طائر کارخانہ انہی کی پس پوشیدہ حسیں آخر میں مصروف ہیں شاعر یہ کام علی الاعلان کرتا ہے۔

اس لحاظ سے مرزا کو ایک رب الموعظ تسلیم کرنا لازم آتا ہے، غالب نے بزم حسن میں جو قانون خیال روشن کیا ہے کو یہ سادہ پیکر تصویر ہے جو اس کے کلاسیکی پیرا میں، پر مشتمل ذہنیت تخلیق کرتا ہوا نظر نہیں آتا۔

(۲)

اگر ادبی حیثیت سے غور کیا جائے تو دیوان غالب یکساں ہے، بلاغت یعنی تشکیل الفاظ کا اختصار معنی اس سے زیادہ عمل سے کہیں کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس کو ترک کرنا ہمارے فصاحت کی یہ کیفیت سے گویا وہ اپنے الفاظتوں میں ہے۔ اگر وہ طبعی رو سے لیا گیا ہمارے تو یہ کتاب اپنا آپ جو اب ہے شعر کی بنیاد عرض پر کاظم ہے عروض مرزویت کی میزان میں الفاظ کے تونے کا نام ہے۔ فقرہ تعمیر کو پانے کے لئے صدائے نازک سے نازک اور گریں سے گراں تو ازین سے کام لیا گیا ہے اور یہ میزان شاعری نے موسیقی سے مستعار ہے جس کوئی آسان سے آسان اور مشکل سے مشکل بکسر نہیں جس میں مرزا نے کلام معجزوں نہ کیا ہو جہاں ان کے ہاں وہ بھریں ہیں جو خط مستقیم سے مائل ہیں وہیں وہ بھریں ہیں جن کی صورت ان کے اقلیدس خطوط فنی اور اثر کے مشابہ ہے جہاں رواں بکریں موجود ہیں وہیں امانت و نیکو بھریں ہیں میں شاعر۔

نہتے ہیں ذویں غم دل اتر چڑھا پاؤ

دل کہاں کہ گم کیجے ہم نے مدھا پاؤ

کار کاہ ہستی میں لالہ دارغ سامان ہے

برق فریب راحت فوں گرم دھقان ہے

آکر مری حبان کو قرار نہیں ہے

فاقت پیدا و استکبار نہیں ہے

محب نشاط سے جلاو کے چلے ہیں ہم آگے

کھینچے سایہ سے سراؤں سے ہے وہ قدم آگے

بہت سے شعرا میں استقامت میں عروض کو شعر کی تکمیل کے لئے کافی خیال کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ عروض کا مدعا اس موسیقی کی طرف سامع کو رہنما کرتا ہے جو غالب شعر کو اپنے دماغ سے زندہ کرتی ہے۔ اگر شعر اذیت کے مطابق قافیوں مطابق درست ہو سکیں، آہنگ نشہ زدہ نہ ہو، قوافی عام ہے۔ ایسا شعر دل ایک ٹائمنہ کے ہے جو غزل سے سالم اور درست یا ہلکا ہو سکتا ہے۔

مرزا غالب کے لئے شاعری موسیقی اور موسیقی شاعری ہے یہی بحث ہے کہ دلیوان کاہر مصرع تاریک یا بظن نظر آتا ہے اور ذہنی عمل میں قاعلاقن قاعلاقن قاعلاقن قاعلاقن ایک بلیک بکس کی طرح ہے۔ اطلاق نہایت آسانی سے اس کا جامہ قبول کر لیتے ہیں۔ شعر کے اردو اکثر اس کو کام میں لگتے ہیں لیکن عجیب اس میں ہے کہ مصرعوں میں دلیوان صوفی کی پیدا ہوتا ہے مثلاً یہ فارسی کا شعر ہے

ہر کو خواہد گو بسیا و ہر کو خواہد گو برد

گمرو دابر حاجب و دریاں و دریاں و دریاں

جو وصل ترکیب کی بیش بہا مثال ہے باوجود اس تو کی کاوش و کاہش کے معیار یہاں نہیں ہوا اس کے مقابلے میں یہ تراشہ بڑے طور پر ملحقہ ہو۔

ہم نشیں مت کہہ کہ ہر ہم گرد ہمیش دوست

ہاں تو میرے نائے کو بھی اعتبار نہ ہے

غالب کے شعر کی یہ موسیقی کی غولی جلا اردو سار و ترنم کے قریب سے دریافت ہو سکتی ہے۔

(۳)

تاریخ ادب میں مطلوب ہر کر ایشیائی ایسے مروج ہو گئے ہیں کہ اپنے ہر فعل و خیال کا موازنہ مغربی اقوال و کلمات کرنے لگے ہیں یہ وہ غلامی ہے جس کی زنجیروں کو تلوار میں نہیں کاٹ سکتا پس کیا قہر ہے اگر اس یورپ زدگی کے زلزلے میں طالب علم اور گرجی تعلیم یافتہ مرزا غالب کا ٹیکہ ہے SHAKESPEARE، دھڑس و دھڑو WOODSWORTH، ٹینیسن TENNYSON سے مقابلہ کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں انھوں نے کو تاہ نظر یہ نہیں جانتے کہ شاعری اور تنقید پر کیا ناولائسنڈ حکم جو تسلط ہے۔

صلاح الدین خدا بخش نے غالب کا مقابلہ ہائنرش ہائنے (HAINRICH HEINE) المانی شاعر سے کیا ہے، کہاں ہائنرش ہائنے، کھن ملن جو ملن واپست کے مقام میں بصورت قطعیت انھوں نے کہا کہ صاحب ہائے کمال کو خوش ہو جاتا ہے۔ کہاں غالب جو دنیا کو انھوں کی مثال اپنے طاقوں پر اٹھائے ہوئے ہے اور جس کا سرود سیارہ، سیارہ جو تہو افلاک افلاک تک پہنچتا ہے۔

مرزا غالب کا صحیح اندازہ قائم کرنا خود ایک بلند پایہ شاعری کا کام تھا۔ اقبال نے کیا کہا ہے۔

آہ تو میری ہوئی ملتی میرا آسائیدہ ہے

محکم دلائل سے مزین و متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

وہاں میں اگر کسی شاعر نے غالب کا عقائد پر سوچا ہے تو وہ شعرا المانیہ کا سربراہ جو معاون و گائیک دلی گوٹے (GOTTE) ہیں۔

ہم گوٹے۔ JOHANN WOLFGANG VON GOETHE ہے۔

غالب اور گوٹے (GOETHE) کا دونوں کی ہستی انسانی تصور کی آخری حدود کا پتہ دیتی ہے۔ شاعر کا دونوں پر خاصہ اثر

ہو گیا ہے۔ حقیق اور جرح حیات، حقیقت اور مجاز، قدرت اور حیات کی کثرت ان کے دماغوں میں وحدت میں متعلق ہو کر وجود پاتی ہے۔ دونوں اعلیٰ علم و حکمت کے شہنشاہ ہیں۔ بہترین تعلیم، تربیت، قدرت کوئی زندگی کا ایسا پلو نہیں جس پر دونوں کا اثر نہ پڑا ہو۔

گوٹے کو خود اپنے زمانے میں شہرت حاصل ہوئی۔ غالب ان اہل کمال میں ہیں جن کو زمانے دوام کے کشور میں داخل ہونے کے لئے موت کے دروازے سے گزرنا پڑتا ہے۔ گوٹے کا کلام متعدد جلدوں میں ہے، غالب کا دلی ان علاوہ قصائد و رباعیات ۱۸۵۵ء میں ایک ہزار چار سو پچیس اشعار میں آیا وہ نہیں۔

گوٹے کا کلام تو اس اور ملکی فرق کا باعث ہو چکا ہے اور یہ خاص منظر اور گہرا کا غالب کا کلام اب مقبول ہوا ہے اور آئندہ نسلی اس امر کا موازنہ کریں گی کہ ان کی ترقی میں غالب کے کلام کا جزو و عنقلم کہاں تک مدد و معاون ہوا ہے۔

گوٹے کی نگاہ اشعار کے خارجی پہلو سے گزر کر داخل کیفیت نگاہی ہے۔ غالب کی نظر اندرونی کیفیت کے مشابہ سے بیرونی کیفیت کا قیاس کرتی ہے۔ گویا غالب گوٹے سے کہہ سکتے ہیں۔

WARHEIT SUCHE WIR BEIDE, IM AUSSEN  
IM LEBEN ICH INNEN INDEM HERZEN—  
UND SINDET DREIEN JEDER GEWISS—

(۳)

زبان ارضی ہے اور شعرا نے حالات و سماج کی ہیں ان دونوں کو وصل دینا گویا لطیف روح اور مکرر مارتہ سے شرم چکر کرنا ہے شعرا کو تناسل و محض ہیں لیکن میں ہی وہی قدرت نہیں کہ اپنے خیالات کا اس اظہار کر سکیں۔ جو خیالات دل میں موجزن ہوتے ہیں وہ اصل لطافت کے بہت گہے خزانے ہوتے ہیں بروئے خیال سے روئے قلم اس تک نہیں آتے۔

اقبال نے اس اعتقاد کو یوں بیان کیا ہے۔

زندگانی ہے مری شہل رباب خاموش  
جس کے ہر رنگ کے فنون سے صبر و آغوش  
برہم کون و مکان جس کی غمخوشی پہ اشار  
جس کے ہر تار میں ہیں سیکڑوں فنون کے مزار

محشر مستان لڑا کا ہے میں جس کا سکوت  
اور محشر مندہ ہنگامہ نہیں جس کا سکوت  
اگر امیدِ سمیت کی بر آئی نہ کہیں  
چوٹ اس سارے مغرب کی کھائی نہ کہیں

غائب کی مشاعری کے جسم پر زبانی کا جامہ اس وجہ سے تنگ ہے یہاں تک کہ سینہ بگڑے چاک ہو گیا ہے  
اور مردانِ ایک انداز سے نظر آتا ہے۔

چونکہ مرزا غائب کا موضوعِ کلام بیشتر فلسفہ ہے یہ مشکل اور بھی زیادہ ہوئی ہے غلط چیزیں ایسے ہے۔  
فلائیبر (FLAUBERT) فرانسیسی ناول نگار کا قول ہے :-

• جب میں کانت (KANT) اور ہیگل (HEGEL) کو

فطرت کے لئے اخطا ہوں تو سر میں درد ہوتا تھا ہے :-

میں یا فطرت ہے کہ ہے

مشکل ہے نہیں کلام میرا ہے دل  
میں حق کے جیسے سخنِ فدا کا مل  
آسان کہنے کی کہتے ہیں فرمائش  
گویم مشکل و گردِ گویم مشکل

دورانِ غائب میں ایسے اشعار ہیں جن کا مفہوم پانے سے ذہن مطلقاً قاصر ہے عقلِ مرشد انسان میں ہر جانب پھٹنے  
بعدِ مجبور وہیں آجاتا ہے گویا ایک دائرہ ہے جس کے گرد ناممکن ہے بہت سے نکادوں کو تکلفِ شراب پہنچول کر کے پس بڑھا  
نہیں ہے۔ گوشت کے اقل ترین کلام پر ج فلاؤسٹ (FAUST) حدِ دوئم میں ہے یہی اعتراض ہر جانب سے کیا گیا تھا ایک دن  
ایکریمن (ECKERMANN) نے گوٹے (GOETHE) سے دریافت کیا کہ اس مشکل کا کیا باعث ہے ؟

گوٹے نے جواب دیا یہی بات ہی تو ہے جس پر لوگ فرطیت میں لوگ ان مقامات پر لاجل مسائل کی شکل نمود کرتے ہیں  
وہ اپنی تاملات سے نہیں کہتے۔ انسانی طلب کی انتہا تجزیہ اگر کس فعل سے حیرت پیدا ہو تو وہ کہاں ہیں ہے وہ اس بات پر  
اصرار کرنا چاہتے ہیں کہ اس کے پس پشت کیلئے۔ ایک بچے جب آئینہ میں اپنا عکس دیکھ کر حیران ہوتا ہے تو ناولی کے پشت  
آئینہ کو بھی دیکھنے لگتا ہے۔

(۵)

نئی طیف میں خوش نگاری کوئی قیصر کے سب سے زیادہ مشابہت ہے۔ الفاظ 'دو خشت و گل' محبوب و آہن میں رنگ  
اوریت کی علامت عبارت ہوتی ہے۔ میر حسن دہلوی کی طرح لطافتی شاعر اسٹو (ARISTO) نے اپنے دلیوں میں جب گل کار آئینہ  
بندہ منور اور ہر عشرتِ محلات تیار کرتے ہیں۔ کس نے اس سے دریافت کیا کہ غریب کا شادانہ نشیں شاعر نے وہ ساز و سامان کہاں

سے پایا اور سترے جواب دیا الفاظ سنگ و عشت سے امدادیں ہیں۔

لیکن مرزا غالب کے الفاظ نعل و جہیز ہرے بھی گزراں ہیں۔ مرزا غالب اس بات سے خوب واقف ہیں کہ متروکہ کو محض مودیان لغت کے مطلب کی سہولت کی غرض سے وضع کیا ہے۔ اور نایک معنی کے وہ الفاظ کسی زبان میں نہیں ہیں ان تمام سبکے کتنے ہی بہم صورت ہیں ان کو ایک دوسرے کی عارضی غرض امری میں بھی ایک گھبراہٹ نفاذ غلطی ہے۔ مرزا غالب کے بازگ سے نازک فرق کو خوب جانتے ہیں وہ لوہا بن لڑائی کی طرح عقیدہ (PYOT PROPHET) کے پابند اور قائل ہیں دیوان کے مطالعہ سے معلوم ہو گا کہ مرزا نے ایک لفظ کو جہل تک جو سکا و بارہ استغاث نہیں کیا اس کی وجہ سمجھان دین کی طرح یہ نہیں ہے کہ وہ کسی لفظ کی شکل میں محسوس ہے کہ وہ کسی خیال کا اعلوہ نہیں کرتے۔

زبان و لہجہ کا پابند ہے الفاظ جان نہیں بلکہ زمرہ میں جو منطق کے قواعد و اصول ہیں لیکن تصور سمجھ و وقت تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور چونکہ تصور کے زبان سے آوازیں کا نام ہی لفظ ہے۔ الفاظ بھی تغیر کا قاعدا رکھتے ہیں مگر یہ تصور عہد بہ عہد بدلتا رہے تو زبان کہہ اور بار بار بدلتی رہے زبان کی تبدیلی میں یہ قدر (اصول) سے آگاہ نہیں جس طرح درجہ پر غالب آنا مشکل ہے بخاور کا کشت بھی مشکل ہے بہت سے لوہے اس نکتے سے غافل ہیں کہ خوب سے خوب بھار دے بلکہ عمر آخر ضعیف ہو کر بے جان ہو جائے چنانچہ اردو میں اس وقت بہت سے محاورات ہیں جو حقیقت میں الفاظ اور لغت کی سیماں ہیں۔ مرزا نے اپنے دیوان میں محاورے کی بدوش سے اکثر استعارہ کیسے خرم دیوان میں مشکل سے دس اشعار ایسے ہیں جنہ میں کوئی محاورہ نہ ہے۔ مرزا کی شاعری بولی کی نگہوں یا آنکھوں کے کوجوں کی پابند نہیں بلکہ آزاد اور زبان سے جب مرزا نے اپنے فلسفیانہ خیالات کے لئے موزوں الفاظ کی تلاش کی تو اردو کے قریب الفاظ کو بہت محدود پایا۔ لیکن قاصد ہے کہ جہل یا غفلت پیدا ہوتا ہے وہاں نیا لفظ خود بخود پیدا ہو جاتا ہے ہر جاں اپنا جسم خود ہر جاں اپنی ہے۔ مرزا کے خیالات نے اپنے نظماں کے لئے خود الفاظ تیار کر لئے بلکہ وقت سے مرزا کی مشکل پسندی طبیعت کے لئے کام کو زیادہ آسان کر دیا الفاظ سازی کے فن میں مرزا اجتہاد کامل کا درجہ رکھتے ہیں چنانچہ الفاظ حلقہ جوں۔

دام شنیدن، غمار رسوم، ناکش خاموش، جوہر انور، ہلکا رنگ نسل، شہستان دریا کے، پہلوئے قمر لیل، غزل نگار، خانہ زار، زلف، زنجیر، روانی، مجمع و تفرق، دریا، موج، نگاہ، نبض، حس، تشنگی، فریاد، غلوت، ناموس، سپید زہام، جست، غمزداری، ساحل، شہر، رنگ، موج، چل، گزر، گاہ خیال، ہرج اور اک، طابع، غاشک، آئینہ، اشک، مجلس، جوہر، لذت، سنگ، گر، مٹش، رنگ، اغش و لیلیٰ، گور، شہر، کز، و محروستگاہ، اوریا، آتش، محشر، خیال، مژگن، سوزن، مژگان، رنج، آنکھ، استغنا، سنگ، عظمت، معاش، جنون، سوام، تہنہ، دریائے بیتابی، وادئی خیال، سیاست، دریاں، نیل و نقد، و عالم، فلسفہ، و تاب، بھون، تابیافت، ہمت، نگاہ، فردوس، گوش، کاسہ، دیوان، نگستاں، نسل، چشم، حرا، شیرازہ، مژگان، ہر خود و ہر بہتر، رنگ، فروغ، و لیلیٰ، خیال، قلم، خون، ہزار و حشت، اشرا، جست، عجیب، خیال، دعوت، مژگان۔

اب الفاظ کی جدت آشکار اور خوبیاں ظاہر ہیں بہت سے نکتے فروغ کامل زبان میں لیکن ان کی اس تعمیر میں گنجائش نہیں ہے مکمل (MICHAEL ANGEL) کا قول ہے کہ:

بھیر سا بہت کو مر مر تراش کر نہیں بنانا بلکہ حقیقت میں محبت ایشا



ہی سے سنگ مفید میں موجود اور جلوہ خدائی کا منظر اور حقیقتی صورت  
ہے۔ آستانہ کامل محض پتھر کی عارضی چاند کو چھوڑ کر دیتا ہے۔

یہ حالت مراد کے ساختہ الفاظ کی ہے وہ ساختہ نہیں بلکہ ورمل (VIRAL) کی مثال آخر یہ ہے۔

عربی غائب نے بعض اوقات قواعد کے خلاف زبان نکلی ہے اس کے متعلق سید فضل الحسن حسرت اور  
علی حیدر صاحبانی نے طنز مناسب اور معقول اعتراضات کئے ہیں لیکن واقعہ ہے کہ قواعد منطق کا خارجی پہلو ہے اور  
شاعری منطق سے آزاد ہے علم القواعد کا تقریر اور تحریر میں سخت پیرا کرنا ہے کام میں لطافت پیدا کرنا نہیں اس لئے  
بعض اوقات شاعر کو اپنے جذبات کے کامل اظہار کے لئے قیود سے آزاد ہونا حاصل کرنا ضروری ہے۔

فنون لطیفہ میں موسیقی یا مصوری کی تحصیل کے لئے علم الاصوات اور علم الایوان کا مطالعہ لازمی ہے لیکن گاہ گاہ  
ایک عیا اقل نفس مفتی اور مالی قلم مصور سے ہوتا ہے جو بلا تعلیم اپنے خزانے کا مجتہد ہو جاتا ہے۔ بعد میں بھی کسی ایک عیا  
پتھر خنی دنیا میں آتا ہے جو نظریات اور قواعد زبان سے آزاد اور صرف روح القدس کا ترجمان ہو جاتا ہے۔

شیکسپیر (SHAKESPEARE) اور غائب کا کام قواعد زبان کی پابندی نہیں ہے۔ قواعد زبان کا کام ہے کہ ان  
کی پابندی کرے یا ان کی خلاف ورزی دوسیت میں خاص مجیدات کا اضافہ کرے۔

(۶)

جہاں مرزا نے الفاظ میں تورا اور شہ نصرفات سے کام لیا ہے۔ وہیں تشبیہات اور استعارات میں بھی عام پابندی  
سے گزر کر کیلئے تشبیہات اور استعارات کی بنیاد قیاس پر قائم ہے۔ تشبیہ یا استعارہ کا پہلا کام معنی آفرینی ہے کسی امر کو  
کتنی ہی واضح بیان کیا جائے وہیں مخموم کے ہاتھ سے قلم درخت ہے لیکن ایک مشابہ مثال کام دے جاتی ہے بہت سے دلیل  
اور غریب اشعار مل نہیں جوتے لیکن ایک مقابل شرفیذا معنیوں کو آئینہ بناتا ہے۔ تشبیہ یا استعارہ کا دوسرا کام حس آفرینی  
سے تشبیہات اور استعارات تصویر نظم کے یو تصویروں کو ان میں جن کی آمیزش بغیر تصویر کے تکمیل حیات کو نہیں پہنچتی  
ان سے رنگ بدہ جاتی ہے۔ تشبیہ یا استعارہ کا تیسرا کام اختصار اور بلاغت ہے اگر ناسے۔ حیات و دلفنوں میں ادا ہو جاتی ہے  
دوسری طرف دوسطروں میں بیان نہیں ہو سکتی۔

اور دوسری میں جو تشبیہات اور استعارات، کلام میں اور جو دور دور چلے آتے ہیں ان کو اصول ملے خیال کیا جاتا ہے  
اور شعروں سے ہل برابر تجاوز کرنا گنہ خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ بقیل مولانا حالی معشوق کی صورت کو چاند، سورج یا مہنت  
سے، آٹھ کو دگرگس باوام یا میا سے، ہیر کو کمان و محراب سے، حلقہ کو جیسے، یوں کو نبات یا آب حیات سے، منہ کو گھٹنے سے،  
مکر کو دل سے اور دھن کو دم سے مشابہ قرار دینا مخصوص اور قائم ہو گیا ہے۔

مرزا نے خود کو اس سنگ حائرہ میں محبذ نہیں کیا جس طرح ہر ذلت کی تصویر دل کا رنگ و دھن بخوہ ہوتا۔  
یہ تقاضا کے وقت لازمی ہے۔ ہر زمانے کے تشبیہات اور استعارات کا پیرا ہونا بھی ضروری ہے۔

صاحب نظر ایک نگاہ میں محض رنگ سے جٹلا سکتے ہیں کہ تصویر مفر کے عہد اور وہیں سے، ہندوستان کے

معبداستائے 'یا فرنگ کے فریق و سلاخے' 'یا اطالیہ کے زمانہ اعیانہ سے متعلق ہے۔ ہر عہد کے مصوٰر اپنا رنگ بھی اپنے ہمراہ لے لیتے ہیں۔ ططیان (TITIAN) کے رنگوں میں بھی وہی سکون ہے جو اس کے جنبش مرصعہ قلم میں ہے۔ اور گائیگس (GAUIGN) کے رنگوں میں بھی وہی ہیبتان ہے جو راتھاش امس کے رنگوں میں ہے۔ مرزا نے خود آفریدیہ تصنیفات اور استعارات کا اس بے تکلف انداز سے استعمال کیا ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے انویار ہمیشہ سے ہماری زبان میں موجود تھے اور چلہ دار کے سنے ہوئے ہی

دیکھنا تعسیر کی لذت کہ جو اس نے کہتا

ہم نے یہ جانا کہ شاید یہ بھی میرے دل میں ہے

چنانچہ کس خوبی سے حسنہ آتش ویدہ کو زنجیر سے اولاد ہائے تسخیر کو مدول عشاق سے، غلامیوں کو گروہ و دلاہ سے، پہلر کو خلعت ہائے غزلوں سے، جسم آئینہ کو طوطی بمل سے، حضرت یعقوب کی تابناک آنکھوں کو روضوں و دیاروں زلفانی پرست سے، نام مروج کو حلقہ آمد کلام لہرنگ سے، تارنگ پاس کو ریشہ چشم سوزان سے، ہر نظریہ خون تن کو گلشن نام معشوق سے، سرگوزشوں کے عرق الغزال سے، سرو کو دور خطہ آواز سے، تار کو گروہ مسیارہ کی مداس سے، حسنہ کو خستہ دندانہ سے، مونہ شیر کو دیدہ ساغری فرکان سے، آئینہ کو درہ سے، صوبہ شراب کو مژدہ خواہنگ سے، ساغر کو تاج دست گویاں سے، عاشق بیان کیا ہے۔

مولانا شبلی نے مثنوی اور چائے کے متعلق بحث کرتے ہوئے کہا کہ اس کا نتیجہ خاصوں کے لئے کوہ کنواریوں کا ہر آویں سے زیادہ جس کلام میں جس قدر مثنوی اور چائے کے استعمال کی زوائد ہوں گی، اتنی ہی کلام حقیقت سے بعید اور تصنع سے قریب ہو گا۔ خاصوں اور کم مطلب اشعار بعض اثرات کے قواعد سے گویا اور پر معنی نہیں ہیں، مگر جس کلام کا پائیدار نہیں ہے، بلکہ ہر قوم سے آواز ہے۔ سمار کو دل پیو " کے قواعد مصوٰر کی کی رو سے عورت کا بدن تصویر کے خاکے میں ایک خط معنی کو ایک دو اور معنی میں حسابی قاعدہ سے ضرب دینے سے قائم ہوتا ہے۔ بھلا کہیں بہ جان دیکریا شرفی جسم کی شرمیت کو وجود میں لاسکتی ہیں۔ مین تصویر نگار مختلف رنگوں میں مختلف معنی بیان کرتے ہیں۔ افلاطون کے پیرو دیکھتے ہیں: من روح میں ہے۔ ارسطو کے متبعین مخالفت کرتے ہیں کہ جسم میں ہے۔ لیکن در حقیقت نہ پیکر معشوق میں کوئی معنی خطوط ہیں، دوسری رنگ میں کوئی خاص مناسبت ہے۔ خواہ نہ روح سے متعلق ہے نہ جسم کے محدود ہے۔ معنی میں ہے جس کی آفرینش شعواء کا کام اور راز ہے۔ جس طرح اقلیدس خطوط سے خوب صورت سراپا نہیں بن سکتا۔ صانع اور چائے کے خوب کلام ترتیب نہیں پاسکتا قابل عزت ہیں، وہ تمام فضلا رہنوں نے علم صانع اور چائے کو فرد صانع دیا ہے۔ لیکن اگر ان کی تمام کتابیں جلا دی جائیں تو شعواء کا ذرا سا پس نقشان نہیں۔

صانع اور چائے کے استدلال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ طبیعت میں آمد نہیں ہے۔ صانع اور چائے کا استعمال کلام کو عام ادبی زندگی سے جدا کر دیتا ہے۔ اور میں زمانے میں صانع اور چائے کا عام رواج ہو وہ زمانہ اقوام کے انحطاط اور زوال کا ہوتا ہے۔ غالب بہت کم صانع اور چائے کا استعمال کرتے ہیں۔ ان کے

کلام کے اشکال کا باعث قاریت کا غلبہ، الفاظ کا اوق ہونا اور ترتیب کا پس و پیش ہونا ہے اور اس کا نتیجہ ایسے کی مشکلات کو پیدا بھی دینا نہیں ہے۔

لیکن ایک خصوصیت ان کے کلام میں ایسا ہے جن کی مثال کسی دوسرے شاعر کے کلام میں موجود نہیں ہے۔ جس طرح سفید رنگ میں تمام آفتابی الوان نظر میں آتے ہیں اسی طرح اشعار کی سادگی میں عجیب و غریب لطیف معنی پنہاں ہیں۔ جیسے کہ ایسے نے امریکے کو دریافت کیا تھا مولانا حالی نے مرزا غالب کے کلام میں اس نئی دنیا کا پتہ لگا دیا ہے اور حقیقت میں مولانا حالی مرزا غالب سے کچھ کم مستحقِ داد نہیں ہیں :

(۱)

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے

دشت کو دیکھ کے گھر ڈاؤن آیا

جہاں اس کے یہ معنی ہیں کہ دشت اس قدر ویران ہے کہ دشت سے گھر ڈاؤن آگئے۔ وہیں یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم تو گھر ہی کو دیکھتے تھے کہ ایسی ویرانی کہیں نہ ہوگی لیکن دشت بھی اتنا ویران ہے کہ اس کے دیکھنے سے گھر کی ویرانی یاد آتی ہے۔

(۲)

کون جوتا ہے مرعوبے مرعوبانِ عشق

ہے مکرر لیسب ساقی پہ صلا میرے بعد

اس شعر کے ظاہر معنی یہ ہیں کہ : میرے مرعوب کے بعد شرابِ عشق کا کوئی طریقہ نہیں، اور ساقی میرا مشفق کو بار بار صلا دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسرے لطیف معنی یہ پنہاں ہیں کہ ساقی مرعوب اولیٰ کو صلا پڑھتا ہے، ایک دفعہ پڑھنے کے بعد میں، یعنی کوئی ہے جوئے مرعوبین کا زمین ہو۔ پھر جب اس کی آواز پر کوئی نہیں آتا تو اس مرعوب کو مار مار کر صلا پڑھتا ہے۔ یعنی کوئی نہیں۔

(۳)

کیوں کہ اس بہت سے رکھوں جانِ حسرتِ

کیا نہیں ہے بلکہ ایمانِ حسرتِ

اس کے ظاہر معنی یہ ہیں کہ اگر میں اس سے جانِ عزیز رکھوں گا تو وہ ایمان لے آئے گا اس لئے جان کو عزیز نہیں رکھتا۔ اور دوسرے لطیف معنی یہ ہیں کہ اس بہت پر جان قربان کرنا تو یقیناً ایمان ہے۔ پھر اس سے جان کیوں کہ عزیز رکھی جاسکتی ہے۔

(۴)

تو ہے سرو قامت سے اک بعد آدم

قیامت کے فتنے کو کم دیکھے ہیں

اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ تیسرے سرو قاعدے سے فتنہ قیامت کم ہے۔ اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ تیسرے سرو قاعدے میں سے بنایا گیا ہے اس لئے وہ ایک قیاد کام کم ہو گیا ہے۔

(۵)

سر کا ڈالنے کے جو وعدے کو مرکز چسپا

ہند کے ہونے کے تیسے سر کا قسم ہے ہم کو

اس جملے کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ تیسرے سر کا قسم ہم ضرور سرائیائیں گے، دوسرے یہ کہ ہم کہ تیسرے سر کی قسم ہے یعنی ہم تیسرا سر بھی نساڑائیں گے۔

(۶)

الجئے جو تم اتر دیجئے ہو آئینہ

جو تم سے شہر میں ہوں ایک حد تو کیوں کر ہو

اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ تم مجھے نازک مزاج شہریں اور ہوں تو شہر کا کیا حال ہو اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ جب تم کو اپنے عکس کا بھی اپنی مانند ہونا پڑا نہیں تو شہریں اگر فی الواقع تم مجھے ایک دوسرے موجود ہوں تو تم کیا قیامت سرا ہو۔

(۷)

بہن کا خیال ہے کہ مشاعری مصوری ہے۔ اس پہلو سے بھی دیوان غالب عظیم الشان ہے۔ ہر دوق و ہر ایکہ اشارہ موجود ہیں جو کو صوفی قریاس سے عائد تصویر پر منتقل کیا جاسکتا ہے۔

شعر کی تصویر یہ یہ ترجیح ہے کہ تصویر ماکں اور شعر و فکر ہے۔ تصویر اپنے قائم کردہ انداز کو نہیں بدل سکتی۔ شعر ایک کیفیت کی مختلف حرکات کو ظاہر کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ تصویر واقعہ حیات پر ایک نقطہ ہے شعر ایک واقعہ ہے جس و حلق کے تمام معاملات کو مرز اسے اس بھی سے نغمہ کیا ہے کہ ہر دو تصویر دیکھا ہوں میں پہنچاتی ہے اس کے لئے صرف زبان پر قدرت ہونا کافی نہیں بلکہ فطرت کا بڑی رنگتوں میں ہونا ضروری ہے کیا خوب نگاہ کی دروازہ تصویر میں ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں۔

"

فتنہ بہشت لفتہ کی دور سے مت دکھا کہ یوں

بوسہ کو پہنچتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کہ یوں

نقد و گوش تک پہنچتے ہیں اقل ذہن و فلان اور اب مرغان کا فکر سمجھتا ہے۔ پھر سخن کی گواہی اور پاں کی سرفی سے ان میں جہنم کا رنگ بھرتا ہے پھر دو غزل میں مشغول ہوتا ہے اور شکرے کی تحریر اور فتنے کی تکریم تک نہیں پہنچتا پھر گردن کے انگو اور سچے کے اہمار کے خطوط کی کشش سے پیکر تیار کرتا ہے اور اس پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ دستِ حنائی میں پھر دہرے وہ

بھی اللہ میں غریبے میں وہ پردہ آؤڑاں ہے اس کو بھی دکھاتا ہے۔

کہیں کہیں دوسرے تصاویر کا دوسرا رخ دکھایا ہے یعنی واقعات حقیقت اور قدرت کے مطابق ہیں یکساں محسوس اور عادات کے خلاف ہیں مثلاً،

(۱۲)

آئینہ دیکھ اپنا سامنے لے کے رہ گئے  
صاحب کو دل نہ دیتے پہ گشتِ غرور تھا

وہ منہ جو عشق کو جنوں کہتا تھا جو حس کے اڑکا منگر تھا۔ اور ہر عاشق و معشوق سے دم نہ کرنا تھا اپنے حوالے سے ایک جلوسے کیسا حیران ہے یا اس کا آئینہ کی جانب سے پروا بٹاش، بڑھنے اپنی صورت سے دوچار ہونے اور حیرت منگی طرح تیر عشق کا نشانہ ہو کر رہے اختیار ہو کر پہچنے پہنے تکیا عداوتِ عکس ہے،

(۱۳)

آج وال تینہ دگن ہانڈے ہونہ جاتا ہوں میں  
ہزد میرے قتل کرنے میں وہ اب لائیں گے کیا

(۱۴)

لے تو لوں سوتے میں اُن کے پاؤں کا بوسہ مگر  
ابھی باقوں سے وہ کافسو ہر گناں ہو جائے گا

یادِ خوب ہے ابو عاشق یا یو سی کے لئے جتن پہاڑ ہے لیکن اس خیال سے کہ ممکن اگر معشوق بیدار ہو گیا تو تمام عمر کے لئے اعتبار چلا کر ہے گا اباز رہے ہے بھل و شوق مانر پڑ اور آندو کے کیا متنازع و تعاضلات ہیں۔

(۱۵)

منہ نہیں کھولتے ہی کھولتے آئیں غائب  
یا دلائے مری بالیں پہ اُسے ہر کس وقت

(۱۶)

نہ لانا مع سے غائب کیا ہوا گرائی نے طرقت ی  
ہمارا بھی تو آخسر زور چھلکا ہے گریبان پر

(۱۷)

مزا ہوں اس آکا از پہ ہر چند سراؤ جائے  
جلاؤ کو لیکن وہ بجے جائیں گے ہاں اور

(۱۸)

ہم سے نکل صباؤ بوقتِ صبح رستی ایک دن

ورد ہضم پھینکی گئے رکھ کر مذہبی سستی ایک دن

امیر خسرو کا ایک شعر ہے :

صبا ناں اگر مشیت دہن بر دہن جسم

نمود نا بخواب سنا زو محو گیس دانا کیست

مرزا غائب نے اپنے شعر میں دو گونہ نظم یہ کیا ہے پہلے مصرعے میں کہتے ہیں کہ نشہ کا بہانہ کر کے ہم نے مکمل جاگ کوئی یہ نہ چاہے تاکہ تمہاری آرزو سے ایسا ہو۔ دوسرے مصرعے میں کہتے ہیں کہ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو میں خود نشہ کا بہانہ کر کے پیش قدمی کروں گا اور پھر خواہ تم کچھ ہی کہو سب مجھے معذور رکھیں گے۔

(۹)

نیمند افس کی ہے دعا رخ اس کا ہے لاجن اس کی جی

قیری زلفیں ہیں کے بازو پر لیشاں جو عجیب

اس شعر کو چنتے تھے ہیں بوسوں میں حاضر کے آخری کلام کا مضمون دہلا آ جانا ہے جو درد و گداز اس وارفتہ کے اشعار

میں ہے۔ وہ اس میں نہیں ہے

سیریں هل ضممت الیک لیلے

فتیل الصبح او قبلت فنا ہا

و هل رفت علیک فتروفت لیلے

رفیق الا تحوانتہ فی سدا ہا

مجھے عراقی قسم ہے کیا میرے پہلے تو نے میرے کو سینے سے لگا دیا ہے، یا اس کے منہ پر بوسہ دیا ہے، کیا تیرے

اوپر میرے کی زلفیں ہرائی، میں میں طرح کہ گل بازو نہ ہر تپ ہے۔

(۱۰)

ہاں وہ فرد مستردنا ز باں یہ حجاب پاس دفن

ناہ میں ہم میں کہاں بزم میں وہ جاسے کیوں

(۱۱)

رات کے وقت مجھے سنا تمہارے رقیب کو کہے

آئے وہ باں حندا کر کے پر نہ کرے خدا کیوں

(۱۲)

تم اپنے شکوے کی باتیں نہ کہو دکھو دے کے پچھ

خدا کرو مہرے دل سے کہ میں اس آگ دہی ہے

(۱۳)

دوستی کا بروہ ہے بیگانہ  
منہ پھانا ام سے چھڑا پائے

(۱۴)

خیر بھرتا ہے بے یوں تھے خدا کو کو اعر  
کوئی بلجے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

(۱۵)

بھگے کرتے ہیں بازار میں وہ پریش حال  
کو یہ بھگے کو سسر رہا گذر ہے کیا بھگے

اگر وہ موش ساز جو موش و بھت کے معاملات کے نئے نئے معامین کے متلاشی رہتے ہیں، مندرجہ بالا اشعار کو بڑے قریاس سے ہر وہ تصویر پر منتقل کریں، تو ان میں سے ہر ایک ایک یا دو گار زمانہ تصویر ہو۔ مرزا کا تہم موقبلہ

(۸)

اقبال نے مرزا غائب کی شان میں کہا ہے :

منبر انساں کو تری ہستی سے یہ روشن ہوا  
ہے جو مَرُطِ قنیل کی رستائی تابنا

کتاب قدرت ایک تارک کتاب ہے جس کے اوراق پر سونے شعلے کے کوئی روشنی نہیں ڈال سکتا اس ضیاء میں ہر شے ایک نئی صورت اور کیفیت میں مشاہدہ ہوتی ہے لیکن روشنی شعلہ برقی کی مثال دم زدن میں غائب ہو جاتی ہے اور ہر وہی ظلمت چھا جاتی ہے۔ اس روشنی میں ہر رنگ، سنگ میں نوری شہیں اور غزلو سنگ میں جلوہ میزدن نظر آتا ہے یہ کوئی شاعر وادہ دوغ یا فریب نظر نہیں بلکہ مشاہدہ حقیقت ہے۔

جب شعور و گرد و پیش کے مسائل اور واقعات کو دور نظر اور فوق انظرت طور پر بیان کرتے ہیں تو وہ بیان ان کے صلی اور یقینی نگارہ پر مبنی ہوتا ہے۔

وہ ہم نبار شاعر ہیں، جو محض الفاظ کے پس و پیش سے تشبیہات تیار کرتے ہیں اور تلمیذ ہونے کے باعث غزل و گزلیں دیکھ سکتے،

(۱۶)

موج سراپ و خا کا نرہ چھ حال  
ہمس فذہ شبن جو ہمس شیخ آبدار تھا

وفا جو ایک صفت قلب ہے شاعر کو فارادشت کی صورت میں نظر آتی ہے اور دشت بھی بے آب مہر غائب جہل تک رنگہ کام کرتی ہے رنگ روں ہے۔ اور سراپ کے ذلت جو پر تیر آبدار ملک حیات غائب میں لڑناں ہیں اس

مقام لن دوق کی محرابوں کی کانام عشق ہے ۔

(۶)

گزشتہ اندوہ و شبِ فرقت یہاں ہو جائے گا  
بے تعلقت و ارج مہم کرداں ہو جائے گا

عاشق چاند کو دیکھتا ہے چاند کے مشاہدے سے مدد کی خیال اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے کہ اگر میں نے رازِ الفت اور دردِ فرقت کو چھپایا تو میں دیوانہ ہو جاؤں گا اور کوئی اسکا بھی نہ پلے گا کہ میرے جنوں کا باعث کیا ہے میرے جنوں اور میرے محبوب تک کو خیرہ یونگی گویا یہ ماہِ شب جس کی روشنی میرے قلب میں مانی کا اظہار پیدا کر رہا ہے میرے لئے مہم کرداں ہو جائے گا۔ ورنہ (WORDS WORTH) عرب ماہِ شب کی کیفیت کے مشاہدے کے مناظر پر کوہِ بہا اختیار کرتا ہے ۔

"O MERCY TO MYSELF I CRIED  
IF LUCY SHOULD BE DEAD"

(۷)

سفرِ عشق میں کی قسمت نے راحت طلبی  
ہر قدم سایہ کو میں اپنے شہستان سمجھا

عاشق سفرِ عشق میں اس درجہ خستہ جاں اور معطل ہو گیا ہے کہ قدم قدم پر ضعف سے لغزش ہوتی ہے اور آگے بڑھنے کا بار نہیں اس ادنیٰ معنوں کو وسعتِ تخیل اس طور پر ادا کرتی ہے کہ جس طرح شہزادِ مسافر کو دشت میں سرب و میلانے آبِ معلوم ہوتا ہے۔ شکستہ دلع اور مجروح بدنِ عاشق کو اپنے سایہ پر خواب گاہ منزل کا گمان ہوتا ہے۔ ہر لحظہ خیالی کرتا ہے کہ مقامِ مقصود کو پایا اور سرِ لعل پر نکلتا ہے کہ نہیں ہنوز دشتِ ناہیاں گذار کے ہیں وسط میں ہے۔

(۸)

یہاں نے جنوں پر ڈاکین میں اسد  
سنگ استخیا تھا کہ سسدا آیا

کہتے ہیں کہ جب مجنوں کا شبِ عشق تھا میرا وقتِ طفل تھا تمام شہر کے بچے جنوں کو پھر سے مارا کرتے تھے کہ انتقالے پھیں ہے۔ میں نے بھی ایک بار دیگر یہ عمر کی طرح اس ستم زدہ کو نشانہ سنگ بنائے کی غرض سے پھر اٹھایا وہ زندان میں اپنی حرام آئندہ زندگی کا نقشہ آکھوں کے سامنے پھر گیا کیا دیکھتا ہوں کہ میں آگے آگے ہوں اور اطفال شہر پیچھے پیچھے گنگ باری کر رہے ہیں یعنی سرشتِ عشق عقل کی نا اہلی سے گزرا ہے گو طریقے کا زمانہ تھا لیکن پہلے ہی مجبوری پر ضمیرِ عاشق نے متنبہ کر دیا۔

جس طرح نبوتِ بطلانِ ماہ سے شروع ہوتی ہے عشق بھی عہدِ طفل سے آغاز ہوتا ہے۔ چنانچہ خود مجنوں کا قول اس کا مصداق ہے ۔



الو ایسا القلب اذی لیج ہما سبھا  
وسیدراً جلیطاً السم لقطع متعاً سبھا

میں جلیط کے عشق کے بھنور میں اسی وقت بعض گہا تھا جب کہ بچ تھا اور میرے گلے کے قحوظ بھی نہ کئے تھے۔ ایک روایت ہے کہ منصور کو انہی کے باعث لوگ ہشت و سنگ سے سرزدیش کیا کرتے تھے۔ ایک دن شیل کا بھس اس راہ سے گزر ہوا شیل نے شاید ازراہ مزاح ایک پھول منصور کی جانب پھینک دیا منصور کو نہایت درجہ ملال ہوا کیوں کہ شیل جو خود عاشقانِ خدا میں سے تھے منصور کے معاملے سے واقف تھے۔ ضرور ہے کہ مرزا نے مجھوں پر چھرا اٹھایا ہو گا تو مجھوں نے شکایت تم کو ان کی طرف دیکھا ہو گا۔

(۵)

مقلق میں کس نشان طے جاتا ہوں میں کہے  
پڑھ لکھ خیالِ زمزم سے واسن نگاہ کا

عاشق کے مقل کو ملنے کی مسرت کا اندازہ ممکن نہیں واسن نگاہ یعنی بہر کہ کسی شمع کا قلم الحق زخموں کے خیال کے بھار سے پر گل ہے۔ یہ گلزار عاشق گزر از غلیل جنت سے کم نہیں۔

(۶)

پوچھ مت وچ سپہ مستی اربابِ چمن  
سایہِ تاک میں جوت ہے ہوا موچِ خراب

موسمِ بارش میں ہر وہو اکاڑ ہے۔ باغ سے تپا جہاں سب شورِ بود میں ودست جو شمشلِ شباب سے سبز ہے تیرے گل سبز ہو گئے ہیں گویا یہ مست و مدغول چمن و بہر میں تمام بلانے پر سرور کا اثر معلوم ہوتا ہے۔

گلوں کا لب نہر پر جھوٹا  
اسی اپنے عالم میں نہ چرنا  
ہہ ہکھ ہکھ کے گڑنا تھا بان پر

نشہ کا ساما عالمِ پاکستان پر (بہر من)

مرزا کہتے ہیں کہ یہ کیفیت ہے کہ تم بارش اکو ہو اخوشہ انگور کے سس سے لطیف شراب ہو جاتی ہے۔

(۷)

نہ چوڑی حضرت یوسف نے واں بھی غامہ آرائی  
سفسف دی دیدہ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر

جب زلفِ فریاد سے پرنا منصور دل نہ پایا تو عزیز سے کہہ کر زندوں میں بھیج دیا یہ زلفی کی آخری کوشش تھی کہ شاید وہ ویرانہ کیفِ قید سے جان جائے لیکن ادھر یوسف روانہ ہوا ادھر واروٹ کو فرمان ہوا کہ محبس کی آزمائش میں مشغول ہو تاکہ وہ نازنین قید سے زیادہ طول نہ ہو۔

مسطر فار و دیوار و درخش را

منور سازد خاقِ منظرش را (۸۱)

چنانچہ معمارِ مجرورِ یوسف میں سفیدی میں مشغول ہیں۔ مرزا کا خیال کہاں سے کہاں منتقل ہوتا ہے۔ ان کو یہ سفیدی دیدہ یعقوب کی تابیا آنکھوں کی سفیدی معلوم ہوتی ہے۔

پہ درخش نگارِ ان مست کبر یوسف بہ لہذاں ست

(۸۲)

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو جہاں از یکہ نفس

برق سے کرتے ہیں روشنی شمعِ ماتمِ خاندہم

دنیا کی تکالیف عائق سے ہیں جو اضافت اور نسبت سے بری ہیں۔ وہ الم سے بھی سکندرش ہیں۔

آزادوں کا ہر سب سے زیادہ آگاہ ہوتا ہے اور شہ و روزِ تاریکِ ماتمِ خانہ میں رہتے ہیں۔ لیکن واقعہ ماتم کا اثر ان پر علامت اور نوری ہو تو کچھ مرزا اپنی اس سکونِ بصیرت کی کیا فوق الفیاض مثال دیتے ہیں کہ جب برقِ بلا غمڑی ہے تو ہم پہلے خوفزدہ اور پریشان ہو رہنے کے کمال میں ہیں سے اللہ کر تو الہِ برق سے ایسا الم کہ سے کی خاموش کشتہ شمع کو روشنی کر لیتے ہیں سے

(۸۳)

شوقِ اس دشتِ بیاباں کے ہے کچھ کو کہ جہاں

مناہدہ غصیر از نگہ دیدہ تصویرِ ضیاء

دشت و فاضلِ عشق کی تلکِ وجود کا انجام موت ہے۔ اس بحرِ مراب کا کوئی ساحل نہیں کوئی پادہ نہیں جس سے

سافرِ محراب سے جان سلامت لے جاسکے۔ براہ کے عدم کو مرزا کمالِ شاعری سے یوں بیان کرتے ہیں کہ صرف ایک راستہ ہے اور وہ نگہ دیدہ تصویر ہے۔ یعنی کوئی راستہ نہیں۔ کیا خوب عدم کو وجود کے لباس میں جلوہ گر کیا ہے سے

(۸۴)

قید میں یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر

لیکن آنکھیں روزِ دن دیوارِ زنداں ہو گئیں

حضرت یعقوب کی آنکھیں فرزند کے فراق میں روتے روتے سفید ہو گئیں تھیں۔ مرزا کے فکرِ ماضی سے

تائیدِ عشق کا کیا طریقہ معلوم کیا ہے کہ وہ روزِ دیوارِ زندانِ یوسف میں ہیں حضرت یعقوب کی تابیا آنکھیں ہیں جو اپنے فرزند کو دیکھتی رہتی ہیں۔ سفید تابیا آنکھوں کو جو روزِ دن سے مشابہت ہے ظاہر ہے۔ قطرہ قطرہ پانی اگر گریں گرا رہتا ہے تو مر مر اور نوا رنگ میں ٹھٹھکا کو کچھ حضرت یعقوب کی مدامِ دلکِ ہار کی سے دیوارِ زندان میں سوراخ ہو گئے ہیں

جس طرح روزِ دیوارِ کبھی بند نہیں ہوتے حضرت یعقوب کی تابیا آنکھیں کبھی بند نہیں ہوتیں۔ رات دن بے خواب۔

جانبِ یوسف نگارِ رہتے ہیں۔ حضرت یعقوب کی آنکھیں روزِ دیوارِ زندان ہو گئیں تاکہ تاریکی اور جس سے یوسف کا

وہ محقق ہو۔ آنکھیں دیوارِ زندہاں ہو گئیں تاکہ یوسفِ زندہاں سے دنیا کا تماشا دیکھ سکیں اور تنہائی کے پردہ شایہ نہ ہوں سے

(۱۱)

بہتہ آسا تنگ دل و پر ہے یہ کچھ نفس

از سیرِ نو زندگی ہو کر رہا جو جائے

حیات بعدِ الحرات اور بھٹکے روح کی کیا جگہ ملے گی ہے۔

(۹)

قدرت مستورِ حقیقت ہے۔ قدرت اور مواد کے درمیان ایک دیوارِ حائل ہے جس میں سے صرف شاعر کی نظر یا  
کی انشا شعائیں گزر پاتی ہیں۔

مرزا غالب کی چشمِ مینا قدرت کو تمام نقاطِ نگاہ سے دیکھتی ہے اور ہر نظر میں ایک نیا جلوہ پاتی ہے۔ جو شعرا  
قدرت کے ترماں ہیں ان میں سے اکثر متدبی اور درویش و رند (WORDS WORTH) کی طرح قدرت سے قاتلے۔  
بہار و غزل، ہائے و رابع، اکسار و آبشار مروا رہے ہیں۔ غالب کے مشاہدات کنزِ دریا، واسن کوہ، لب جو ہے بہت کم  
متعلق ہیں۔ مرزا کا ہی بیہ دنیا خاموش مرزا روں سے زیادہ شہروں کے پر شور کوچوں میں گلتا ہے جہاں زندگی  
شعلہ منتعلی کی طرح ہفت رنگ جلوہ دکھاتی ہے۔ مرزا کے نزدیک دل کی تکیوں کی رونق یا نورانی خاموشی درخت یا  
افروغ، شمشاد یا خاموش خرواہ کے اپنے احساسات کی خارجی تصویریں ہیں جو صورتیں (ادھر ادھر روں وں نظر آتی ہیں  
وہ مرزا کے نزدیک ان کے اپنے خیالات کے جسرات ہیں۔ ان کو الف کے لئے سرو و چار کو شبِ ماہ، لب لب، صحبت  
یار میں یا ساقزوں دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ وہ اگر کسی بچی ہوئی عمارت پر نصب شدہ جبرئیل کا کہنی حلقہ بھی رتن میں  
آویزاں دیکھتے ہیں تو ان کو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا سیرنگ اپنا چنگل آسمان سے تارے توڑنے کے لئے دوڑ کر رہا ہے  
ہیں منظر قدرت کو مرزا دیکھتے ہیں اور شعرا یا تو ان کو عام خیال کر کے ان پر خود ہی نہیں کرتے یا ان میں اس درجہ مستور  
نہیں پاتے کہ ان کی کیفیت کو اپنے کلام میں بیان کریں اور اگر کرتے ہیں تو کامیاب نہیں ہوتے مثلاً یہ

(۱۱)

خلیجِ بھتی ہے تو اس میں سے دھواں اُٹھتا ہے

شعلہٴ عشقِ مسہ پر مشن ہوا میرے بعد

کون ہے جس نے شمع کو لگ ہوتے نہیں دیکھا لیکن کسی شاعر نے مشاہدہ کیا ہے کہ شعلے کے ختم ہو جانے کے  
بعد دیر تک فیتلے سے دھواں اُٹھتا رہا ہے ماحولی موت کی اس سے بہتر کیا تمثیل ہو سکتی ہے۔

(۱۲)

برنگِ سیاہِ فدا آتشِ زود ہم رنگ بد تابی

ہزار آئینہٴ دلِ ناتواں ہے ہاں یک لمبیدن پر

عروں بخش کا فز گویا بلکہ زہر ہوتا ہے۔ کا فز چونکہ کلام رہی اور کلمات بشری کا حامل ہے، کا فز کے جملے کو ہیبت  
خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن کا فز کی تحریر مستقیم منہ ہوتی ہے اس لئے شہادت کو تلف کرنے کے لئے کا فز کا خارج کرنا ہوا۔  
اوقات لازمی ہو جاتا ہے۔ معشوقی ابتداء سے نامہائے عشاق کو جلائے آئے ہیں۔ لیکن کسی شاعر کے مشاہدے میں نہ آیا  
کہ کا فز کے جملے میں کیا شاعرانہ کیفیات نہیں بلکہ عیاں ہیں۔ جب کا فز کو آگ میں ڈالا جاتا ہے تو ذرا سی دیر کش پلندہ ہو کر  
شعلہ بھج جاتا ہے اور سویرے وسیاہ رنگ کا کا فز نیم چل چم رہ جاتا ہے جس میں سکرات اور نغمہ کی تمام علامات نظر آتی ہیں۔  
پھر اس تلاش حیات ہی فرو ہو جاتا ہے اور سربا جیل پکھنے کے بعد بزاروں نقطہ ہائے روش کا فز پر نمودار ہو جاتا ہے۔  
آخر کار کا فز فاکسٹر ہو جاتا ہے۔

(۱۲)

ہوئی ہے مائے ذوق تمامہ خانہ ویرانی

کف سیلاب باقی ہے برنگو پنہ روزی میں

جو شہر و دیواروں کے کنارے واقع ہوتے ہیں بعض اوقات شدت آب کی وجہ سے طرق سیلاب ہو جاتے ہیں بلکہ  
میں آباد اور کھنڈ کے واقعات سب کو یاد ہیں۔ جب آب دریا انجانی کے ساتھ طغیانات سے مکانات میں داخل ہو رہا ہے تو  
جہاں سے راد پاتا ہے وہاں چلا جاتا ہے جہاں داخل ہونے میں مزاحمت ہوتی ہے پانی کھلے آتا ہے۔ جب جوش دیا فرو  
ہو جاتا ہے تو سطح آب پھر نیچے ہو جاتی ہے اور پانی واپس دریا کی جانب فروانہ ہو جاتا ہے۔ لیکن کف سیلاب جس جس چوٹ  
اور سرسبز میں پیدا ہوا تھا وہ وہیں باقی رہ جاتا ہے اور تاریکیوں کی طمرے اس رشتہ کو بند کر دیتا ہے۔

(۱۳)

ہوئے اس ہر و شش کے جلوہ نشانی کے کج

بر افشانی جو ہر آئینہ میں شش درہ دفنات میں

جو لوگ ظلم متحرک و مریات آگاہ ہیں وہ جانتے ہیں کہ اگر کسی درہ کو کسی روزی میں آنکھ لگا کر دیکھا جائے تو درہ  
کے بے مقدار جسم سے ہر سمت شعاعیں نکلن ہوئی نظر آتی ہیں۔ اس کا باعث آفتاب کی روشنی ہے جس کے ٹکس سے  
درہ کا جسم خارج روشنی ہو جاتا ہے۔ شعاعیں ایسی معلوم ہوتی ہیں گویا پھلجڑی چھوڑ رہی ہے۔ مزا ادا اب اس کو درہ کا  
بر افشانی ہو چکے ہیں۔ سوال ہے کہ درہ کے وقت میں تو کیا اس زمانہ میں بھی جب کہ انکسار و انعکاس کے مسائل زبان  
زد عام ہیں کتنے اشراف ایسے ہیں جو اس کیفیت سے واقف ہیں۔

ایک اور معنی اس شعر کے ممکن ہیں۔ مزا کے بعض اوقات بر افشانی پر زنی کے معنوں میں بھی استعمال  
کیا ہے مثلاً

(۱۴)

کروں پیدا و ذوق پر افشانی عرض، کیا قدرت

کہ طاعت ادا کرتے سے پہلے میرے شہری

اگر پہل بھی ہو، معنی ہیں تو خدائے کی پر ولا مراد ہے۔ چنانچہ ایام گرامیں دوپہر کے وقت ظہر تک کرے جس اگر کوئی آفتاب کی کرن سیاہ پوش روشنی والوں کے گہنہ رخنے سے اندر آجاتی ہے تو تھمار کے ہر ایک ٹہرے سے جو غم شعلہ سے روشنی ہو جاتی ہے، ادا ہے کیجئے اور غم سے اوپر اڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

(۶)

بہاؤ مجھ میں تھا ایک دل یک قطرہ ظن وہ بھی

سودہا ہے بہ انداز چلیں سرنگوں وہ بھی

کہنا اور لعل و سیرہ عمارت میں آب و ہوا کے عام ایچ ایم اثر سے سنگ منہ اور سنگ موش کے رختہ مریخت بیکانی ہم جاتی ہے اور بعض اوقات دیوار سے پانی دھنکے لگتے، سیاہ و سفید لگتے مرمر کی ہوائی فست سے قطرہ قطرہ آب گر تار جتا ہے۔ قطرے ایک دوسرے کا تعاقب کرتے ہوئے آتے ہیں اور جو بے آگے ہو چکے وہ مقام مقرب پر پہنچ کر چشمِ نونِ توخت کے بعد گر جاتا ہے۔ جو چیز قطرہ کو گر خٹنے سے روکتی ہے وہ پانی کے سالمات کا باہم غم ہوتا ہے۔ لیکن کہاں ایک قطرے کی قوت قرار، کہاں غم کر دامن کی کششِ ثقل، قطرہ کیا آب لاسکتا ہے۔ مرزا غالب اپنے دل کا چٹکے ہوئے قطرے سے مقابلہ کرتے ہیں۔ انسان کے دل کو طہائے فرنگ نے ناشائستگی سے تشبیہ دی ہے لیکن درخت میں آویزاں ناشائستگی کا باغی حصہ غور و اندیش میں کل جوتا ہے اور دل کی حالت اس کے خلاف ہے۔ دل کی کوئی تشبیہ نہیں کیے چٹکے ہوئے قطرے سے بہتر ممکن نہیں۔ علاوہ انہی دل کی چاری اور عاجزی کی کیا تصویر ہے۔

(۷)

آگ سے پانی میں بجتے وقت آگ ہے صفا

ہر کوئی وہ ماندگی میں تارے سے تار ہے

کسو شاعر نے آگ آتش کے فرو ہونے کی اس ظاہر اور ادنی کیفیت کو شادہ اور مسوس کیا ہے بقلاً ہر کائنات میں آگ کے طہا مغرور اور سرکش ہونے کا اشارہ نہایت خوبی سے صفر ہے۔

(۸)

ہاتھ دھو دل سے بھی گرمی گرا دینے میں ہے

آ آگینہ تندی صبا سے پٹھلا جاتے ہے

وینس (VENICE) براعظم یورپ کا مطلب ہے، وینس کے باوریں جام و ساغر مشہور ہیں ان کی نزاکت کا انداز بیان سے باہر ہے دیکھ کر بے اختیار ہی چاہتا ہے کہ منا عوں کے ہاتھ چوم لے آئینہ عمر حقیقت میں عمر خیام کے کوزہ گر سے کہیں زیادہ "خالق" کے لب کا سستی ہے۔ جو گھن میں منشی ریک کو ہاتھ دھو کر شرب سے مینا کر دیتا ہے مینا سے بلوں بنا دیتا ہے بلور سے آئینہ کر دیتا ہے اور آگینہ سے آتش شیش بنا دیتا ہے جب گرم شیش آگ سے باہر آگاہی، رقیق حالت میں ہوتا ہے اس وقت آئینہ ساز اپنے دم سے جو صورت چاہتا ہے شیش کو عطا کر دیتا ہے۔ اگر کس پہلو آگ کی شیش اشدال سے خدا بھی زیادہ ہوجاتی ہے تو شیش کہلا جاتا ہے اور اپنے صورت چھوڑ دیتا

ہے۔ مرزا غالب کو رنگ اور تاثیر کے لحاظ سے آتش ٹھکن کا مقابل بیان کرتے ہیں اور سہ کی حدت اور شدت کو یوں ظاہر کرتے ہیں کہ ساغر کو گداخت سے بے صورت کئے دیتی ہے۔ بھر پکتے ہیں کہ یہی حالت میرے دل کی ہے جو ٹکرا اور اندیشہ کی آگ کی تاب نہ لا کر کھلا جاتا ہے

(۹۱)

عجب نشاط سے ہمدرد کے چلے ہیں ہم آگے  
کہ اپنے سایہ سر پاؤں سے ہے دو قدم آگے  
عجب آفتاب راہرو کی پشت کی جانب ہوتا ہے تو سایہ سامنے پڑتا ہے۔ مرزا دو پہر کے قریب اپنے عشق میں جانے کے عشق اپنے شوق کو یوں بیان کرتے ہیں کہ میرا سر پاؤں سے دو قدم آگے آگے ہے۔  
اس کیفیت کو ہر شخص نصف انسان کے بدخود دیکھ سکتا ہے۔

(۱۰۰)

رنگ و چہ میں جب اتنے زہر خم پھر دیکھے کیا ہو  
ابھی تو تخی کام و وہیں کی آزمائش ہے

قدت سے قریب قریب جملہ ہلک سہیات کو تلخ بنا دیا ہے ہندوستان میں زہر زیادہ تر خوشبو کشی کے لئے مستعمل ہیں وہ تیلیا، سنگلیا، دھندرا، انجور اور کچلہ ہیں۔ یہ سب سخت تلخ ہیں۔ اس لئے سب سے پہل مشکل ہون کا مسئلہ نکالنے کے چلا ہے زہر کا فعل معصوم کے فعل پر منحصر ہے اور ہر طلب سے چتا خمد دوران سرزیر و اطراف، امتلا انشیاں جریاں خون، عطش، صیق النفس اور القیاض و شجہ جو موت کی علامت ہیں اس وقت تک شرف نہیں ہوئیں کہ زہر سرایت نہ کر جائے مرزا اظم اور رنج کے اثر کا کیا خوب زہر سے مقابلہ کرتے ہیں۔ آغاز میں خم صرف سخت تلخ معلوم ہو سکتا ہے لیکن انجام کار رفتہ رفتہ گہرا کر مار دیتا ہے۔

(۱۱۰)

ہوئے ہیں پاؤں پہلے ہی مہسود و مشق میں زخمی  
نہ سہا گا جانے ہے مجھ سے نہ سہرا جانے ہے مجھ سے

جنگ میں اس سے زیادہ کوئی بیہوشی کا عالم نہیں جب تنگ گولیوں و بڑا داغ میں نہ گئے انسان کو رونے سے فوراً معطل نہیں کر سکتی۔ بسا اوقات شدید ہلک کھانا کی گولیاں خم معصوم میں ایک جانب سے دوسری جانب ہلک ہلک حکم سے پشت کی طرف لگی جاتی ہیں اور سوائے ظاہری غیظ و خروش کے کوئی اثر نہیں ہوتا بعض کے معصوم کے سوراخ فوراً گھونچو بند ہو جاتے ہیں لیکن دوسری جگہیں گولیاں بعض گولیاں بھی نہیں ہوتیں اور قریب قریب جھونچو بند ہو جاتی ہیں لیکن وقت ہنگام پاؤں پر گولی کا گنا غصہ ہے۔ نہ اپنے عشق نہ ہمارے عشق۔

مرزا غالب نے میدان عشق میں کہے ہیں ہو جانے کی کیا مثال دی ہے۔

(۱۱۲)

ہم ہمارے پاکستان کو ڈالتا ہے مجھے  
سب سے پہلے اس کی اصلاح نظر آتا ہے مجھے

ہر دوستان میں دشمنوں کے زمانے کو بہرے سے باغیات اختیار کرنا اور ان کے دل میں سنگ مرمر اور سنگ رزق قلم کرنا وہ درہنہ شکست و انتقام ہے جس میں جہلی شہنشاہ سے اور لوگات رختی تھیں وہیں اب جہت جلدی لیں گا کاسکی ہے جیہ دشمنوں پر۔ کافوری خمیں دوشہرہ جی تھیں وہیں اب چگنہ آگے تھے ہیں۔ بناکات نے وسعت انسانی کی تلخ رہ پڑے سے آگہی نہ کر ایک گلوب آلودگی اختیار کر لی ہے پانی کے پاس درختوں کے ساتھ جس بحر و وسعے ہوتے ہیں وہ اکثر غریبوں اور نازک تنہا ہوتے ہیں جن کی شہنشاہی کل ہونے کے باوجود پھول کے وزن سے بھی جھک جاتی ہیں اور فراتے ہوا کے جھوکے میں دھروا دھروا کرتے ہیں۔ مگر جس شلم کے وقت ان شہنشاہ کا عکس منبر سے پلاہ منبر کی طرح نظر آتا ہے اگر طبیعت پر انیلا و مشت یا ہول ہے۔ تو اس انہی سے ڈرنا کوئی عجب نہیں۔

149

دو پرچم سینہ عاشق سے آپ گینے لگاؤ  
کہ زخمِ روزگار سے ہوا بھلتی ہے

بھلا اگیا کے علاوہ کوئی اس بات سے واقف ہے کہ زخم کے خراب ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کے آسپاس ہوا لہو گر جاتی ہے جو زخم سانس دینے لگتا ہے ضرور مہلک ثابت ہو تا ہے۔

67

مثال: مری کوشش کی ہے کہ مرزا اسیر کرے قلعہ میں فراہم نہیں آسکیں گے

مصرعہ نقس کو کس نے نہیں دیکھا۔ کہیں فضا نے نامعلوم کہیں کچھ نقس جس میں یہ وہ کو پھیلانے تک کی جگہ مفتوحہ چھپ چکی ہو اور ہمدردوں کی صدا تک نہیں آتی لیکن کتنا شانہ حریت ہے یہی نامعلوم کو کششوں کا خواہستہ مگر ہوتا ہے جب حوائط ہدولہ کا زمانہ آتا ہے تو گو محض تہائی اندر قہر ہے اور تنکوں کا ہیرا کتا ہے مگر نقس نقس میں ضرور جمع کرتے ہیں۔



مرزا غائب کے کلام کی عجیب سا دلچسپی اور شہساز اور عجیب تر ہے خودی اور پرکاری اور خجائے کمال ہے۔ بعض نکلو مرزا غائب یا ننگور کے کلام کی سا دلچسپی سے کثرت مفاسط میں مبتلا ہو جاتے ہیں ان کے خیال میں یہ ہلکتا کلام ہے کہ اس میں خودی ہی کیا ہے، ہر شاعر و شاعرین کو نکلتا ہے۔ یہ ایک فریب ہے۔ ہر شخص اپنے دہن میں عین کر رہا ہے کہ وہ ان حکم اشیاء کو جو اس کے پیش نظر ہیں خوب جانتا ہے اور ان کے میں دھن بیلان اور اظہار کی قابلیت رکھتا ہے حالانکہ ہر محقق افراد کے سوا دنیا میں کوئی شخص اپنی گرد و پیش کی ادنیٰ اشیاء کی محض صورت سے کسی واقعت نہیں دیکھتا۔

ہے کہ اگر اس سے انکار کیا جائے تو اس میں وہ کائناتِ ناممکن کو کہا جاتا ہے تو اس کے دھوے کو زیادہ اعلیٰ ثابت ہوتا اور اس کا نام صرف  
 دہشتاں ہے کیا قدرت کے نظام سے اور عورتوں کے ایسا نام کو دیکھنے کی ہر شخص نگاہ کھانے کی گئی تو (IDIOFOTO)  
 اور لارنس (Lorenzette) کی سلاہ انقلابی کہیں ماز ہے کہ وہ فی ہر تمام کئی اور رنگ آمیزی کے ساتھ تصویروں  
 اگر تم کو یہ فن بد نہ کمال سکھا دیئے جائیں تو تم بھی ایسی تصویریں بنالو۔ اس غلط انداز سے میں کہی چکے ہیں۔

ہلہ لوزیہ لیز میں میں میں شاعر ہیں شامل ہے بقول فرانسس تھامس (Francis Thompson) اس کی پہلی  
 شکل ہے۔ جب مصرعہ نقل ماز بہت طائر کو ماز تصور کرنے کے لئے موقوف اٹھاتا ہے یا شاعر اس مفہوم کو میں کو ماز افاق  
 پر ہم خود آسان جانتے ہیں اور اگر تاہم یہ ماز یا ماز کے سامنے ایک نئی دنیا کی صورت میں نظر آتا ہے (جس  
 کو میں (Columb) کی مثال کو خوش اور نہایت بہتر سے دریافت کرنا چاہتا ہے میکائیل انجلو (Michael Angelo)  
 کا قول ہے کہ تصور ہاتھ سے نہیں دلائے سے سمجھ جاتی ہے یہ لوزیہ لوزیہ (Leonardo Vinci) سے خالق  
 ویلا گرا (Della Grazia) کے اسٹک نے عضائے ریا کی تصویر بنانے کے لئے کہا تو وہ کئی روز تک صبح سے  
 شام تک اپنی ہر تمام بات میں سے کھڑا اور ہر دھڑکنا میں نہ لگا یا ہم سمجھتے ہیں کہ ہم ہر تمام کو دیکھتے ہیں۔ حالانکہ ہم کو صرف ایک  
 دھندلی سی کیفیت سے زیادہ دیکھنے کی قدرت نہیں۔ سوئے فنونِ لطیفہ کے کوئی ہیں عالم کے مظاہر و ملاحظہ اور باطن  
 کو نہیں دیکھ سکتا اور اسی وجہ سے ان کا اہل نہیں کر سکتا۔

جب میں ذیل کی چیزوں کو دیکھتا ہوں تو ان کو معاً اپنی رشتہ کا قول یاد آتا ہے۔

فاذا خلیل اطبع الناس طراً

فاذا رسم اعجز المعجز یسنا

جب پڑھا جائے تو ہر شخص کو یہ خیال ہو کہ میں بھی

ایسا کہہ سکتا ہوں مگر جب دیکھا جائے گا ارادہ کرے

تو معجزان عاجز ہو جائیں۔

ابن مریم ہوا کرے کوئی میرے دیکھی دوا کرے کوئی

نہ سٹوگر پڑا کہے کوئی نہ کہہ کر پڑا کرے کوئی

روک لوگر غلط چلے کوئی جنس دوگر خطا کرے کوئی

کون ہے جو نہیں ہے عاجز کس کی حاجت روا کرے کوئی

کیا کیا فخر نے سکڑ سے اب کے رہنا کرے کوئی

جب توقع ہی اعلیٰ صائب

یہوں کسی کا غم کرے کوئی

پھر اس انسان سے بہارائی کہ ہرے ہر و مر شاں



دیکھو اسے ساکن بن خطِ خاک اس کو کہتے ہیں غلامِ آرائی  
 کہ زمیں ہو گئی ہے سرتاسر دو کشتی سطحِ چرخِ مینائی  
 سبزہ کو چپ ہمیں جنگ نہ مل بن گیا اونٹے آبِ ہر کائی  
 بہترہ وطن کو دیکھنے گئے چشمِ نرگس کو دی ہے مینائی  
 ہے ہوا میں شراب کی تاثیر بادہِ نوشی ہے بادہِ چھپائی  
 کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالب  
 شاہِ دیندار نے شفا پائی

کوئی امید پر نہیں آتی کوئی صورت نظر نہیں آتی  
 موت کا ایک دن میں ہے نیند کیوں راتِ بھر نہیں آتی  
 آگے آتی تھی حالِ دل پر نہیں اب کسی بات پر نہیں آتی  
 جانتا ہوں ثوابِ طاقتِ مذہب پر طبیعتِ ادھر نہیں آتی  
 ہے کچھ ایسی ہی بات پر چپ ہوں وہ کیا بات کر نہیں آتی  
 ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی کچھ ہماری خبر نہیں آتی  
 مرتے ہیں اگر زور میں مرنے کی موت آتی ہے پر نہیں آتی  
 کہیں کس منہ سے جاؤ گے غالب  
 مشہور نام کو مگر نہیں آتی

دلِ نادان تجھے ہوا کیا ہے آہزاسِ درد کی دوا کیا ہے  
 ہم یہی مشتاق اور وہ بیزار یا ابھی یہ ماہر کیا ہے  
 میں بھی منہ میں زبان دکھا ہوں لاشِ بچھو کہ مذا کیا ہے  
 جب کہ تجھ ہی نہیں کوئی مرید پھرے ہنگامہ خدا کیا ہے  
 یہ چہرہ چہرے لوگ کیسے ہیں غمزہ و عشوہ دار کیا ہے  
 شکنِ زلفِ منہریں کیوں ہے تجھ پر چشمِ سرور سا کیا ہے  
 سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے  
 ہم کو ان سے وفا کی ہے امید جو نہیں جانتے وفا کیا ہے  
 ہاں صہلا کر خرا صہلا ہو گا اور درویش کی صدا کیا ہے  
 جان تم پر نہ رکتا ہوں میں نہیں جانتا دغا کیا ہے

میں نے مانا کہ کچھ نہیں، غالب  
معذرت دے آئے تو بڑا کیا ہے

عشق کد کڑی وحشت ہی تھی میری وحشت تری شہرت ہی تھی  
قلعہ کیجے و تعلق ہم سے کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی تھی  
میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی اسے وہ مجلس نہیں غلو تھی  
ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے جہیز کو آج سے محبت ہی تھی  
اپنا ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو آج بھی گرجیں غفلت ہی تھی  
کچھ تو دے اسے قلب نا اصفان آہ و ہنر یا وہی رخصت ہی تھی  
ہم کوئی ترک و فاکر تھے نہ بھی عشق مصیبت ہی تھی  
ہم بھی تسلیم کی غزل، میں نے بے تیاری تری عادت ہی تھی

یار کے پیڑ پھل جانے استبد  
گر نہیں وصل تو حسرت ہی تھی

کوئی دن مگر زندگانی اور ہے اپنے ہی میں ہم نے مٹائی اور ہے  
آتشِ طوفان میں یہ گرمی کہاں سو زخم ہائے نہانی اور ہے  
بار بار دہائی ہیں ان کی رہنمائی پر کچھ اب کے سرگشتی اور ہے  
دے کے خط مانہ دیکھتا ہے نامہ میر کچھ تو چین نام زبانی اور ہے  
مت چے اعمار ہیں اکثر بزم وہ بلائے آسانی اور ہے

جو پہلی غالب بلائیں سب تمام  
ایک مرگب نا گہانی اور ہے

اب اس متن سے قطع نظر شکل اور غلط انداز پر غور کیا جائے تو دلچسپ تر صورت ہے کہ جو لوگ کرم مشعل  
فرش و حق پر بدنے کے عالمی ہیں وہ ان لوگوں کی پاک اور خوف کھیز سرست کو کیا جان سکتے ہیں جو شوہن لطیف کی سرو اور  
بے دماغ خوف سے ڈھکی ہوئی مرتع پر غنوں میں گھست لگا دے ہیں۔

کانٹلے اپنی کتاب (KRITIK DER REINEN VERNUN URTHEIL SKRAFT)

میں خوب کہنے کی ریت سے اشعار ایسے جوتے ہیں جن میں ہر آزاد من بہتا ہے۔ وہ مجھوں کی طرح اپنے حق پر جان  
کرتے بلکہ اپنی خوشبو سے شام جاں کو سرور کرتے ہیں۔ اگر ان کی فکر کرنے اور ان کے مطالب کے دریافت کتنی کوشش

کی جہانے تو وہ کوشش ایسی ہی ہوئی جس طرح کوئی شخص پہرہوں کی خوشبو کو ہانے کی فرض مہمان کی بیوی کو کوڑ کر بیٹھ کر کہہ دینا اوقات انسان پر ایک کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اس کیفیت میں خواب کی اس حالت ہوتی ہے خواب میں تھیلہ اور اک پے غالب کہنا ہوتا ہے اور عیب پے لفظ پر خاص مطلب مظاہرہ ہوتا ہے۔

پال وریس (PAUL VERLAINE) کی مشہور نظم میرا خواب (MON REVE FAMILI) -  
ERV2 - روزانہ منظر ذیل کے قدرے کسی قدر مشابہ ہے۔

نغمہ دشاوب رنگ و ساز دامت طرب

شیشے سے سرو بہز جو سہارا نہ ہے

غالب فتنہ کوئی کی طرح وہ شاداب اور ساز کوئے نگہ کی طرح مست تیرا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شیشے سے سرو دنگ جو تیرا پر ایک سر پر ہے۔

یوہیر (BAUDELAIRE) لکھتا ہے کہ شاعرانہ کیفیت میں ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب تمام جوش نہایت دور بہت اثرات پذیر اور ذکی احساس ہو جاتے ہیں۔ آنکھیں پردہ ابد تک دیکھنے لگی ہیں پر شور و مگالت میں تنہا سے غصہ آواز کو کان سے سننے لگے ہیں اور شور سے بالکل نا آشنا رہتے ہیں۔ اشکال خیالات واقع ہوتا ہے اور جس قدر اشیائے عالم اپنی صورت سے ہوا اوقات دوسری صورتوں میں ملبہ ہو جاتی ہیں اور خیالات میں اشکال حل اطلاق تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ قدریں رنگیں معلوم ہونے لگی ہیں اور رنگ میں فتنہ پیدا ہوتا ہے۔

غالب کو شاداب اور ساز و آواز اور فتنہ آوازوں اور تمام سرو بہز نظر آتا ہے لیکن غالب میں یہ کیفیت نہایت متحول انداز اور صحیح حد تک ہے۔ ریمبو (RIMBAUD) کی طرح اس حد تک نہیں پہنچا کہ جس طرح سرو و قی خروف کے احوال میں مشغول رہا کرتے ہیں وہ حروف ہیں ایک خاص رنگ پاتا ہے۔ چنانچہ کہتا ہے

ANNOIR, EBLANE, IRROUGE, UVERT, OBLEW, VOYELLES

غالب کا اس انداز کا کلام سب سے زیادہ قریب قریبی شاعر ملتا ہے (MILLARME) سے مشابہ ہے۔

نغمہ آفرش دوتا بندہ بدوش دیتا ہے مائیکو

ہرانا بدوش اپنا قلم صرصر کا مر جاں ہے

کہے ہے وہ ترے لب سے کب رنگ فوٹا

خبط پیالہ سراسر رنگا گل چیں ہے

بھا ہے گردنہ ٹخنے ناہا ہے بیل زار

کو گوسیش گلیم شبنم سے چڑا گیس ہے

پر ہمدانہ مشابہ بادیاں کشی سے تھا

ہوئی مجلس کی گرمی سے روان دور سا غری

مے کوہ گر چشم مست ناز سے پاؤں شکست  
موتے شیش دیدار سافر کی شرکانی کرے

قطرے سے میں کہ حیرت سے نفس ہوا ہوا  
خط حجام سے سرا سر رشتہ گو ہر ہوا

ذکی سامان پیش و جاہ نے توجہ و مشت کی  
ہوا حجام زمرہ بھی مجھے داہنہ پیش آخر

لیکن شاعرانہ جذبہ اور دھماکا میں ایک ایسی کیفیت بھی واقع ہوئی ہے جس کو سرشی کے حروف کبہا نکلتا  
ہے جس میں شاعر آفتاب و ستارے کو اپنے کف دست میں اٹھا لیتا ہے۔ اس بے خودی کے عالم میں مرزا نے کلام خدیں  
کیا ہے۔

مرزا کی دیوانگی جرمیں دیرانے شاعر ایفروڈیم برٹ (ALFRED MOMBERT) سے کچھ کم نہیں  
مام برٹ اپنے جنون میں کہتا ہے۔

DA MOND UND SONNE DUREWIG KALTIST,  
UND DIR DAS STERNENGEWOLBE EWIG AIT ITS,  
UND IN DER FINSTERIMS ZERREIST DEIN GANGY,  
LAUCHE MEINEM GEASANG.

مرزا غالب فرماتے ہیں۔

ہی نوال آما وہ اجزا آفرینش کے تمام  
ہر گردوں ہے چراغ رہ گزار داؤدان

مرزا اور مام برٹ دونوں تعلیمات کی بنیادیں میں داخل ہوئے ہیں اور سکندریہ کی انہی منزل سے بھی آگے چلے  
گئے ہیں لیکن مرزا کی سلامت فطری طرح داپس آگئے ہیں اور وہ غریب عیش کے لئے وہیں بٹ گیا ہے۔  
فیورزش نشے اپنی تعریف "بقول زردشت میں نکلتا ہے

"ہی شعراء سے جنگ ہوئی تشریح شعراء سے اور جدید سے وہ  
سب پلای پائی میں ہیں، ان کی مثال خشک دریاؤں کی سی ہے، ان کا  
تخلیل حق سے خالی ہے، ان کے احساسات سطحی ہیں، تپیش اور دغوی کے  
چند جذبات کے سوا ان کے دلوں میں کچھ نہیں۔"

مرزا کی شاعری اس الزام سے مطلق بری ہے۔ غالب کدال ایک آئینہ ہے جس میں ہر نظر انہی اور منظر قدرت

کا جملہ موجود ہے اس کی زبان ترجمان حقیقت ہے، اس کے ہر کارٹیکل کا دائرہ امکان سے ہم کنار ہے۔ عالم کو ہر دو فساد میں ایک ڈس کے جنبش بھی اس کے حلقہ غور سے ہم نہیں ہے۔ غالب ایک فلسفی ہے جو شاعری کا جامہ زیب تن کئے ہوئے ہے۔

غالب وحدت الوجود کے قائل ہیں وہ خدا کو ہر سو سے غلطہ نہیں خیال کرتے بلکہ ان کا مذہب ہمارا ہے۔ فلسفہ میں کوئی سوال اس سے نرلا مشکل نہیں کہ دنیا کی آفرینش کس وجہ سے ہوئی ہے۔

غالب اس کا جواب دیتے ہیں اور کہتے ہیں

دہر بزم مہلو کا بخت آئی مشوق نہیں

ہم کہاں ہوتے اگر حسں نہ ہوتا خودی

مباد عالم میں ہے اور حسں کو تشائے اظہار ہے اس لئے دنیا عدم سے وجود میں آئی ہے دنیا ایک آئینہ ہے جس میں حسں ازل خود ہیں ہے یہ خیال مرزا غالب کا اپنا خیال نہیں ہے بلکہ اسلامی شعور کا نتیجہ ہے مگر جس خوبی کے ساتھ مذکورہ بلا شعری مرزا غالب نے اس کو ظاہر کیا ہے مولا عبد الرحمن جانی کے علاوہ کسی نے اس خوبی سے اس کو نظم نہیں کیا۔

اہل تصوف نے اس راہ کو جو طلب کو مطلوب یعنی تک سے جاتی ہے تین عوارضیات واسطوں میں تقسیم کیا ہے۔ اہدائی عالم ہمارا ہے اس میں ذہنی اسرار حق کے رازوں کی عقدہ کشائی کرتا ہے۔ اور عقل راہ معرفت کا دروازہ کھلتی ہے۔ غالب عالم ہمارا ہے کہتے ہیں

مرد جلدہ دوسرے ہے جو مژگان اطمینان

طاقت کہاں کہ دید کا اماں اطمینان

بلکہ خود ہے جان اور جاہد ہے اور جو جہاد کو تحریک و جنبش میں لاتی ہے وہ حرکت ہے مگر حرکت خودی ذات سے اگر جنبش کی قدر سے نہیں دیکھتی جب تک کہ متعین نہ ہو۔ اگر حرکت میں کلدہ نہ ہوگا تو دنیا عالم ناسد سے عالم کن میں نہ نکلیں علت العلل وہ ذات یا طاقت ہے جو حرکت کے پس پشت حرکت کو تعین دیتی ہے۔

ہے کائنات کو حرکت ترے ذوق سے

ہر ذوق سے آفتاب کے ذریعے میں جاں ہے

ہے تپتی تری سہ ماہان وجود

ذرتہ ہے ہر تو خود مشید نہیں

عالم وجود سے عالم لامریت کا راستہ وہی تپتی ہے۔ اعلم غالب الکبر میں قدر علم میں تبادلی ہوتی جاتی ہے لامریت سے لامریت ہوتا ہے۔ شراب کا عطر آنکھ سے نکلا کر ناز اس سے وقف ہونا آسانی ہے بلکہ اگر اکثر غور میں سے اس کا شاہد کیا جائے تو وہ ایک آتش کوہ معلوم ہوگا جس کی کیفیت کو مطالعہ کرنا ناممکن ہے جس قدر

حقیقت عالم پر وہ سے مدغم ہیں اُکی جاتی ہے وارثِ نابینا ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک دھامِ حیرت اور استغراق کا عالم  
طلقی ہو جاتا ہے، مرزا غالب نے اپنا اس کیفیت کو جس غزل کے اپنے کلام میں بیان کیا ہے۔ اس کی مثال موجود  
ہی نہیں ہے

اصلِ ظہور، شاید و مشہور و ایک ہے  
جہاں ہوں پھر مشاہیر ہے کس حساب میں

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجد      پھر یہ جنگِ سارے خدا کی ہے  
یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں      غمزہ و عشوہ واد ا کیا ہے  
مشکین زلفِ عنبریں کیوں ہے      نگہِ چشمِ سرور سا کیا ہے  
سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں  
اگر کیا ہی جز ہے ہوا کیا ہے

ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے      ہر تجھ ہی کو کوئی شے نہیں ہے  
ہاں کھائیو مت فریبِ جتنی      ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے  
ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب  
آخر تو کیا ہے، اسے نہیں ہے

وادیِ حیرت کا راستہ بنائیت پر غور ہے۔ بہت سے طالبِ حقیقت اس سے آگے نہیں پہنچ پاتے،  
یہ مراب اور تشنہ لہی کی کیفیت ہے سے

صفائے حیرت آئینہ ہے سامانِ رنگِ آفر  
تجربہ آبِ برجا مانرہ کا پائے رنگِ آفر

لیکن جواہرِ ظہور ہیں وہ بدرِ ویرقت اس وادی کو طے کر جاتے ہیں۔ مرزا غالب جب اس کیفیت کو  
جب یہ محاب ان کی نگاہ سے رفتہ رفتہ اٹھارہا ہے، لہی بیان کرتے ہیں:

کثرتِ آرائی و عدوت ہے پرستاری و ہم  
گردِ آفرانِ اہتمامِ خضیاں نے لکھے

آہستہ آہستہ معلوم ہونے لگتا ہے کہ یہ جنگِ سارے پری چہرہ لوگ، یہ غمزہ و عشوہ واد ا، یہ شکن زلفِ عنبریں  
یہ نگہِ چشمِ سرور سا، یہ سبزہ و گل، یہ ابرو ہوا، اہتمامِ خضیاں ہیں، اس کثرت کا تسلیم کرتا ہرستاری و ہم ہے۔  
حقیقت سب کی و عدوت ہے جب طالبِ حقیقت سے دوچار ہو رہا ہے تو من و کو گے استغراقِ ذاتِ معطی جلتے  
ہیں اور انفرادیتِ خضر کا فرق باقی نہیں رہتا ہے

نظرہ دریا میں جوں جیسے تو دریا ہو جائے  
کام اچھا ہے وہ جس کا کہ سال اچھا ہے

منصور کا لفظ الحق پکارنا، اور پانچویں لفظی کا یہ کہنا کہ ضمیر سے ملوس میں ہے اسی کیفیت کا ثبوت ہے۔ سرمد کی طرح مرزا غالب کہتے ہیں،

جلا دے ڈرتے ہیں نہ وہ غلط سے جھڑکتے  
ہم کہے ہوئے ہیں اُسے جس میں ہمیں یہ آئے

وحدت الوجود کا مسئلہ تصوف سے مخصوص نہیں، معتزلہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ فیضان دمشق، دامن ابن عطاء عمر بن عبید، مادہ، روح اور غذا، تینوں کو ازلی اور ابدی خیال کرتے ہیں۔ خود فلسفہ قدیم و جدید میں یہ ایک مرکزی الماریہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ فلسفے کے جملہ معارف و مفرق میں تقسیم ہیں۔ وحدت الوجود کے قائل کہتے ہیں کہ تمام عالم مادی کو تشکیل دیا جائے تو ایسا ضرر ہوتا ہے اور ایسا ضرر تشکیل ہو کر خیال و خیالی تخیل ہو کر صرف سبب الاسباب یا تو رہ جاتا ہے۔ انال کی نیکی اور بدی ممکن تعلق مادی کی وجہ سے نظر آتی ہے ورنہ جو شے ایک کے خیال میں نیک ہے وہی دوسرے کے خیال میں بد ہے۔ بالذات نیکی اور بدی کا وجود نہیں۔ توحید کے قائل خدا کو فائق اور ماحول اسے مخلوق خیال کرتے ہیں۔ خدا دنیا سے بے تعلق اور آزاد ہے۔ شریعت کے پیرو نیکی اور بدی کو اہرمین اور یزداں کی مثال ہمیشہ مصروف دیکھا جاتا ہے، مادہ اور روح کو متحد بالذات نہیں بلکہ مختلف لفظ آتے کہتے ہیں۔

جدید ترین فلسفہ اور حکمت کی تحقیقات وحدت الوجود کی طرف مائل ہے۔ اسپینوزا (SPINOZA) کا قول نہایت مسلم ہے۔ حکمت میں (HECKEL) کا فلسفہ ان الفاظ میں بیان ہو سکتا ہے: "عالم کا نام نقد و نسبہ ایضاً ہے۔"

موجودہ زمانے میں سب سے اہم تحقیقات مسئلہ ارتقاء ہے اور سائنسوں کی کتب ماضیہ میں بھی یہ مسئلہ موجود ہے اور انسانی، پرنسپل سینا اور خصوصاً الحسن کے نام سے منسوب ہے اور ہنڈلر کے کتب خانے کی کتابوں کے باوجود اطلاق نامہری، رسائل، افغان، الحفا، قرآن، لاهتر، مشنری معنوی و دنیوی میں اس کا ثبوت مرہم رہے۔ لیکن واقعات کے لحاظ سے اس کا خسر زمانہ جدید ہی کو حاصل ہے۔ ڈارون اور مرزا غالب ہم عصر ہیں۔ گوڈوئی کی ایک دوسری کتاب بھی علم نہ تھا۔

مسئلہ ارتقاء کے متعلق ایک عجیب بات یہ ہے کہ ڈارون (DARWIN)، اسپنسر (SPENCER)، رسل ہامس (WALLACE)، ہیکل (HECKEL)، وایزمان (WEISMANN)، شٹل وغیرہ نے تقریباً ایک ہی وقت میں ایک دوسرے سے آزاد طور پر اس کا پتہ لگایا۔ میرزا نے یہ ہے کہ ہر عہد کی روح العصر ممتی ہے جس کو المانی ZEITGEIST کہتے ہیں، وہ روح القدس کی طرح حسب ضرورت زمانہ انسان کو تسلیم کرتی ہے۔ مرزا غالب نے بھی مسئلہ ارتقاء کو پہچانا ہے۔

لوٹ نے (LOTZE) کا بیان ہے کہ عالم کی یہ کیفیت ہے جس طرح بچہ رفتہ رفتہ مٹاؤں پر مٹاؤں  
نہو پڑے جو کتنا دور درخت ہو جاتا ہے، یہ "جان عالم ہے۔

فان ہارٹ مان (VAN HERTMAN) اس کا قائل ہے۔ زمانہ جدید کا سب سے بڑا فلسفی برکس  
(BERGSON) اس کو جانتا ہے اور کہتا ہے کہ حیات جو تمام عالم میں چاری ساری ہے بالذات آماؤک ارتقاء  
ہے۔ دنیا بڑا ترکیب پارچہ ہے اور مشتعل ہے۔

مرزا غائب نے اس بات کو کسی نزاکت سے کہا ہے

آرا نشیں جمال سے فارغ نہیں ہنوز

پیش پیش نظر ہے آئینہ وانم نقاب میں

یعنی معشوق عالم جو موجودات کے نقاب میں پناہ ہے براہِ اپنی جہاں دانی میں مصروف ہے اور آئینہ  
نقاب ہی میں ہے۔ ہونے اپنے غائب کو درست گردا ہے جب عالم نکلیں کو پہنچے جانے لگا تو نقاب اُٹھ دے گا۔

عالم کو دیکھتے ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی کس چیز کی ہے مشش جہت آراستہ ہو رہے ہیں اور منتظر ہیں

کس کا سراغ ملے ہے حیرت کو اسے خدا

آئینہ فرشت مشش جہت انتظار ہے

(۱۱)

غائب عالم کو مایا خیال کرتے ہیں

باز بچہ افعال ہے وغیا میرے آگے

ہوتا ہے شب و روز تھا سرے آگے

بز نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور

بز وہم نہیں ہستی اشیا میرے آگے

یہ اپنے دل کی قدیم تعلیم ہے لیکن ہندو عالم طور پر اس کا مفہوم غلط سمجھتے ہیں، اور خیال کرتے ہیں کہ عالم  
کا وجود ایک فریب نگاہ ہے۔ ایک دشتِ سراب ہے جو خواب میں نظر آتا ہے۔ ایک خواب ہے جو چشم کو عالم دویا  
میں دیکھتی ہے۔ میرزا غائب کی حقیقت میں عقل اس منہ خط سے آراستہ ہے۔ غائب لفظ ہستی کو بیش مادہ کے معنی میں  
استعمال کرتے ہیں۔ عالم تمام اجسام خارجی سے مملو نظر آتا ہے اور فائیت لطیف غازیات سے لے کر فائیت گزلیات غزوات  
تک ہر امر کے پر ہے۔ مادہ کا وجود منہ بالاعتیاد ہے بالذات نہیں۔ زندگی کی حقیقی جانمٹی چلتی پھرتی تصویریں حرکات  
اصوات الوان کوئی وجود نہیں رکھتیں جب تک کہ ذہن ان کا ادراک نہ کرے۔ وجود کی بنا تصور پر ہے۔ یہ تصور کوشش  
سے آلا ہوتا ہے۔ میں نے اس پر یہ اعتراض عالم کیا ہے کہ فرض کرو کہ ہم اپنے دوست کو جو موجود نہیں اپنے پہلو  
میں موجود تصور کریں تو اس فلسفہ کی روش سے اس کا غائب اور حاضر ہونا مساوی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ متفید کی حدود



سے کسی تصور کا قائم رہنا ایک ملام اور مستقل کوشش پر منحصر ہے۔ جب تک کم اپنے دوست کا خیال کرتے رہیں گے اور جتنی تعلیمات اور سنت سے تئیں کو کام میں لاؤ گے وہ نقش قائم رہے گا۔ چنانچہ خیال اس نقطہ سے آزادی اختیار کرنے کا نقش کو برقرار رکھے گا۔ بنوٹ اس کے موجود امشیاء کا تصور کوشش سے آزاد ہے۔ دوسرا اثر ان ہی یہ کیا جائے گا کہ اگر تباہی فلسفہ یہ ہے کہ جہاں سے وجود سے عالم مادی کا وجود ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ تباہی کا تصور خود دنیا کو ختم کرنے سے لگا اس کا جواب یہ ہے کہ وہ "سے جہاں مادہ کو اپنے تصور سے قائم کیا ہے وہی یہ بھی معلوم کیا ہے کہ خود اس سے محاش اور بہت سے مادہ وجود ہیں جو میری طرح سے قابل اور فیکر ہیں۔ بہت سے مظاہر جو اس کے اثر اور اقتدار سے باہر ہیں۔ اس کے اثر اور اقتدار میں ہیں۔ تمام مادہ میں ہیں خود میل ہم اور جتنی نوع کے احیاء شامل ہیں بے جان اور بے کالی ہے۔ وہ روح، وہ دماغ، وہ خیال، وہ ایمان پر قابل ہے حقیقت ہے۔

غالب کا فلسفہ پس نوز (SPINOZA) ہیگل (HEGEL) کے (BERKLY) اور فیشے (FICHTE) سے ملتا ہے۔ حکمت کی رو سے بھی حق غالب کا خیال صحیح ہے مادہ سالمات سے مرکب ہے اگر پانی کے ایک قطرہ کو کرنا راض کے برابر خیال کریں تو اس کے سالمات چوکان کی گیند سے بڑے ذروں کے تمام سالمات نقصان حلقوں کی مثال ہیں۔ سالمات اجزاء سے مرکب ہیں، جواب اگرچہ خیال نہیں کئے جاتے بلکہ جو ہر رقی سے مرکب ملے جاتے ہیں۔ ہر چیز کو اگر ایک کیسیا سے مشابہ خیال کریں تو بقول سراہور (LUGER) یہ جو ہر کیسیا میں ڈٹی ہوئی مکھیروں کی مثال ہیں اگر ان کو تحلیل پھر تحلیل کرے تو ان کی ساخت ملے کہانے اٹیرے ہوئی ہے اور اگر اٹیرے حلقوں کی گڑھ کھل جائے تو محض میمال باقی رہ جائے گا۔

ہستی کے مت فریب ہیں آجیا یو اسد

عالم تمام خلقت دام خیال ہے

وہ کیا چیز ہے جس نے خیال کو حقیقت میں اپنے کی میں ذات پاری ہے اس پر آمادہ کیا ہے کہ وہ مادہ کے مختلف مادی لباسوں میں جب بدرجہ جلوہ گر ہوتا ہے۔ جمال انہی اگر وہ تعاضلے اظہار میں وجود پاتا ہے تو وجود مادی کیوں اختیار کرتا ہے۔ اس کا جواب مرزا غالب کے سوا آج تک دنیا کے کسی فلسفی نے نہیں دیا اور وہ جواب یہ ہے۔

لطف بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی

بچہ ڈنگا رہے آئینہ بام بہاری کا

یہی باعث ہے کہ بقول اسپنسر (SPENCER) مادہ خواہش اشیاء سے مختلف اشیاء کی نگہوں کے لئے آزاد حالت سے لازم کیجئے کی طرف چلتا تھا عالم مواد میں پائدار جس قدر مادی سے بناؤٹ کی طرف بڑھتے ہیں اور اعلیٰ درجہ پر آتے ہیں وہ گہر حکمت کے خمیر میں کثافت زیادہ ہو جاتی ہے یہی باعث ہے کہ شاعر کے دل کو راجی کھوئی ہوئی لطافت کے حاصل کرنے کے لئے علم کی آگ میں جلتا پڑتا ہے۔

غالب ان لوگوں میں نہیں ہیں جو حدود کے قائل ہیں اور ان کے سامنے اظہار عجیب کر کے رک جاتے ہیں وہ بلاویں کی طرح یہ نہیں کہتے کہ حقیقت عالم پردہ خلیب میں نہیں اور جہاں ہے اور علم کے اعلا سے باہر ہے وہ حافظ کی طرح چوٹی

کا اظہار نہیں کرتے تھے

ایں رازنہاں ست و نہاں خواہد ماند

بلکہ وہ کہتے ہیں کہ دل دانہ و چشم بیتا کے لیے کوئی راز نہیں ہے

محرم نہیں ہے تو ہی تو ہائے راز کا

ہاں و رنہ جو حجاب ہے ہمہ ہے ساز کا

گوش شنوا کو ہر وقت پیغام حقیقت پہرچتا رہتا ہے۔ عالم کا کون دشاوین رات ہماری آنکھوں کے سامنے واقع ہوتا

ہے جو عالم سکون میں نظر آتا ہے وہ بھی چشم بیا کو بینکے سا دکھائی دیتا ہے

خفہء شگفتہ ہا برگ حاجت معلوم

با وجود دل بھی خواب گل پریشاں ہے

اور جو عالم ارتعاش کیف اور تحریک میں دکھائی دیتا ہے وہ بھی بیست ذخیرہ کون ہے

کٹ کٹ ہائے ہتھ سے کہے کیا سن آتا ہے

ہوائِ ذخیرہ موج آب کو فرصت روانی کی

یہ کون دشاوین صاف چمکا ہے کہ کوئی صورت نکلا اس پردے کے عجب میں موجود ہے

نقش فرطی ہے کسی کی شوقی تحریر کا

کاغذی ہے ہر پتہ ہر پیکر تصور ہر کا

جب میں خلاب کی لطیحات اہستہ پر نور کرتا ہوں تو مجھے حیرت ہوتی ہے کہ فلکیات کی ایک جہیز قرین حقیقت

نیلا کی جاتی ہے مشاہدے سے زیادہ ریاضی کے تخمینوں پر مبنی ہے کہ اگر ہم فضا کے سماوی کے سبب سے آخری ستارے

اور سیارے تک پہنچ جائیں تو وہاں سے آگے ہیں دیے ہیں ستارے اور سیارے نظام ہائے شمس قزاق وغیرہ موجود ہیں۔

آہا و فغا بھی ہے اندازہ ہے اور نہیں معلوم کے فضا کے اندر کبھی شروع اور ختم ہوتا ہے

منظر اک جلد ہی ہر اور ہم بنا سکتے

ورشش سے ادھر جوتا کاش کہ مکان اپنا

معلوم یہ حقائق میرزا خلاب نے جھلسن مسعودی اور مرخام کے مطالعے سے اخذ کیے یا وہ اپنا وقت دہلی

کے جہز مسٹر میں گزارا کرتے تھے اور جہازوں کی طرہ (جو ستارہ بین میں مرا) فلکس بھائی کیا کرتے تھے یا علم ریاضی کے

ذریعے انہوں نے اس کا پتہ لگایا یا ان کی نگاہ خلیل خود بخود پیا تھی۔ کاشٹ (KANT)۔ لاپلاس (LAPLACE)

اور ہرشل (HERSHEL) اور ان کے جاننے والوں سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ فضا ہائے فلکی کی

آفرینش ایڑ سے اس طرح ہوئی جس طرح کسی مخلوق سے نکلنے جو گوشت میں مائل ہوتے ہیں ٹوٹ کر علیحدہ ہو جاتے ہیں

یہ جیسے کئی گن جنم کو پہنکتا ہے میرزا خلاب کو طور شید کی نسبت یہ کہاں سے معلوم ہوا

چھوڑا نہ خورشید کی طرح دست تقدیر

خود مشید ہنوز اس کے برابر نہ ہوا تھا

جس شخص کی نگاہ سے ستاروں کی آنکھیں جلتی تھیں اس کے لئے جغرافیہ جدید تحقیقات کیا حقیقت رکھتی ہے چکا  
بکسرِ گردِ بکسر نہ ہوتا تو سبیا باں ہوتا

(۱۲)

مرزا غالب کی عبادت گاہ وحش و کرس کے سامنے میں ہے وہ شیخ جس پر وہ اسمائے انبی کا ولید پڑھتے ہیں مسو  
ہزار دانہ ہے اور وہ دانے اجرام فلکی اور اجسام سماوی ہیں۔ کعبہ اور کلیسا اور کنشت اس رفیع بارگاہ سے یکساں نظر آتے  
ہیں بھلایا عوام و خواص کا مذہب تھیں جو عالمکے مرزا کا مذہب آغاز ہوتا ہے

ہے پرستے سرِ خدا و راک سے اپنا سجدو

قبیلہ کو ابنِ نظرِ قیلہ نہ بچتے ہیں

ذاتِ خداوندی گو جملہ مذاہب کا مقصود ہے خدا تعالیٰ خود طریق و ملت کی قید سے آزاد ہے مرزا غالب بھی کس

ارضی مذہب کے پابند نہیں بلکہ

I SIT AS GOD HOLDING ON FORM OF CREED BUT CONTEMPLATING ALL

ان کو ہر مذہب کا اس قدر پاس ہے کہ انہوں نے سب میں شرکت کی خاطر تمام کاہری رسوم کو جو باعثِ اعتقاد ہیں

شرک کر دیا ہے ہم کو خود ہی ہمارا گیش ہے ترک رسوم

مذہبیں سب مٹ گئیں اجڑا کے ایمان ہو گئیں

ان کی طلب اور آرزو دوزخ کے عذاب کے خوف اور جنت کی لذت کی حرص سے آزاد ہے

ساقشِ گرہ ہے تا ہذا س قدر جس پہ رخِ روض کا

وہ اگ لگات ہے ہم بے خودوں کے قابِ نیاں کا

جنت فی الحقیقت عوام کے لئے ایک خوش آئند خیال ہے

ہم کو معدوم ہے جہنم کی حقیقت لیکن

دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

حقیقہ بہشتِ قربِ الہی اور حقیقی جہنم بد خداوندی ہے

سمتے ہیں جو بہشت کی تشریف سب درست

لیکن حسد اگر سے وہ تری سلوہ گاہ ہو

اگر جنت کی ہواؤ ہوس دوزخ کا خوف دہراس دل پر غالب ہو تو مصیبت میں مصیبت ہے۔ یہاں تک کہ اگر  
غالب کو یقین ہو کہ اس کی محتاجات درجہ قبول ضرور حاصل کرے گی تو یہ خیال ہی سجدہٴ نیاز کو باطل کر دینے کے لئے  
کافی ہے۔

مگر تیرے کہے بقیہ اجابت دعا نہ مانگ

جنت اور دوزخ اور امید و بیم عارفِ عشق حقیقی اور معرفتِ ایزدی ہیں۔ انکارِ کبر کسی مقام پر نشتر  
ہی جہاں سے یہ فتنہ ہوا درخیز مالا سے

طاقت میں تا رہے نہ سے و انجیب کی لاگ  
دو زخ میں ڈال دو کوئی نے کہ بہشت کو

اس پلے کے لوگ حبیبِ سفرِ کعبہ کو نکلے ہیں تو کعبہ خود ان کے استقبال کو آتا ہے اس جادو پیاپی کا جو سفر  
نیاز میں ہے ایک قوم اس مقامِ زندگی کی مسافت سے جو سفرِ نمازیں ختم ہو گیا وہ ہے۔ ایسے آؤر گا کہ کوئے صنم  
کی خورانی کا کیا کہنا ہے۔ عمرِ فایم کہتے ہیں کہ جب قیامت میں مجھ سے سوال ہوگا تو میں کہوں گا خط  
ایں رہا ہے کہے بخترِ انا نہ شناسد

مرزا غائب جو وہی رہتے ہیں کہ سے

ہندگی میں بھی وہ آزادہ و خود ہیں مہیا کرم

اُٹے پھر آئے در کعبہ اگر وا نہ ہوا

کیا محب ہے کہ حضور و نورِ مشرق میں یہ عرض کریں سے

آئیںے داغِ حسرتِ دلی کا شمار یاد

مجھ سے مرے گئے کا حساب اسے خدا نہ مانگ

ناگروہ نما ہیں کی بھی حسرت کی سٹے داو

یارب اگر ان کو وہ گناہوں کی سزا ہے

جو مہابت اس درجے پر پہنچاتی ہے وہ قیدِ کفر و دیہ سے آزاد ہے وہ عشقِ کامل ہے سے

دعا داری بہ شرطِ استواری میں ایمان ہے

میرے بہت خانے ہیں تو کہے ہیں گاڑو برہمن کو

(۱۳)

انسان کی اصل مرزا کے خیال میں علتِ اسفل سے ایک ہے اور حیات اس کا اپنے میا سے جدا ہو کر دنیا

میں آتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں سے

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا

دروید مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

انسان کا عدم سے وجود میں آنا بھرے قطرہ ہوجانا ہے۔ مولانا روم نے فرمایا ہے کہ : میں "نئے" ہوں جیسا میں وہ سرود نواز عالم صوفی سرمدی دم کرتا ہے سے

از نیستان : مرا۔ بیریدہ اند

از تعمیر مرد و زن تالیفہ اند

مرزا غالب کہتے ہیں سے

نہ کل نندہ ہوں نہ پردہ ساز

میں ہوں اپنی شکست کی آواز

مرزا غالب کا فلسفہ حیات اپن رشتے مشابہ ہے۔ اندلسی فلسفی نے بیان کیا ہے کہ مادہ ہمیشہ حیوانی کا محتاج ہے۔ بے صورت مادے کا تصور ناممکن ہے۔ حیوانی اور ارجح کی طرح مادے سے صورت پیش ہونے کے لئے پریشان علیحدہ تصور میں نہیں پھرتے بلکہ مادے کے یک جان ہیں۔ مادہ چمگو سا غل ہے۔ مادے کے جذب حیات ہونے سے کثافت اور خزاں عالم ایسا م میں راہ پاتا ہے۔ مادے کے ذریعے نواں اور انخطا طابت کا سے کیا جنو بدی ہو جاتے ہیں سے

مری آئیر میں مغز سے اک صورت خزان کی

بیرونی برق غریب کا ہے خون گرم دہقان کا

منا زدگی میں مرگ کا گھٹلا لگا ہوا

ارٹھ سے چشتری مرا دھک زد و مٹا

وہ شے لطیف جو مادے کی آمیزش سے حیات کی تشکیل (ENTELECHIA) دیتی ہے روح ہے۔ روح مادے کے ہمیں میں اسیر ہونے سے بھڑاتی ہے اور اپنے ماضی کو یاد کر کے فریاد کرتی ہے سے

ہیں آج یوں ذلیل کہ گل تک نہ تھی پند

گستاخ فرشتہ ہماری بناب میں

نہ جاؤں نیک ہوں یا بد ہوں پر مصیبت مخالف ہے

جو گل ہوں تو ہوں گلشن میں جو مٹی ہوں تو ہوں گلشن میں

یعنی یہ روح اور مادے کا امتیاز حقیقت میں ایک فریب خیال ہے ورنہ مادہ محض مایا ہے جب اور اک کامل اور معنی رسا ہوجاتی ہے تو مادے کی غیرت خود بخود ناک ہوجاتی ہے سے

اتما ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بعد ہے

جس کا کہ دم غیر سے ہوں پہنچ و تاب میں

جو راز عالم سے واقف ہو جاتے ہیں وہ آرام اور محبت نہیں پاتے اور شکایت نہیں کرتے بلکہ فلسفہ نعم حیات کے ہم سفر اور شراعت ہو جاتے ہیں۔ قید و حیات و بند و مصل میں دو فانی ایک ہیں۔ غرض موت سے پہلے انہی کے کجبات پائے کیوں  
میش و نشاط و نیا گزروں اور کم ظرفوں کا حصہ ہے جو زندانی آتش نوش ہیں ان کے لئے غروب غمِ غمض  
ہے جو کھٹ سنے سے مگر ہے ۔

در غورِ قہر و غضب جب کوئی ہم سا نہ ہوا  
پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا  
پچھے ہے کیا وجود و مہمدم اپنی شوق کا  
آپ اپنی آگ کے جن و خاشاک ہو گئے

جہاں زندگی غایتِ خوب ہے مگر جہاں رہی جس کے سمیت انگریز جیسے کی نہ مومن اور نہ غورتاب لاسکے  
کمال میں ہے۔ ٹیگر کہتے ہیں :

”خوب صورت ہے ستاروں سے آراستہ و مختلف رنگ کے جواہرات سے  
بڑا ہوا تیرا لکڑا، لیکن میرے لئے تو اس سے کہیں زیادہ خوب صورت ہے  
تیری تلوار اور منترم و مشنوک پھیلے ہوئے یاروں کی طرح بجلی کا سالمہ دھکنے  
والی تلوار غروبِ آفتاب کی غصہ ناک سرخ روشنی میں پوری طرح نکلی ہوئی تلوار  
وہ کا پتی ہے جیسے موت کی نیند کن ضرب پر شدت درد میں زندگی کا بھڑکی  
جواب ۔ وہ چمکتی ہے جیسے ایک طرف ناک چمکے کے ساتھ دنیاوی حس کو  
جلا دینے والا پاک شعلہ ہستی۔ خوب صورت ہے تاروں جیسے جواہرات سے  
مزین تیرا لکڑا۔ لیکن تیری تلوار کی ساخت میں اسے طرح کے مالک کمال حسن  
صورت جواب ہے جو نہایت دقیق و دلنشین کے نزدیک پیپ ہے ۔“

یہ باعث ہے کہ مرزا غالب نے افلاطون کے اس دستور ادبی مثالی تیج زہراب کو ہمیشہ نوشِ شیریں پر تزیین  
دی۔ غالب کا علمِ اخلاق جاں سپاری ہے اور غرض

جاں سپاری شجرِ بید نہیں

مرزا غالب ان تالیفات پر دوشِ فلسفہ میں نہیں ہیں جو زندگی کو حاکمِ عالم اور اپنی دنیا کو اصل جہانِ  
خیال کرتے ہیں۔ وحدتِ الوجود کے فلسفہ کا پہلا سبق یہی ہے کہ عاصوائے خدا صرف حادثی طور پر پیدا ہیں اور

بہا موت ہے یہ جلائی ختم ہو جاتی ہے۔ ظہر

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

انسان خود کو اپنی غلط چیتا سے اور افراد سے علیحدہ اپنے ماحول سے جدا خیال کرنے لگتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ دنیا میں اجنبی ہوں اور محالاً اٹھنا اور قرائین سے گھرا ہوا ہوں لیکن انسان اور مخلوق میں حقیقت میں کوئی فرق و تعلق نہیں ہے۔ یہاں تک کہ موت بھی اس میں رخنہ پیدا نہیں کرتی۔  
اپنے شعروں میں لکھا ہے :

”موت اور بقا اس کا سایہ ہے“

موت اور حیات میں کوئی فرق نہیں نہ تضاد ہے بلکہ حیات ہی موت ہے۔ حیات کی آمد زندگی اور رفت موت ہے۔ حیات حیات کا رخنہ کو دائی کر رہتا ہے سے

فنا کو سوچ اگر مستحق ہے اپنی حقیقت کا  
خروج طالع غائب گھر ہے موقوف گھنٹن پر

عشرت قتل گم اپنی مستحق موت پر ہے  
عید نکارہ ہے شیر کا عسریاں ہوتا

جان دی۔ دی ہوئی اسی کی بھتی  
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

نظر میں ہے ہماری جاوید راہ فنا غائب  
کہ یہ ہمشیرا دن ہے عالم کے اجزائے پریشان کا

مرزا غائب موت کے مقابل میں، خائف بچہ کی مثال نہیں ہیں، وہ ان میں سے نہیں ہیں جو جس قدر موت سے خالی اندہن ہوتا چاہتے ہیں اتنا ہی خیل مرگ ای کوستا آہے۔ موت کا خوف خوف کرنے سے بڑھتا ہے۔ موت کو خواہ مخواہ سخت ہزار لگا ہے۔  
لیکن کا قول ہے :

POMPA MORTIS MAGIS TERRET  
SUAM MORE IPSA.

لیکن موت ہماری نہیں۔ موت سے زیادہ ہمیں کوئی اور چیز نہیں ہے  
ہے تو آزمودہ ہمت و شہاد پسند  
سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آسان نکلا

موت سے انسان کے جگرڑنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کو یہ خوف دامن گیر ہوتا ہے کہ کہیں اعتقاد زندگی پرانے شخصیت کو ہمیشہ کے لئے نکل نہ کر دے۔ لیکن جیسا کہ مائٹرلنک (MAETERLINK) نے بیان کیا ہے ہستی محض یادوں کا مجموعہ ہے۔ جو چیز میں تمام علاوہ سے ایک عارضی امتیاز دے رہی ہے وہ چند یادوں کے اجزائے پریشاں ہیں۔ اور یہ عارضی امتیاز ایسا عارضی ہے کہ "نظر سے" - "عالم خواب" - "جنوں" - "صدمات عارضی" - روپا رنگ میں قائم نہیں رہتا یا متغلب ہو جاتا ہے۔ مرزا غائب اس خوف میں مبتلا نہیں ہیں بلکہ ان کی شکون طلب طبیعت کو یہ اندیشہ ہے کہ کہیں اچھا لکھ جودا موت بھی ایک تنہا زرع الطبقا اور کون دشا دی نہ ہو سے واسطے دان بھی خود بخود مٹنے نہ دے لیجئے دیا

لے گیا تھا گوریں فوٹی تن آسانی مجھے

موت سے زیادہ لوگ کوئی بند نہیں۔ سکرات اور مزج تو زندگی کا ہا ہے۔ موت کا آنا نہیں۔ موت تو تمام نکالیف دینی کو ختم کر دیتی ہے۔ آکام ہسانی سے نجات دلائی ہے اور عذاب روحانی سے آزاد کر دیتی ہے۔ باغ عالم میں افراد انحرار کی مثال ہیں۔ بہت سے ترش ہوتے ہیں جن کو تا ختم مہارہ منہ ہونے کے لئے انتظار کرنا پڑتا ہے۔ بعض شیرینی کو پا ہی نہیں سکے اور محض یزوں کے باعث اپنی شاعری کو یزنا دہیں کہتے۔ بعض اپنی گراں باری سے شاد کہ توڑ دیتے ہیں۔ بعضوں کو ہوائے تند خراب کر دیتی ہے۔ بعض کو جار پا طار رات کو کھا جاتے ہیں۔ بعض کے تلبیہ میں وچان لکھ رہا لیلتے ہیں۔ بعض کا رنگ قرب صورت ہوتا ہے لیکن ملاوت سے غاری ہوتے ہیں۔ بعض کو فو ظہور رکھتے ہیں ڈاکٹران کا قح کام کرتا ہے۔ بہت سے بچے ضعیف پیدا ہوتے ہیں تو بہت سے ضعیف تا دم گور بچے ہی رہتے ہیں بعض جوانی میں سر سفید ہو جاتے ہیں، بعض بوری میں بھی سر سفید دھواں سفید رہتے ہیں، لیکن موت کے آرام کی سب کو ضرور دست ہے سے

دشا نپا کنن نے داغ عیوب برہی

میں درد ہر باس میں غلبہ دھو تھا

سب ہی اپنی موت تو اس سے چاہتے ہیں۔ منہ پہلے سے اپنے آخری وقت سے مطلع ہونا چاہتے ہیں۔ مشغول نفس بہاد میں چند ریز مو سر لویں میں وہ کہ موقوف ہونا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ سب غامی ہے برائی قوت میں ای قیود کے قائل نہیں سے

میں نے بنیر مر نہ سکا کوہ کن اسد

سرگشتہ شمار و قیود سما

موت کے ہجوم محض ایک کا لہو ایک نشاۃ رنگاں سے زیادہ نہیں۔ روح کا چلا جانا اصل واقعہ ہے۔ جسم کا وہ جانا اس سے زیادہ نہیں۔ جیسے کہ گل کی پریشاں پتھر پیاں خشک ہو کر گر پڑتی ہیں۔ جس طرح صبا گلاب کی پتوں کو لاکر ڈھیر پیاں ملکا دیتی ہے اور کہاں سے کہاں لے جاتی ہے۔ اس جسم کو کبھی خوں کی نذر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ شراب سادہ کو دے ڈال جائے کہ وہ اسے داوہ میں آکھنڈ کر کے اس سے پھر جام تیار



کرتے یا لگیوں میں قبضہ کیا جائے تاکہ ایک آخری کام اس سے بھی سراپا تمام ہو سکے  
 لگیوں میں میری نقش کو کیسے پھردو کہ میں  
 جہاں داد دے ہوا سے سب راہ گزارا

(۱۵)

ختمہ کیا ہے؟ اور ملو کے زمانے سے آج تک فلسفی اس مسئلے پر غور کرتے آئے ہیں۔ جہاں سے زمانے میں  
 لانت (KANT) اسپینسر (SPENCER) ہیکر (HECKER) کریپ لین (KRAP - LIN)  
 بیج (BAIN)، لپس (LIPS)، میرے (MERE DITH) اور برگس (BERGSON) نے اس پر تفسیریں سے بحث کی ہے، اور عجیب اور نکات پیدا  
 کے ہیں۔

قبضہ ہمیشہ لگیوں میں بند ہو رہا ہے۔ جہاں گرم صحبت نہیں یہ سازمفل بھی نہیں۔ اس وجہ سے لگیوں کے  
 قبضہ رخ کے عیاشانہ لگیوں کے رتہ، انشا، اور جزاوت اور اگر کی برت کی ہر لگیوں کے گنیا لگیوں کے قبضہ رخ کی  
 آواز آج تک بند ہے اور میر تقی، میرور و اور غالب کے کلام میں جو دنیا سے لغو داد منگنا لہ سے دور رہنے  
 حائل میں گئی بنیوں اور خاموشی کا اثر ہے۔

قبضہ قدرت کا غلبہ نفس کو دور کرنے کا ذریعہ ہے۔ یہ صحت بخش ضروری ہے لیکن خود اخلاقی زیادتی اور  
 مرض کی علامت ہے۔ چنانچہ رنگین اور دیگر جزئی سرا شعرا کا اصل علاج جذبیہ قصد ہوا چاہئے تھا۔  
 مرض کی طبیعت میں فیالات مسئلے کو حلق پار نہیں ختم، اصلاح عیوب کے لئے ایک پیرا ہے۔ اس  
 میں اخصاف نہیں بلکہ ظلم پایا جاتا ہے۔ سودا اور اکبر کے قبضوں کی ہی شئی ہے۔ غالب کی طبیعت میں رحم ہے وہ انسانی  
 کورویوں پر لب ہوتا جھٹکتے نہیں بلکہ شتم آسا رہتے ہیں۔

ختمہ لا عقل کی علامت ہے۔ زندگی کو جو شخص درد سے دیکھتا ہے اس سے پروا رہتا ہے وہ ہنسکتا ہے اور  
 جو قریب سے دیکھتا ہے اور اس میں شریک ہوتا ہے وہ نہیں ہنستا۔ غالب زندگی کی خارجی کیفیات سے اندرونی  
 جذبات کا اعلازہ نہیں کرتے بلکہ اپنے اندر ملی جذبات سے خارجی کیفیات کا سوزندہ کرتے ہیں۔ اس لئے غالب کے  
 لب جنسی سے اجتناب ہے۔

ختمہ ظلم سے تعلق ہونے کی اور لطف جواب کی علامت ہے۔ اطفال شیر خوار سوتے ہیں ختمے میں دیکھی جب  
 پیدا ہوتے ہیں تو روتے ہیں۔ جب تک انسان آرام اور مصائب سے شام نہیں ہوتا ہنستا رہتا ہے لیکن جب دل ٹوٹ جاتا  
 ہے تو کمزور علم کے کوئی رشتہ نہیں رہتا۔ بد نصیب مرزا سے قبضہ منشا کی امید رکھتا ہے جاتو ہے  
 ختمہ ظلم اور سکون کو چھپائے گا یہ وہی ہے اس مسئلے پر برگس (BERGSON) اور غالب سمجھتی ہیں۔ برگس  
 (L E R T R E) کے اختتام پر لکھا ہے۔

سمندر میں سطح پر موجوں میں رقص پاڑا جاتا ہے لیکن قعر میں ہمیشہ امن  
 و سکون ہوتا ہے۔ بالائے آب موجیں آپس میں ٹکراتی ہیں اور کف بے آبی  
 میں سہجے کعبہ دریا کو "منش" جان کر ساحل سے اٹھاتے ہیں، لیکن جب  
 ہاتھ نکھول کر دیکھتے ہیں تو بحرِ پانی کے گہر بھی نہیں پاتے۔ جہتہ زندگی کے  
 سمندر کا کف ہے جو شخص اس کے رقص کو نا اعلیٰ سے دیکھتا ہے حزن ہوتا  
 ہے اور آفتاب سے اس کا مسام دامنِ مسم بدشمن ہو کر طلسم نور نفازا ہے۔ لیکن  
 جو قریب جا آئے بعض فریب پاتا ہے اور تلخ کام ہوتا ہے:

مرتا یوں فرماتے ہیں:

عسریٰ ناز شوخی و مذاں برائے خندہ ہے

دعویٰ جمعیت احباب جائے خندہ ہے

ہے عدم میں غنچہ موجِ عبرتِ انہامِ گل

یک جہاں زانو تا مل در قعائے خندہ ہے

کلفتِ افسردگی کو عیش بے تابی مسرام

ورنہ ونداں دروں افسردہ بنائے خندہ ہے

سوزشِ باطن کے رہا اماب مشکورۂ یاں

دلِ صیقل گرید و لب آشنائے خندہ ہے

لیکن مرنے والے بھی بلند آواز سے نہیں ہنستے گلا گلاہ زیر لب تیسرے ضرور کرتے ہیں۔ ان کا تیسرے سخنِ رہی، بلکہ مزاج  
 (ESPIRIT) کا اظہار دیکھتے ہیں۔ یہ اہتمام مشقوں کے کسی خلاف عادت کام سے یا اپنے خلاف عادت  
 ارادے یا واقعے سے پیدا ہوتا ہے۔ اس میں کسی کی اہمیت کسی کے شغل کوئی جملہ یا اشارہ ایمان یا پند نہیں ہوتا،  
 بلکہ بھڑول و کڑبیگ (VICTOR HUGO) اس کا نشانہ

POUR RIEN, POUR LE PLASA

ہوتا ہے۔

مجد تک کب اُن کی بزم میں آتا تھا کدو بہ جام

ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہر مشرباب میں

اس سادگی پر کوئی نہ مر رہے اسے خدا

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

یوں نے کہا کہ ہر دم ناز و عنبر سے چاہتے تھے  
سکے کے ہنرمند خدایت نے مجھ کو اٹھا دیا کیوں

کہا تم نے کہ کیوں ہو غم کے غمے میں مرنے  
بجائے ہو ہو پکا کہتے ہو پھر کیوں کہ ان کیوں ہو

صہبت میں غم کی نہ ہڈی ہو کہیں یہ غم  
دینے لگا ہے دوستہ بنیرا تھا کئے

مگر دکھائے کوئی اس کو خط تو ہم سے دکھائے  
ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رگوں کو لگائے

گدا سجد کے وہ چپ تھا مری چوٹ دست آئے  
اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاساں کے لئے

انہیں دجہ سے مرزا نے بھی کہیں کی، بچہ نہیں دیکھی، ایک غم کی نسبت جو مشہور اوہ جو ان بخت کے سہرے  
کا مطلق ہے یہ کہا گیا ہے کہ قوتی ہر سہرے لیکن مرزا قطعہ گزارش میں کہتے ہیں کہ : مطلق میں محض سن گشتراہات  
کہی ہو ہے اور کہاں فراخ دل سے اس قصہ کے لئے بھی معافی کے طالب ہیں :

آزادوں دل دشمنان خطاست

وہ ایک اخبار کی نسبت لگان ہو سکتا ہے کہ قوتی پر : ہن سے چشم خور تھی " زہب سے

میں جو گستاخ ہوں آئینہ غزل خوانی میں

یہ بھی قیسا ہی کرم ذوق فزا ہوتا ہے

رکھو غالب مجھے اس تلخ نوائے سے صاف

آگ سینے میں مرے درد سوا ہوتا ہے

بنا ہے شہ کا معاصی پھر سے ہے رازنا

وگرنہ مشہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

یہاں خیال یہ ہے کہ لفظ "غالب" میں ایسا نام ہے لیکن یہ مرشد گانی ہے اور عجیب جو کا اپنا آپ تصور ہے ۔

سنگ تاروے کا مشہور ادیب ہنریک ایسن ( HENRIK IBSEN ) اپنے مشہور ناٹک  
" وارثان تخت " ( KONGS EMNERNE ) میں بادشاہ اور غم کے درمیان مفصلہ ذیل  
تفصیل دیکھ ہے ۔

سیاوشا : تم کس طرح معنی ہو گئے۔ تم نے فنِ موسیقی کس سے حاصل کیا ؟  
 معنی : جہاں پناہ فنِ موسیقی تحصیل نہیں ہو سکتا۔  
 سیاوشا : جہاں ؟

معنی : نہیں۔ میرا یہ نذاوا و اکرامِ فہم کے باہتوی پایا ہے۔  
 سیاوشا : تو کیا معنی ہونے کے لئے فہم کی ضرورت ہے ؟  
 معنی : مجھ کو فہم سے یہ دولت ملی، معنی کو مسترت سے یہ نعمت حاصل  
 ہوتی ہے اور.....

سیاوشا : اور  
 معنی : تینوں سے جو ایمان کے دیبے تنگ ہوا در شک سے.....  
 سیاوشا : شک سے کیا۔

معنی : جو ایمان کے درجے تنگ ہو ناقص نہ ہو۔  
 سیاوشا : ناقص شک کس کو کہتے ہیں ؟  
 معنی : جہاں پناہ میں میں شک کرنے والے کو خود اپنے شک میں شبہ ہو  
 یہ شغیہ ہے جو نور اور غفلت، دن اور رات و وزن سے محروم کیجھا  
 ہے۔

مرزا غالب اپنے شک میں کامل ہیں۔ چنانچہ دریافت کرتے ہیں ۔۔۔

ہیں آج کیوں ذلیل گوئی تک نہ تھی پسند  
 گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں  
 جاں کیوں بچنے لگتی ہے تن سے دم سماع  
 گر وہ صفا سرائی ہے چنگ و ریاب میں  
 اصل مشہور و مشاہد و مشہور ایک ہے  
 حیران ہوں پھر مشاہدے سے کس حساب میں

حب کہ تجھ بن نہیں کئی عروج  
 پھر یہ ہنگامہ فدا کیا ہے  
 یہ پری چہرہ لوگ کیسے دیا  
 غمزہ و عشوہ ادا کیا ہے  
 مشک زلفِ عنبر کیوں ہے  
 نگہ چشم سر مرسا کیا ہے

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں  
اب کیا چیز ہے، ہوا کیا ہے

ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غائب  
آخر کیا ہے تو اسے " نہیں ہے "۔

یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کہیں لئے  
لوہ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں

جب مرخیام کی شیرازی خراب کو فزیرلڈ ( FITZGERALD ) نے اربع مغرب میں  
محفل فرنگ میں پیش کیا تو سب نے یہ سوال کیا کہ یہ مینٹے معرفت ہے یا داؤدِ مجاز۔ مرخیام کے کلام میں  
ابستورس کے فلسفہ استہلاج کی شوخی اور پہ پاکی پاتے ہیں اور خیام کی حقیقت، لذات و شہوات کے متمتع ہونے اور  
دنیاوی لذائذ کے وسیعے سے نفس کو تسکین دینے میں نیاں کرتے ہیں۔

اگر غائب کا انگریزی المانی فرانسیسی یا روسی زبان میں ترجمہ ممکن ہو اور کیا جائے تو عجیب نہیں کہ یہ سوال  
غائب کے متعلق پیدا ہو، لیکن مرزا کی شراب طہر کے ثابت کرنے کے لئے کسی علم ابیہان کے رسالے کی مدد فرماتا  
نہیں بلکہ خداون کا بیان موجود ہے۔

مطلب ہے نازہ فرزندے گفتگو میں کام  
پہن نہیں ہے دشت و خنجر بکے بنیر  
ہر چہ بند ہو مشابہء من کی گفتگو  
پہن نہیں ہے داؤد و سنا فر بکے بنیر

مرزا کی شراب سے بہ خودی مراد ہے۔ یہ وہ کیفیت جذب ہے کہ جہاں سالک راہ طریقت فریضہ  
کی ادا کرنے کے لئے با آب اور خاموش جا رہے ہیں۔ یہ سر راہ چھپے اندر ہو کے غور سے نگاہ رہے ہیں۔

دچوں عمر تہ کر دم چنناں کہ تنگ کر دم  
در کج خرابتے افتادہ خراب اوئے

لافت و انشای غلط و نفع عبادت معلوم  
در دیک سافر غفلت ہے چہ دنیا و چہ دین  
ہرزہ ہے فقر زہ و یم ہستی و عدم  
منو ہے آئینہ فرق جنون و تمکین

نہزم ہی پر چھوڑو مجھے کیا طوفِ مرم سے

آلودہ ہے حمار احمرام بہت ہے

یہ سرسبز و مدہوش کم مانگی نہیں ہے بلکہ خم خانہ جاوید میں داخل ہو کر شراب پے اندازہ پئی گئے ہیں۔ یہ کیف سرمدی ہے۔ یہ عشق الہی کے نشہ میں غش ہیں۔ کوئی ایسا ہے جو اس کیف میں سرشار ہو کر ہوش مند نہ سکتا ہے۔

مریض جو شرب و ریاض نہیں خود دہری سال

جہاں ساق ہو تو داخل ہے دعویٰ ہر شیرازی کا

انہیں کا عرف ہے کہ اس دانش کیا شراب کو جس کی دوسرے بڑ بھی نہیں لے سکتے پہنچے ہیں۔ یہ وہ شراب ہے کہ حب ساق جام میں فنا ہے تو حضرت میخ اور مہر رشک سے سہمت کے لئے کشاکش کرتے ہیں۔

بہشت کی آرزو رکھا پہاڑ ہے کہ ایک ہاتھ میں زلف یا دہراور ایک میں یہ شراب ہوئے

وہ بیخیز کے لئے ہر ہیں جہشت عزی

سوائے بادۂ گل غلام مشک ہو گیا ہے

وہ کیسے خوش قسمت ہیں جن کو یہ دولت قسمت ہے سے

جہاں فرابے یا وہ جس کے ہاتھ میں جام آگیا

سب بیکریا ہاتھ کی گویا رنگہاں ہو گئیں

آؤ کام آخر کیا آرزوئے پے خودی ہے سے

گر ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں قوم ہے

رہنے والا بھی سنا غزوینا مرے آگے

مادہ خوب صورت ہے۔ مادے میں نہ کوئی خوش صورتی ہے اور نہ برائی ہے۔ من عام نہیں بالین ہے من مادے کے جسم میں نہیں بلکہ صاحب نظر کی نگاہ میں ہے۔ من ہیں کاغذ خلع ہے۔ مادہ صرف پردہ فانی ہے۔ شاعر بر من کو دیکھ کر محو تماشا ہو جاتا ہے اور اپنی ذات کو خوب صورتی میں فنا کر دیتا ہے، یہ کیا ہے؟ عدم اور ذی میں جو صورت دیکھی ہے وہ مزار کے جسم کی مثال نکالتی ہے اور سنہ چھا دیتی ہے۔ نہال نگر وریں یا عشق چیلان میں، پھولوں میں یا عطریں۔ صورت میں خواہ دو شیرہ ہوا یا دو شیرہ کوئی من نہیں۔ من اس اشیا میں ہے جو جمال الہی ان کے ذریعے سے کرتا ہے۔

مرزا غائب کو ہر طرف جو جلوہ روئے صنم نظر آتا ہے وہ گریں ملی نہیں بلکہ عارضی۔ جہاں عالم ہے یہاں گنگ جب ہر گنگھاس کی دیکھ کی تشارکت ہے سے

جلوہ از بسکہ تقاضا سے نگہ کرنا ہے

جو ہر آئینہ بھی چاہے ہے خراگ ہوا

لیکن وہ مشوق حقیقی اپنے اصل سے کسی کو خوش کام نہیں کرتا بلکہ شرح اور استغناء اور غرور اس کی رونمائی تک میں مانع آتے ہیں اور وہ اپنے چہرہ ناز میں سے نقاب نہیں اٹھاتا ہے

مستردم اک امانے ناز ہے اپنے ہی سے ہیں  
وہی کھنڈے حجاب کہ ہیں یوں حجاب میں

عجب وہ جمالی دل مستردِ صدمت مہر نیم روز  
آپ ہی ہوں نگارہ سوزِ پردے میں منہ چھپائے گیوں  
وہ اپنی آپ مثال ہے۔ کوئی اس کی مثال نہیں ہے

سب کو مقبول ہے دعویٰ قریٰ یکتا کا  
دو برو کوئی بہت آئینہ سیمانہ ہوا

ہرے اس مہر و ش کے جلوہ نشان کے آئے  
پر افشاں جو ہر آئینہ ظلِ ذرہ روزِ زمیں

جس آئینہ جہاں نمایاں وہ بھقا نگاہیں ہوجاتی ہے  
طولی جو بہر کی حالت مرغِ قبلہ کی سی ہوجاتی ہے  
اہلِ بینش نے یہ حیرت کدہ شوقی نماز  
جو عسرا آئینہ کو طوٹنے لیسوں پانڈھا

جو مجنوب عشق سب دے کو اس کو لے لیتے ہیں وہ بھی اس کا روئے انور سرا پا نکہ ہو کر بھی نہیں دیکھ سکے  
عجب کوئی اور مانع نہیں رہتا تو نگہِ خود مانعِ آن ہے اور مددِ بن کہ مانع ہوجاتی ہے سے

ہنوز عسریٰ من کو ترستا ہوں  
کوٹے ہے ہر بچہ کو کامِ چشمِ بیا کا

واکر صیغہ ہی حقوق نے بند نقاب میں  
غیر از نگاہ کوئی بھی مانع نہیں رہا

اس یوسف کے حسن میں ایک ظلمِ ذی عزیزی کی مثال دینا نہیں ممکن اس کا مددِ چاک پیر میں اس کی پارسائی  
کے منہ پر ہرے سے

نہ ہر من تمام دوستِ رسوا ہے وفائی کا  
ہر مددِ نظر ثابت ہے دعویٰ پارسائی کا

مرزا غالب ان شرا میں سے ہیں جو حسن کو ہر نگاہِ قدرت یا کیف میں یا سرورِ ہر لب میں تلاش نہیں کرتے  
بلکہ حیرت کے پہنچنے میں دھونڈتے ہیں۔

شہ بینا نگاہ اب بھی مانع ہے ۔ شہ بینا نگاہ ہے ۔

مرزا غالب کی مشوقہ مرحوم نہیں، بریٹنل جینر سے پاک اور جنس مقابل سے بالا ہے، بلکہ زینما ہے۔ وہ خود  
 یوسف نہیں بلکہ سری کرشنی ہیں۔ ان کے مشوق کی تصویر رافائل (RAPHAEL) نہیں کھینچ سکتا۔ یہ  
 روبنس (ROBENS) کا کام ہے۔

مانگتے ہے پھر کسی کو لبہ بام پر ہوس  
 سُرمد سے تیز دشتہ شرکاں کئے ہوئے  
 اک زہا پرناؤ کو تک کے ہے پھسرتگاہ  
 چہرہ فسرو پنے سے گلستاں کئے ہرے  
 چاہے ہے پھر کسی کو مفتاں میں آرزو  
 زلف سیاہ ریشہ پر پریشاں کئے ہوئے

ان کا مشوق تمام عشوہ گری کے اٹلا ڈور تازے واقع ہے۔  
 لاکھوں لگاؤ ایک چسپو، نگاہ کا  
 لاکھوں بناؤ ایک بجز تاب میں

پرسش طرز دلیری کیجئے کیا کہ ہیں کبے  
 اس کے ہر اک اشارے سے نگلے ہے یادگار

سادگی و چرکاری ہے خودی و ہشیاری  
 حس کو تن افن میں جرات آ رہا پایا

اس کا حسن انتہائے جمال ہے ورنہ مرزا جیسے بلند فکر کی نگاہ میں سماج نہ سکتا۔ یہ وہ حسن ہے جو نہ مرن  
 مرعوب بلکہ مغلوب کر لیتا ہے۔

حب تک کو نہ دیکھا تھا تبار کا عالم  
 میں معتقد تہ عشق نہ ہوا تھا

سلوت سے تیرے حب لوہ من غزلی  
 خون ہے مری نگاہ میں رنگ اوائے گل

یہاں تک کہ الہ خود اپنے من کو چٹہ آئینہ میں دیکھنے کو یونانی زبوں کی طرح تاب نہ دے سکے۔  
 آئینہ دیکھ اپنا سامنے لے کے رہ گئے  
 صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا عسور رہتا

عشق کیا ہے؟ آرزوئے وصل جو دو پریشاں خاک کے ذوق اور دہر پریشاں دل و لعل میں یکساں موجود ہے



کہ اسباب سے پیدا ہوتی ہے۔ ہاوسے کی کشش اور دل کی کشش دونوں ایک ہی کشش کا تقاضا ہے کہ ایک دوسرے کو کشش کرنے والے اجسام جوڑ دھوکے قریب ہوتے ہیں کشش میں افزونی ہوتی ہے۔ یہاں محبت کی کشش کا حال ہے عشق میں کہیں ایک جانب فائز کا جذبہ ہے اور دوسری جانب مفتوحہ کا تسلیم، کہیں دونوں سمت جوشِ جذبات ہے اور آرزو سے قریب، کہیں ایک طرف جویائی دوسری طرف غریزہ پایا جاتا ہے۔ لیکن یہ کشش بھی کب اور کہاں اور کیوں پیدا ہوتی ہے اس کا نشانی پانا مشکل ہے۔

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتشِ غالب  
کہ لگائے خشک اور کھائے نہ سینے  
فلسفی ذہنی اور دماغی نقطہ نظر سے عشق کو مرض قرار دیتے ہیں۔  
بہن کے کاروبار پہ ہیں خستہ ہائے غل  
کہتے ہیں میں کو عشقِ غل ہے دماغ کا  
لیکن دل سے دماغ بھر رہا ہے۔

میں اور اک آفت کا ٹکڑا دو دلِ خوش کہے  
عسائیت کا دشمن اور اکورگی کا آشنا  
یہ وحشتِ طبیعت میں ازل سے راسخ ہے اور یہ سکوت اور راحت کے مانع آتی ہے۔  
دل لگی کی آرزو پہ چین رکھتے ہیں  
ورنہ یوں ہے رونقِ سودِ سپر اس کشش ہے  
یہ وہ مرض ہے طبیعت میں کے علاج سے خروغ رہتا ہے اور ہمیشہ میں جا اٹھتا ہے کہ کبھی صحت نہ رہی یعنی کاشف  
فرشتہ ماروئے محبت را پرہیز از انکسیت  
سودۃ الماس و زہرِ طبل می کشند  
مرزا غالب اسی شعر کو جلا دے کر فرماتے ہیں۔

نہ پوچھ کسٹھ مریم جراحیتِ دل کا  
کہ اس میں ریزۃ الماس جزو اعظم ہے  
اس عشقِ جوی کا سبب یہ ہے کہ اس ہنگامہ ہائے وہم کے عالم میں رونق اور جان ہے۔  
رونقِ مستی ہے عشقِ خاند ویاں ساز سے  
انہیں بے شغ ہے مگر برقِ غم میں نہیں  
جہاں درد موجود ہو عشقِ خرد شکر لاقبہ سے

عشق تا شیرے تو مید نہیں  
جاں سپاری شہرِ بید نہیں

مست ہو چمک کر کیا حال ہے میرا ترے گئے  
تو دیکھ کر کیا رنگ ہے تیرا مرے گئے  
اور عشق کا شرف خانہ دیوانی، برداری، تنہائی، پیشانی، بے اعتباری، غرابی اور صراغِ فردی ہے سے  
فوق ہر رنگ رقیب سرو سامانِ بظنا  
قیسِ تصور کے پردے میں بھی عریاں بظنا  
بڑے گلِ نازِ دل، کوہِ حسرتِ رخِ صفی  
جو تری ہر دم سے بظنا سو پریشاں نکلا  
حاصلِ لعنت نہ دیکھا جد شکستِ آرزو  
دل بہ دل چہوت گویا اک کعبہ انہیں تھا  
کب سے ہوں کیا بناؤں جہانِ غلاب میں  
شبِ ہنسے ہجر کو بھی رکھو گڑھِ حساب میں  
گو ششِ ہجر و پیام و سچشمِ محروم وصال  
ایک دل تہی پر یہ نا امید داری ہنسے ہائے

لیکن گو مرزا غالب کی مشغولہ ایک ارضی عورت ہے، ان کا عشق ہوسِ مغلیہ اور لذاتِ حرمیہ سے پاک ہے۔ ان کو اس کے حسن بے پایاں کے دیکھنے سے ایک ارتعاشِ روحانی ایک وجہِ اہی پیدا ہو گئے ہیں۔ یہ جذباتِ کامرانی اور خواہشاتِ کام جرنی کا کوئی مضمر نہیں۔ اس کا جلوہ رخ ایک کیفیتِ وجرانہ پیدا کر دیتا ہے۔ اور ہم کے کارنامہ میں ایک نقصِ مشعر پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ حاجتِ آرزو کے بشریہ سے لائق ہوتی ہے۔ غلوتِ مغلیہ کیلئے ہے۔ جب دوسرا گیلانی اور متبعہ کی جانب مائل ہوتی ہے تو یہ ہوسِ مطلوب کو اپنے پر غفلت کے ماتحتوں سے مٹوٹ کر چاہتی ہے۔ عشق کیا ہے؟ عشق میں اوب اور خرم شامل ہیں۔ عشق دوسرے پرستش اور پرستاری کرتا ہے جہاں اضطرابِ آتش زیرِ پائے شوق ہے۔ وہاں عشق نہیں۔ عشق نور ہے اور جلالت اور غلوت دونوں کا چننا ہے۔ روشن کرتا ہے۔

میرے ہونے میں کیا ہے کسوائی

اے وہ جلوت جنہیں غلوت ہی ہیں

میدانِ عشق میں جہاں جانا بازیِ ظلال نہیں ہے ہزاروں دن سے ایک عزتِ سلامت لاکھے۔ اسی  
عشق کا درجہ ہے کہ

چمک رہا ہے ہلہ ہر لبو سے پیرا ہوں

ہمارے جیسا کہ اب عاجتِ رنو کیا ہے

جلا ہے ہم جہاں دل بھی ہل گیا ہوگا

کریستے ہر جوابِ داکہ بجز کیا ہے

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل

جب آنکھوں سے نہ چلا کر پھر ہو گیا ہے

جواہرِ ہوا و ہوس اس کو چہ عشاق میں قدم رکھتے ہیں وہ اپنی دل کرے نام کرتے ہیں سے

ہر وہو سوس نے جس پرستی شکاری

اب اکبر سے فیضِ اہلو نظر علی

اس عشقِ حقیقی میں ایک کیفیتِ فاعلیٰ ایک عمارتِ بادی ہے۔ ہمیشہ آرزوئے وصلِ دہشت ہے۔ کہیں پوری

نہیں ہوتی۔ اس کا لطف جو جہاں کئی سے زیادہ لطف بخش ہے کہیں کم نہیں ہوتا۔ دھابا یار دہیں ہے جہاں عشق

آرزوئے خام ہے اور میرا زہ ہے

یہ نہ حق ہمارے قسمت کہ دھابا یار ہوتا

انکار اور جیتے رہتے ہیں انتظار ہوتا

یہاں ملک کہ عاشق سراپا ایک۔ شعلہ مغز بن جاتا ہے

گزنکار گرم منور ساقی رہی تعلیم منہ

شعلہ فتن میں جیسے خوں رنگ میں ہوا جاتا ہے

جہاں اس کا سین حقیقی بنے پایاں ہے وہیں مرزا کا بے عاشق بنے نہایت ہے

یوں بن گیا نہ تابِ رخِ یار دیکھ کر

میں ہوں اپنی طاقتِ دیدار دیکھ کر

گرتی تھی ہم پر برقِ تجلی نہ طور پر

دیتے ہیں بادہِ ظلمتِ خوار دیکھ کر

یہ انتظارِ شیب اور مضروبوں میں یساں رہتا ہے۔ خوفِ ظنارہ رخِ یار کا پردہ بن جاتا ہے

میں تا مرادِ ولی کی قتل کو کیا کروں

جانا کہ تیرے رخ سے نگر کا سیاب ہے

دیکھنا جنت کہ آپ اپنے پر رشک آجائے

میں اسے دیکھیں پہلاکب مجھے دیکھنا چاہئے

نکار دینے بھی کام کیا وہ ان نقاب کا  
 مسخ سے ہر ننگ تیرے دیش پر بھسرتی  
 یہاں تک کہ اگر عاشق صہبائے محبت میں مدحوش قبائے حریف کے بند کھول دیتا ہے تو بھی ۔ غلط  
 - دشت وہی دست نہ پدگم می مشرود خور و خور ایم

مے نے کیا ہے من خود آرا کر بے حجاب  
 اسے شوق یاں اجازت تسلیم ہوش ہے

اس مدام لب وریا نشہ بھی کا باعث صرف یہ ہے کہ علوی محبت بھی مہمانی قرب سے خود کو سیراب  
 نہیں کرتی۔ اگر عاشق کے دست نازیں کو مکرر لمس دیا جائے تو دوسرے یوسے میں یا تو پہلے کے مساوی لذت ہوئی یا  
 اس وجہ سے کہ پہلا دوسرے لینے سے عشق کی نارمانی کی شان جاتی رہی ہے اور اگر مساوی ہے تو بھی چونکہ پہلے  
 پرستی کیفیت کی لاعلمی جاتی رہی ہے، ضرور کم ہوگی۔ فارسی قصہ نگار نے اگر وکل کی داستان میں اور فرہنگی داستان کو  
 نے "MADEMOISELLE DE MAUPING" میں اسی امر کو بیان کیا ہے کہ

گر ترے بیا میں ہو خیال وصل میں شوق کا زوال  
 مروت سمیٹ آہ میں مارے ہے دست دیا کر پنا  
 اس عشق کے اہل اہل ملاک طرح ہر زمانے میں شاذ ہی ہوتے ہیں، چنانچہ کہتے ہیں کہ  
 کون ہوتا ہے حریف بے مروتا گلن عشق  
 ہے مکرر لہر ساقی پہ صلا میرے بعد

غم سے مڑتا ہل کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی  
 کہ کرے تعزیت مہر و وفا میرے بعد

آئے ہے بے کسی عشق پہ رونا غالب  
 کس کے گھر جائے گا سلاہ بلا میرے بعد

کیا شاعری مصوری ہے ؟ اس میں شک نہیں کہ فن مصوری اور فن شاعری ایک دوسرے کے قریب ہیں ۔  
 دونوں کا کام بجز مروجہ اسٹیلار کو حاضر اور واقع دکھانا ہے ۔ دونوں کی بنا ایک خوش انما از فریب پر قائم ہے بصورتی  
 سرمد آواز شاعری ہے اور شاعری شیریں زبان مصور ہے جہاں مصور کا سر قلم رنگ اور خطوط سے مختلف حقیقی یا  
 مجازی مضامین کو صورت دیتا ہے وہی شاعر کا قلم الفاظ و انما از بیان سے وہی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ الفاظ شاعری کے  
 رنگ ہیں اور ارا ان مصور کے الفاظ ہیں ۔

اور شعر کا بیان ہے کہ شاعری کا مقصد قدرتی اسٹیلار کی نقل ہے ۔ لیکن اس کا اسٹیلار نہیں ہے کہ شاعر کا کام

واقعات کو ان کی من و مرنے والی کیفیت میں نقل کرنا ہے بلکہ یہ ہے کہ مشاعر کو محاکات اس حالت میں دکھانا چاہئے جس میں چشمِ تخیل ان کو دیکھتا ہے۔ یورپ کے بہت سے معروف مشعراء واقعات زندگی کی ہر ہر تصویریں اُتارتے ہیں لیکن یہ عکاسی ہے مصوری نہیں اور کم رقعہ کام ہے۔

مشیکبہ کے کلمات میں جو جذبات انسانی کے مرتعات ہیں وہ گویا بالکل زندگی سے مائل معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقت یہ تخیل سے رنگین ہیں، اور یہی رنگ ہے جو مشیکبہ کے کلام کو انسانی بناتا ہے۔ مرزا کی مصوری ٹھیکیر کی مصوری ہے نہ

گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے  
بہنے دوا بھی سافر دینا مرے آگے

زندگی میں بھی وہ آزاد و خود ہیں ہیں کہ ہم  
اُسے پھر آگے درگمبہ اگر وا نہ ہوا

بگیوں میں میری خوشی کو کھینچے پھر کہ میں  
جاں دادا ہوا اُسے سسرورہ گزار تھا

ہر سہ کی رائے میں تصویریں خواہ وہ مصوری بنائی ہو یا مشاعری کوئی بات موزونیت کے خلاف نہ ہونی چاہئے (۱۱-۱۳) حسن مرادوں جو نا چاہئے (۱۳-۱۴) خمیدہ ناک (۲۰) آنکھوں اور پاؤں کی خوبصورتی کو بھی نشانے کو درج ہے (۲۵-۲۷) مرزا کی محاکات میں یہ خوبی غایتِ قلی ہے نہ

سلسلہ دستہ مرغوب بہت مشکل پہنایا  
تو شاہ سے ایک گفت بردی عدل پہنایا

سب رقیبوں سے ہیں ناخوش پر زبانِ مصرعے  
ہے زمینِ خوش کہ مجھ ماہِ کنعان ہو گئیں

رات کے وقت سے پئے ساتھ رقیب کوئے  
کئے وہاں خدا کرے پر نہ خدا کرے کہ یوں

یہ مرزا ہی کی قدردان بیان، مرحمتِ انتقال اور شدتِ فکرا کا کمال ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایسے مناسب اور متوازن الفاظ میں کھینچا ہے۔ ان اشعار کے الفاظ کی لطافت اور اثرات ہلکے سے ہلکے رنگوں کی سیامت کو مدت کرتی ہے۔ لہذا نے ایک عالمائے بحث میں بیان کیا ہے کہ:

۱۰ احصاء اور اشعار میں معاہدہ الامتزاز ہے کہ بہت سکون اور اشعار  
جنبش کا اظہار کرتے ہیں۔ جب محسوس سے کر چپ چاپ کھڑا ہو جاتا ہے تو

مجسمہ بھلاتا ہے اور جب حرکت اور رقص کرنے لگتا ہے تو شعر نام پالتے (اسلام)  
صنم سازی کا اوراقِ شاعری کا موضوع ہیں۔ شعر میں تصویریں موعظان  
کی طرح دعاں حالت میں ہوتی ہے اور مسلسل کیفیت دکھاتی ہے :

فان آن سوچم بھلائی تصویریں کھینچتا ہے سے

فرمک فرمک نسیم زیر لگان می خزو

غیب غیب میں منگو عالجین آن می گزو

مگر بچن می چمد کہ بچن می وزو

گاہ مٹا ہوا درخت گاہ بہ بہد جو کبار

ہوا کی یہ دفاتر شاخ و فرخ اس پر قلم اُٹھاتا ہے دکھاتا ہے، تصور پر سے پر تو قلم سے نہیں دکھاتا، سرزد کے

قلم کی یہ تصویر ملاحظہ ہوئے

مدت ہوئی ہے یاد کو مہان کئے ہوئے

جوش قدح سے بزم چراغان کئے ہوئے

کرتا ہوں بچ پھر سبکدوش سنت سنت کو

عرصہ ہوا ہے دعوتِ چراغان کئے ہوئے

پھر وضع امتیاز سے نکلنے لگا ہے دم

برسوں ہوئے میں چاک گریباں کئے ہوئے

پھر گرم نالہ ہلکے مشورہ یا رہے نفس

مدت ہوئی ہے سیر چراغان کئے ہوئے

پھر پرکشش جرمیت دل کو چاہے عشق

سامان صد ہزار رنگ دیاں کئے ہوئے

پھر بھر دیا ہوں خاصہ چراغان بخون دل

سازہ چین طرازی داماں کئے ہوئے

باہم دگر ہوئے زینا دل و دوجہ پھر رقیب

نظارہ و خیمیاں کا سامان کئے ہوئے

دل پھر طواف کوئے ملاصفت کو جا کئے ہے

چند رکاوٹیں کدہ ویراں کئے ہوئے

پھر شوق کدہا ہے خریداری طلب

روض خندع عقل و جان کئے ہوئے

دور سے ہے پھر ہر ایک کی دلاہ پر خیاں  
صد گلستانِ نگاہ کا سامان کئے ہوئے

پھر عجبتا جون تامل و دلاہ محو  
ہاں نذر دلی فریبی عنوان کئے ہوئے

مانگے ہے پھر کسی کو لبِ یاسم و یوس  
زلفِ سیاہ رخ پہ بریشاں کئے ہوئے

پا ہے ہے پھر کج کو مفتابی میں آنند  
سرور سے تیز و مستند خراگان کئے ہوئے

اک نو بہارِ ناز کو تار کے ہے پھر نگاہ  
چہرہ فرد بخائے سے گلستان کئے ہوئے

پھر ہی یہ ہے کہ درپہ کی کے پڑے رہیں  
سرور پر بارِ منت و دلیاں کئے ہوئے

ہی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کی بات دن  
بیٹھے رہیں تصورِ جان کئے ہوئے

غالب ہیں نہ پھر ڈاک پھر چوڑا لک سے  
بیٹھے ہیں ہم تجھے طوفان کئے ہوئے

ہر جس ارمان وصل کا مرتع اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے۔ عاشق کی تمام ذوقی ان اشاریں موجود ہیں۔ اس زمانہ کو بیان کرتا ہے جب محفل وصالِ مٹراب سے ہرج و مرج و غلطیوں سے روشن رہتی تھی۔ پھر کہتا ہے کہ تعارضاتِ احسان و جو کچھ بھی جو فراق یا ریمپشنیں ناممکن ہے۔ اس کے بعد دلی کے نہ ماننے اور پھر طوفان کو کئے ملامت کو جانے کی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے۔ نام و دلاہ کے تصور کے ہاتھوں کا کاشیا کہ خوشی سے اس کو کھول بھی نہیں سکتے اور پھر کسی کے درجے پڑے رہنے کا قصہ مصمم کرنا۔ عشق پر جذبات کا ایک مرتع ہے۔ ہر شعور ان میں سے ایک ممکن تصور ہے اور ہر تصویر اپنے سے ماہر تصویر سے مستحق ہے۔ کوئی تصور رنگ سے وہ شہید نہیں کر سکتا جو شہید وہاں کیا ہے۔

یوعل سینا نے شفا میں حالات سے لذت پانے کی دلیل یہ بھی ہے کہ ہر شے کی تصویر خود لطف انگیز ہے، خواہ وہ شے فی نفسہ بُری ہو یا اچلی۔ چنانچہ یہاں تمام نامقبول صورت ہیں، ان کی تصویریں دیکھ کر کسی لوگ خوش ہوتے ہیں۔ لیکن باوجود اس امر کے بلند پایہ تصور پر صورتِ اشیا کی تصویر آتارنے سے گراہ کرتے ہیں۔ جن صورت کو جن سیر سے جو تعلق ہے اس کا تعارض ہے کہ باطنی خیالات اور تصورات کا اثر چہرے اور ہنسنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ ظلم یا غش کی حالت میں دلغزب سے دلغزب صورت کے جذبات نامقبول ہو جاتے ہیں اور جذبے کی شدت

میں کو باطل گرد و جی ہے اس لئے اتنا قایم حالت کی تصویر کھینچنے سے ابا کرتے ہیں۔

یہ تان کے مشہور قدیم مصور کے جب رہم میڈیا کی تصویر کھینچنے کے لئے کہا گیا تھا سنے اس کی تصویر اس وقت کی حالت میں کھینچی جب کہ وہ تیز چپ کی حالت میں تھی اور ہنوز قتل پر آمادہ نہیں ہوئی تھی۔ غالب نے مشرق کے رقیب کی آغوش ناز کرنے کی کیفیت کو حوالہ تصویر نہیں کیا کہ جو ناشیزگی اس اعلا میں پائی جاتی ہے وہ کسی مرقعہ میں ادا کئے جانے کے قابل نہیں۔ یہ ایک ایسا نفاذ ہے جس کو کوئی آنکھ دیکھنا پسند نہیں کرتی اس لئے اس جان آئند منظر کی کیفیت کو یوں دکھایا ہے۔

نقش ناز بیتوطن زبہ آغوش رقیب

پائے خاکسوس پہ عامرہ عانی مانگے

گویا فلیس مشاعر کا قول میڈیا اور شاہ کے بے وقاف مشوق کے پاس میں کیاں درست ہے :

”اسے فائدہ ! تو اسی قابل ہے کہ پردہ تصویر پر

بھی چیری ضرورت نہ دکھائی جائے :

شعرا تصنیف وقت سے ہے اور تصویر کا تصنیف وقت سے ہے۔ تصویر ایک نگاہ میں اپنے محزون کو ظاہر کر دیتی ہے شعور وقت کا غالب ہوتا ہے اور اس کی طرح رفتہ رفتہ اپنے منہ کو بیان کرتا ہے۔ تصویر ایک ثانیہ کی یادگار ہے شعرا ایک جمل ہے جس کے کچھ کچھ خیال بچے کی طرح ہمیں سے کہیں نکل جاتا ہے۔

شلا جب یہ شعور بڑھا جاتا ہے :

ختم نامہ شگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں

ہوس کو بے چہتا ہوں میں منہ سے کہے بتا کہ یوں

تو تصویر خوش آہستہ ہوتے ہی اول و ذریعہ ادا اور لب مغربوں کا نقشہ کھینچتا ہے پھر مس کی ادا ہٹے اور پانہ کی سرخی کے ساتھ ان میں تبسم کا رنگ بھرتا ہے پھر دونوں گہرائی میں مشغول ہوتا ہے اور سرور کی تحریر اور نقشہ کی پیکر تک بھی نہیں سمجھتا، اور پھر گہرائی کے آثار اور سینے کے انہماک کے خطوط کی کشش سے پیکر تیار کر لیتا ہے اور اس پر اکٹھا نہیں کرتا بلکہ دست برداری میں جو پردہ ہے وہ بھی اور میں فریض میں وہ پردہ آویزاں ہے اس کو بھی دکھاتا ہے۔

شیل کا بیان ہے کہ ایک بڑا فرق عام مصوری اور فن حواد مصوری میں یہ ہے کہ تصویر کی اصل خوبی یہ ہے کہ جس چیز کی تصویر کھینچی جائے اس کا ایک ایک خط و خال دکھایا جائے لیکن شاعر اکثر محض ان چیزوں کو لیتا ہے جو ان کو نمایاں کرتا ہے جن سے صوف ہمارے چیزات پر افرا خا زہر تک ہے باقی چیزوں کو وہ نظر انداز کر لیتا ہے یا ان کو دھندلا کر لیتا ہے کہ اثر انداز ہی میں ان سے خلق نہ کرے

جب تک کہ نہ دیکھا تھا قہر یار کا عاتلم

میں مستقر وقتہ محشر نہ جوا صحت



ہر صبحی طرزِ دلہری بچنے گیا کہ بن کہے  
اس کے ہر اک اشارہ سے نکلے یہ ادا کیوں  
سنا دئی وہ لڑائی بے خودی و ہشیاری  
مٹس کو تنہا میں برسات آ زما پایا  
سلطنت سے قیوسے جلوہ حسن جنوری  
خوں ہے مری نگاہ میں رنگِ ادا کے گل

ہو مر جب بھی مشرق کی مشاعرانہ تصویر کھینچتا ہے تو چونکہ وہ انیسادوں کا آست و پے بھی اس سے  
زیادہ نہیں کہتا کہ چین میں دریوں کا حسی تھا، حالانکہ تمام رزم نامہ ایلی کی جیا و چین کے حسن پر قائم ہے۔ ارسطو  
جوانی و پیری کے درجے کو نہیں داتا جب اپنی کتاب آریستو فروزی میں انگلیا کی مشاعرانہ تصویر کھینچتا ہے تو اس کا  
پورا سرا پا ملے جاتا ہے۔ ہور نے صرف دو جگہ انکا کتاب کہ چین کی باس گوری تھیں جس سے بابل خوش مانگے۔ غائب  
نے بھی کل دی ان میں ذاتِ سیوا یا چشم سیوا سے زیادہ اپنے مشرق کا پرت نہ بتایا جس طرح بعض اوقات اچھت ساریت میں یا چو  
جسم جامد کے حرکت کا دھوکہ دیا کرتا ہے جس طرح بعض اشعار میں محاکات ہیں مگر کلم کی رنگین تصویر کی خاموش ہوتی ہے کائنات  
دو گیس کی دھڑکتے ہوئے کہ پرتیں شعروہ ہے جس کے مغزوں کو مصروف رہتے مغز ترطاس سے چاہت تصویر پر منگل کر کے اندر  
جو حالت غراب تصویر میں قائم ہو وہ بیداری سے میدی زہر۔ اگر اس خیال سے اتفاق نہ کیا جائے تو ان اشعار کے بہتر  
مثال ملے نہیں۔

پھر اس اخلاصے بہارائی کہ ہوئے ہر وہ تماشاں  
دیجھوئے ساکن بن غلط فاک اس کو کہتے ہیں غلام آرائی  
کہ زمیں ہو گئی ہے سرتاسر روکش سطحِ حیرت مینائی  
سبزہ کو جب کہیں جگہ نہ مل  
بن گیا روئے آبِ بہارائی

یہ بھی اشعار ایک نظارہ قدرت پیش کرتے ہیں جس میں متصل اور متصل واقعات نہیں بلکہ صرف ایک  
دل فریب خاموش منظر ہے۔ عقب میں نیلگوں افق ہے۔ آفتاب چمک رہا ہے اور قرصِ مہتاب بھی بے تاب اور  
ماندہ موجود ہے۔ بارش نے زمین کو آئینہ یاب بنا دیا ہے۔ سلسلے ایک تالاب ہے۔ سبزہ کی یہ زیادتی ہے کہ سطحِ آب  
تک دست و پا ہے۔ اشجار گلی پوش اور گلی بارہی۔ سب سے آگے مشابہت زمیں گویا چشم زمیں مشغول تماشا  
ہے ایک چڑیا آتش لگ بھی نہیں جو اس خاموشی میں شور و حرکت پیدا کرے۔ غائب نے حقیقت میں درجہ کو بھی  
جس کی نظم کا دوریا کے متعلق ہے مات کر دیا ہے۔

## میرزا یگانہ چنگیزی

# غالبے شکرے

(مکتوب یگانہ بنام سید مسعود حسن صاحب روضی ایم اے پرنسپل گورنمنٹ کالج)

ماخذ اسٹی غالبے میں۔ غالبے شکرے۔ ہوا امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے شائع ہوتے ہی غالب کو سب سے سمجھانے کی ایک عمدہ گویا تحریک شروع ہو گئی۔ معاذ اللہ یہ وہ پہلے، مغلوبہ انجیل کا سورہہ، لاگ اور یگانہ کی باتوں سے قطع نظر کرتے ہوئے۔ غالب شکرے کا مطالعہ کیا جائے تو واضح اور غیر مبہم الفاظ میں یگانہ غالب کے اوصاف شعری کے معجزات اور ان کے حقیقی قدر و منزلت میں سب سے آگے نظر آئیں گے۔

اپنے سوال یہ ہے کہ غالب کی حقیقی عظمت کے اعتراف کے باوجود انہوں نے مافی الضمیر و اکوٹ کے لئے ایسا ہیہ و لمجہ کیوں اختیار کیا؟ قرآن کے لئے حق پرست یگانہ کی فضیلت ساخت کے ساتھ ساتھ دیکھتے ہوئے شعراء اور ان کے انجیل غالب پرستوں اور ان کی اولی سیاست پر جامع نظر ڈالنے کی ضرورت ہے جو غالب کی ترکیبوں، اقوال، اضافات، استعارات اور بعض اشکال کو ہی حاصل ہے غالب سمجھ کر الفاظ کا قوتاً میا بنا رہے تھے۔ مثلاً عربی زبان کے سانسوں غالب نظر کر کے آ آ کر لکھتے تھے۔ یگانہ کے حقیقی غائب ایسے ہی نظر آ رہے ہیں جنہم تھے اور صبی۔

غالب شکرے۔ غالب پرست، یگانہ کو نہ ڈوبی، لیکن فکر غالب تک رسائی کی انتہی نے جودا دکھائی، اس پر چل کر حقیقی غالب کو پہنچنے کی حس و وجد کا حیرت پہ پیدا ہوا، خصوصاً ماخذات اشعار غالب کی تلاش و جستجو کا مذاق عام ہو گیا۔ اس طرح تنقیدی شعور کی آہواں دیر سے یگانہ چنگیزی کی صفت تنقید نے جو کام کیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ صوفی فکر کے مثبت اثرات کا نام۔ غالب شکرے۔ ہے اور اس کی کیا بن، بلکہ ناباں کے پیش نظر ہم اسے شائع کر رہے ہیں۔

(ادارہ)

لاٹری (دکن)

۱۵ دسمبر ۱۸۳۳ء

مکرمی جناب مسعود صاحب سلام علیکم

نوازش نامہ صادر ہوا۔ خیرکپ نے سترائے کی رسید کو بھیج دیا تو (گرا) ایسی قابلِ غفلت چیز ہے کہ بہترین حضرات نے رسید تک بھیجنا غلافِ اخلاق کھلا دیں پہلی کچھ دیکھا تھا کہ رسید بھیجنا تو کہا بعض اسباب اسے دیکھ کر مہارے سے باہر ہو جائیں، پھر افسوس تک وہیں تو کوئی جگہ نہیں ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ آخر کچھ دبا عیال وہی میں غالب پر تھوڑی گلی ہے (شرح ذیل باتیں تو آپ کا خوش شاعر سے عیال میں نے اپنے ہی خوابوں کا ہی خواہاں ہوں آپ کے بدلہ کو لیا ہے۔ غریبوں ہی ہیں۔ غلط فہمی یا غلط فہم کے سبب کوئی آپ کو کہا ہوا ہے تو کہہ بات ہے۔ نہ مجھ کو نہ کھانے کی ضرورت کیا تھی۔ البتہ وہاں رہا ہے کہ ہرگز ہرگز حشیت سے چاہتا ہوں کہ نہ کسی ملامت کھوس کتنی ہے۔ تو کون کس نے اپنے ہی ہم خیال وہم و فہم کے سختی و سختی کے ساتھ میرا غم و غم غالب پر تھوڑی جگہ ہے۔

خود پرستی کیجئے یا حق پرستی کیجئے

آہ کس دن کے لئے ناحق پرستی کیجئے (دیگانہ)

دوسری خدمت میں غلامِ خدا! مجھ کو ایسا ہے کہ غالب پرستی کی روایت و عقیدت اور ایک ہی ہوئی نہایت پرکھ پوٹ تو ہے۔ غالب اپنے خواہوں میں تو نہیں۔ غالب کو کہہ دو یہاں غلامی شخصیت کی طرح پیش کر کے دنیا کی ادب کو اس کو نہ سنا دیاں پر ہنسنے لگا تھا کہ اب وہ تو مجھ کا ہے۔ اس پر غلامی تو کریں۔ غالب کیا ہے نہ وہ سے زیادہ ہندوستان کا ایک ہندو غلامی وقت پسند شاعر ہے۔ اور کات اپنے شگفتگی کی بولہ لیلیں میں تم ہو جاؤ کہ جسے اس کے ساتھ ہی وہ اپنے سر سے کاہل تر ایں ہے۔ پھر مجھ کو اس کے ساتھ لگا لگی ہے۔ حضوں پر اسے کوئی دے گا ہے مگر غم نہیں کر کے تعریف کی قسمت نہیں دیکھ کر ہی کامل ہوتی ہے نہ زبان میں لائی کہ غم مطلب کو شعر زبان میں نہ انہیں کر سکتا ہو شاعر غم کے شاعر ہی رہتا ہے۔ غالب کے اس شاعرانہ لکھنے کی طرف غرضت میں مدد کی مدت میں بار بار شاعر کے کچھ ہوں جو کہنے والوں کے لکھنے کا ہی غم غالب کچھ اس قدر سے سمجھ رہی ہے کہ ایک مسئلہ یا عقیدہ کے غالب کی چور ہو کر چھوڑوں کو اس طرح بھول لالوں۔ بلکہ کیا ضرورت تھی کہ غالب کتنی عیب و نقص کی تقریریں کر غالب پرستی کی کوئی عقیدت نہ تھی غم شعر کے اضافہ و مل کے حقوق نہیں کر سب غالب کو دے دیتے ہیں سب کے گارہوں کو فروغ دینے کے غالب کو لود کا داؤد نامہ جو پڑھ کر پیش کیا ہے۔ شاعروں و حضوں لکھوں نے غالب کی بعض باتوں پر ایک زنی تصور پیش کر کے ایک سنی ہی نہیں کہ بعض غم کو لکھا اور جب کو کچھ اور ایک غم جو ہے کہ غم ہی میں اس کا غم جو اس کے غم میں وہ غلامی پیدا کی ہے کہ دل بکھرے ہیں۔ انہیں یہ کوئی حلقہ نہیں ہے کہ آپ بکھری ہوئے ہنگامہ کس سے بڑا لکھ کر تیرے کا کتا لکھتا ہے شربت ہو رہا ہے۔ تو اس کی قوت فوہ و بروج ہوتی جا رہی ہے بلکہ ہو چکی ہے۔ تو اس کے بڑے عقل ہوئی ہوتی ہے۔ غالب کی بگلی شاعری کو جو رنگ ہوئی کہ شمس خیر کا ہی بھول کر لکھی۔ اور وہ ہر وقت جب وہی رہی اس کی گلی لکھی ہوئی ہے تو کیا غالب کی تصویر کا دھوا رنگ کھلنے کی طرف رہا مجھوں میں شاعر کو یہ ناک اپنی خدمت نہیں ہے۔ تمہارے اس قصہ کا اعتراف تو کیا کرتا ہوں ہم کا



پرائس جیسو مانعیں ہمارے زار کے کوہ حق پر تپ بکتے ہیں تو کیا یہ دھاس پھانے خود ایک لذت نہیں ہے ہمارے دودھ سوانہ کوئی  
 اپنی لذت میں شریک نہ کرنا چاہتے ہیں وہی غلہ بھریں انگار کریں گزرا نہ ہو کہ بچوں کو سیدھا کر کے کھانے کو رکھ دینا  
 ساقی میری نسبت چتر کی ایک صفحہ کے مشورہ ہے۔ وہ تو کوئی گزشتہ کا ہوا ہے اور نہ ہی ہوا ہے اس کے لیے کہ چتر اٹھتے تو نہ ہاں کیا  
 ہوتا ہوتا دلی کو فائدے پہنچا نہیں یہ کیا غضب ہے کہ کچھ پر دل دکھانے کا ارادہ رکھا جاتا ہے اور اسلام کے ساقی کو خودی کا اسم نہیں دیکھا  
 جاتا ہے کیا کہا ہے اس وقت کہ ہوا خشک کا کیوں نہ محنت میں نے دل کیوں نہ گھولیا چور کو پونے نہ سوکھو کہ نہ گاروں نہ گویا ہے  
 تیرے کرشمہ کا پیش کرنا کہ چیت کے دندے در غفلت کے گھر کے، کوہ صوفی کا حقیر خطاب دینا، مملکت مقلید کے ایک نافرمانی  
 گالوں پر خونیں کپڑے رکھو چتر کو نوکر، وہیں پرست کا پڑا اور اس طرح کشتیوں میں سفید چھوٹا ابل لنگر کی دل آویز ہر رنگ  
 کی گری کا سبب نہیں ہے۔ کیا غلب کے غلو مشرف کلنی نہیں ہے کہ آفرینوں میں میر تقی میر کی افتخار کی بدولت ہوا کہ کاغذ  
 شاعر ہمارے اس کی ہوا کا شریعت، دانی گھر کی دیرانی میں۔ کیا غلب کی صبح دہرے شرفوں سے پیدا ہو چیت نہیں ہوتا کہ  
 آئے تامل سرور واد چلا دیتے ہیں وہی ہمارا کیا جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس کی انہم ہوتا ہے کہ غلب ہمارے ملک میں عزت کا  
 مستحق ہے وہیں اس سے چیں جاتے اس کی شاعرانہ طاقت اس کے کیے کیے کی حق سے پہلے شروع ہو جاتے اور اگر کچھ اور بھی  
 رہے ہر وہ گھبروت کی طرح ٹوٹ جاتے۔ غلب پختوں کے دیوانہ دماغ کا اگلی شروع ہوا ہے کہ چھوٹے دندنوں میں نکتے ہر کہے گا کہ  
 غلب کہہ دینا نہیں کوہ واد چلا دیتے اس کے کام کو سرور ہوا ہے۔ غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے  
 کیونکہ دھاری کے سوا اور کوئی دہا نہیں جانتے نہ تھے اس لیے غلو کی کتنی ہے جو شریعت کی ذریعہ گامی ہے اور کہہ کی نہیں ملتا یا  
 جاتے کو میں غلب کو خیر دند۔ ہے شرا و خیر و کچھ میں حق کا غلب نہ ہی۔ غلب تو کیا جاتا ہے اگر دہا خیر و خیر کی غفلت، مولا علی  
 کی شان جلالت کھڑا رسول اللہ کی رسالت کھڑا خدا کی وحدانیت کے بھی انگاروں تو کیا اس کا دل میں ہر وہ گھبروت کی قوت، دھوت کی  
 گلی ہے وہ نہ تیرے جاتے گی۔ خیر کمال کی غلو پر غلو غلب پرستی پر غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے  
 اپنی لغتوں سے ادا نہیں کیا سوسائٹی اسے حلیم کہہ دیتا ہے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے  
 پرست نہیں ہے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے  
 چاہتے ہیں کہ اپنی شاعری کی نسبت لوگوں سے، چتر کی ایک صفحہ کے مشورہ ہے کہ چتر اٹھتے تو نہ ہاں کیا  
 کوئی آفرین ہو اور اس طرح غلب پر غلو کی غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے  
 دھوت سے نہ دھوت نہیں کتنی غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے  
 میں حاصل ہر غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے  
 کوئی غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے  
 رسول کا حقیت الٹ جاتے کے بھی غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے  
 ان کا کل پھول میں ہوا ہے کہ لذت تک صاحب حظ و عین کے لئے ہی حق ہے۔ اس لذت کو اپنی حصول پر غلو واد چلا دیتے  
 نہ کہ دینا اس نے نہیں کہ غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے  
 بلکہ یہ دینا غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے غلو واد چلا دیتے



پہلے دوسو مصرعوں کا ذکر کیا خود کوئی والے گوش بآوازِ محسوس ہوتے تھے۔ عجب ترانہ یہی آزاد ہو گیا۔

غیر محسوس اپنے کے گریہ پر عجب ایک ادب عالمیگر غالب پر تھک کے طوفان کا سنا بلکہ ہے اس طوفان کا انجام بھی سلام ہے آگاہ ہوا  
اور تیرا نام خود بھی آگاہ ہے غالب کے سنان میں عین کا جہم کھلا جانے پر اجالتِ کباب کیسے کہ بچے چھپے چلنا پر عکاسی پر چلنے کا ہوتے ہیں۔  
اس کا مطلب یہ بھی کہ غالب اپنے میچ مرے سے ٹھٹھٹے تھیں، بلکہ باجائزِ تہذیب جو آسانیِ خلعت خواہ خواہ وادوں سے  
پہنا دیتے وہ اگرچہ تھے گا۔ شاعر نے غالب کے ناقص اشعار پر جو کلام کر سبب دینے کے قابل ہیں، افضلِ عاشق اگر یہ دیتے ہیں، بدنامی  
کہ دراصل وہ پہلے تو غزل پر مبنی اور بعد میں غزل پر مبنی تھا، اقبال کی خرم موی کی کہ خواہ خواہ غالب کو سنا آگ چاکر بان و مسرور کے  
غلاموں سے بڑا دینے کا جو حکم غزل پر مبنی تھا، اس کی طلب کی گئی ہے کہ میں نے گوش میں سال کے وہاں میں متکلفِ مخاین  
کے ذریعے سے غائب کی شادی کے کج صورت پہلو پر دھنسی لانے کے سوا ان کے کوئی کڑے زیادہ بحث نہیں کی میں پر غلوں کے محسوسات اور  
تھکا دھنوسے روشنی پڑتی ہے اور قافیہ برآہ تو غالب کی بدنامی اور بدگلاسی کی روشن مثال ہے اس کا کیا کہا؟ غالب کی بدگلاسی  
کچھ بھی گھڑی گھڑی سا دینے کی عادت پڑ گئی۔ اس معاملہ خاص میں مجھ پر غالب ہی کا پرچہ ہے۔ لوگوں کو میری اس خلوت سے  
نفرت ہے اور ہوئی چاہئے، تو غالب سے اور زیادہ نفرت ہونی چاہئے کہ وہ اس فنِ رنخ تو ظاہر کے امام ہی ہے۔

رکھیں غالب مجھے اس تلخ قرآن سے معاف

آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوا ہے

خیر تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ غالب کے گریہ پر میں نے پہلے کوئی خاص تنقید نہیں کی مگر دماغ میں محفل  
کے بعد ردِ محفل کا قانون بھی اٹل ہے۔ پنڈتوں کی حد کو جو بچ کر چٹا غزل دے گا۔ غالب شاعروں میں شاعر۔ رئیسوں  
میں رئیس۔ عدلیوں میں عدلی۔ غلاموں میں غلام۔ مونیوں میں مونی۔ سپاہیوں میں سپاہی۔ وطن پرستوں میں وطن پرست۔ آخر  
بچے کا نکوس۔ ان سے مراد پڑیاں تھک کر دیکھ کر آخر ڈاکٹر عبدالمطیف پانی۔ ایک ڈی پڑیاں غیر عثمانیہ روٹی نے غالب کے نظریہ  
زندگی اور ان کے گریہ پر تنقید کی کسی شے پر کس کے دکاں پر غالب کی حقیقت کیلئے ڈاکٹر موصوف کی فکر کر آرا تصنیفِ غالب  
پر بحث کچھ بے بیگونیوں بھی ہوگی مگر حقیقت اکثر حقیقت ہے۔ زبان سے کوئی کتا بھی نکلا کرے مگر حقیقت کا دلائل دلوں پر اتار دیتا  
ہے پچھپاتے نہیں چھپتا۔

لئے افسوس۔ یہی چاہیں کہ غالب کی شاعری کے گزروں پہلو اور ان کے قابلِ الزام گریہ پر جو اعتراضات وارد ہو تو میں  
ان کے جواب میں جو مسائل پیش کی جاتی ہے وہ کتنی خوب صورت ہوتی ہے کتنا بھرا ہوا ہے کتنا ہے غالب پرستوں کے جواب ہے۔  
غالب کی پڑیوں کا جب قطعی ثبوت پیش کر دیا جائے اور مالِ سرور بھی سامنے رکھا جائے..... میں فی الحال کا وہ حصہ جس  
سے غالب کے بہتر شاعر ملتوی ہیں وہ ختم لگے ہیں اور بطورِ ترجمہ اردو کے غالب میں محفل لگے ہیں۔ ترجمہ نہیں پڑا ہے کہیں  
جگہ لگے اور فضا قائمیں اس سے زیادہ جست اور خوب صورت بھی ہو گیا ہے دوسرے نظموں میں بھی کہے کہ غالب کے ساتھ کام  
کے حلقہ لگے کی جٹ ونگلہ Origenialism کا یہ مضمون کیا جاتا ہے کہ ان کے یہ مضمون تو مالِ سرور کی موجودگی میں باطل اور لغو ٹھہرتا  
ہے کیونکہ سیکڑوں برس پہلے سے وہ مضامین فارسی اور عربی میں موجود ہیں کیا غالب فارسی میں سے بے خبر تھے کہ میں نے سیکڑوں  
مضمونوں کو فارسی اور عربی کے مضامین کا ترجمہ کیا ہے کہ ان کے اپنے ٹیکسٹ اور مضمون کے کام سے کسی چھوٹے مضمون میں قرار ہے۔







پروفیسر رشید احمد صدیقی

# کوئی بلاؤں کے ہم بلائیں کیا

جو لوگ اس جہان سے اٹھ چکے ہیں، اُن میں کچھ ایسے ہیں جن کے بارے میں میرا اکثر بھی چاہیے کہ کاش میں ان کی زندگی میں ان سے مل سکتا، ان میں سے ایک غالب ہیں؛  
غالب کی گرفت مجھ پر اس لئے نہیں ہے کہ وہ بڑے شاعر تھے۔ بڑے شاعر تو اور بھی ہیں۔ میں قرآن سے دوستی کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ وہ ایک عہد تھے، ایک فراعہ ایک علامت یا ایک عالم تھے، اور اس کے باوجود ہمارے ہی آپ بھیجے تھے۔

میں احباب کہتے رہتے ہیں کہ وہ ایک زوال آمادہ تمدن یا جاگیردارانہ نظام یا رواجی شاعری، چرچہ رکھنے والے تھے، وہ ذہنی انتشار میں مبتلا تھے، نئی زندگی کے مطالبات کا نہ شعور رکھتے، اناس کے سخن ہو سکتے تھے۔  
یہ الزامات ہیں، اصولی تنقید نہیں۔ یہ آئین نہیں ہے، آرڈی نہیں ہے۔ ان دونوں ہم ایک ایسے عالمگیر بحران میں مبتلا ہیں کہ ہم نے تنقید کو اپنی خواہش یا مسلک کا آلہ کار بنا لیا ہے۔ یہ تنقید کی بڑی عروا ہے۔ پھر اردو کے ان تذکرہ نگاروں پر کیوں جیسے جو ہندو سے لگے، ان کا لہجہ ہر مشاعرے کے کام پر ایک ہی طرف کی دھڑکتے ہوئے تھے، چنانچہ یہ کہہ دینا میرے نزدیک کافی نہیں ہے کہ غالب ایک زوال آمادہ تمدن یا جاگیردارانہ نظام کی یادگار و علامت تھے؛

عروج یافتہ تمدن کے زوال ہی میں وہ چنگاری ہوتی ہے جو آگنے والی نسل کے استعمار و حمل کو فروغ دیتی ہے اگر اس نسل سے حمل کی استعداد باقی ہے۔ غالب کا زمانہ دلی کی مشام میں دلی کا نصف انہار تھا، قطعی میں طراوت ہے لیکن انتہام سب جانتے ہیں کہ اس دماغ میں دلی کی سرزمین پر کیسے کیسے جیت اور لگاؤ، روزگار اور علم و فضل کی کھنٹ ضرور ہو گئے تھے۔ اتنے اور ایسے جو غلیظ سلطنت کے عروج میں بھی نظر نہیں آئے تھے۔ عظیم ہندوستانی نہیں، وہ آگنے والی نسل کو کراسپرس (کھنڈن) تھکان سے عہدہ برآ ہونے کا موقع فراہم کرتی ہے۔ اگر قوم کے قوائے ذہنیہ و علمیہ ہلاس کا رُو حمل میں ہوتا ہے تو یہ عظیم ہندوستانی نسل کو ایک حاکم اور نہا شور و جوش ہے۔ پرانے دینے سے نیا دیا اسی طرف روشن ہوتا ہے۔

مغلیہ سلطنت صرف حکومت نہ تھی، وہ ہندوستان کی اخلاقی روایات اور شہلہ جی امانات کو سنو اور تانگی بچھنے کی بشارت تھی جلد ہی ہوئی، اور اجتماعی رواداری اور قانون لطیف میں کوئی قوم قرق اور سلاست کے راستے پر چلی ہی نہیں سکتی اگر وہ دوسری قوم کے ساتھ دوستی اور رفاقت کا جذبہ اپنے میں نہیں پیدا کر سکتی۔ میں میں اور تاریخی عناصر پر ہندوستان شکی ہے۔ اس کا تقاضا یہی رہا ہے کہ وہ یک دہلی میں برقوقوں اور قلوں میں ایک دہلی سے بنا کر رہے۔ جہاں تک یہ کہہ سکا ہوں خود ہندو ازم کا وسیع مذہبی تصور یہاں رہا ہے، اللہ میں ایک صمت دوسرے صمت سے علیحدہ ہے۔ اللہ کے ہاں چھوٹ بھات بھی ہے۔ ان میں ایسے تاریخی شواہد بھی ملتے ہیں جہاں انہوں نے خولہ ریزی بھی کی ہے۔ پھر بھی ہندو ازم کا بنیادی تصور دوسرے عقائد کو انکار کرتا رہا ہے۔ اور ان کے مذہبی عقیدے نے ان کے اجتماعی عقیدے کی پیروی کی ہے۔

میر سے لگے یہ چھا جاتے کہ ہندوستان کو مغلیہ سلطنت نے گھاؤا، تو میں یہ تلفات یہ تین نام لوں گا: غالب، اردو اور تاج محل: یہ ہندوستان کی تہذیبی پین نور ہیں اور سوا ہندوستان کے کہیں اور ظہور نہیں پا سکتے تھے۔ ان تینوں میں ہندوستان کے عورسی اور صغریٰ امتیازات سمجھتے ہیں۔

غالب نے طویل عمر پائی، اور اس زمانے میں طویل عمر پائی جو دم بہ دم منہدم اور شیر ہو رہا تھا۔ وہ میر زمانے کے عہد کے حادثات اور خدا اپنے حادثات سے تمام عمر جاں بر نہ ہوئے۔ وہ ذوق نہ کھنے کہ مشاعرہ کے دھڑلے سے جدا نہ ہو سکے۔ وہ ہم من تھے کہ محاب پر نقش بناتے رہے۔ وہ نظریہ تھے کہ سلطنت ہاتھ سے نہ جاتی تو مشاعرہ ہی میں کوئی جگہ نہ پیدا کر سکتے۔ ظاہر ہے غالب صرف شا عرنہ رہے ہوں گے، بہت کم اور بھی رہے ہوں گے۔

وہ ہر چہند فارسی کے بڑے فداوارہ تھے، فارسی کے اپنے ذوق و زبان پر بھروسہ اور فخر کرتے تھے، اگر وہ دلی آئے تو دلی کے شاعروں اور ناول دانوں سے ٹکڑ جوں۔ کلکتہ گئے تو فارسی دانوں سے پر خاش پھڑی۔ سیاسی دار و گیر کی زد میں آ گئے۔ خانان کے خزا می مقدمات میں آ لگے رہے۔ ایک سلسلے میں جلی خانے کی مصیبت اور دسواں مہینا۔ کلکتہ میں مغرب سے آنے والی عرص طرح کی ہواؤں سے سابقہ رہا۔ خود میں لگے۔ تنگ دست تھے مرتے دم تک ساتھ نہ چھوڑا۔ انگریزوں کی خدمت میں معروضات پیش کئے اور قصیدے گدازے۔ دایمان ریاست کے حضور میں گونگڑائے ان قدروں کو سمار جوتے دلچاسی کو وہ بہت عزیز رکھتے تھے۔ لیکن مذہد میر بنے، نہ خانی، نہ یاس چست پزیری، — وہ تمام حواش کو

مرے خدا سے بے خالی میں ہے اک مویج خون وہ بھی۔

کہہ کر بقول حالی میوان طریقہ رسمت طریقہ: ہی رہے۔ بہتم طریقہ ہونا اور رہنا وہ امتیاز ہے جو غالب کے زمانے میں غالب کے سوا کہیں اور نظر نہیں آتا:

غالب کی شخصیت و حیثیت کا تصور کرتے وقت ہم کو یہ باتیں نظر انداز نہ کرنی چاہئیں کہ غالب نے کسی حال میں ہوا اپنے کسی آدمی کو آڑ نہ پکڑی۔ اور اس آڑ پکڑنے میں وہ کہیں سہاگے چھپتے نہ پھرے۔ ہر طرح کی مشکلات کا۔

تمام محسوسات و ادراکات انہوں نے خود ان کے اپنے سے پہلے جان لی، لیکن مسکراتے ہوئے نگاہ، تواریخ خون گرما جاتا تو اپنے ناکھوں پر ہی کھول کر برس بھی پڑتے۔ اردو شاعری میں غالب پہلے شخص ہیں جنہوں نے غزلیں خدا کو مخاطب کیا ہے۔

غالب کی فارسی کی طرف توجہ امتداد دیا گیا جا چکا ہے، اس بارے میں خود ان کے بیانات آپ نے لکھے ہوں گے۔ ہینک سے ان کی عقیدت کو بھی نظر میں رکھئے، ایک خاص کایہ قول بھی یاد رکھئے کہ غالب اردو شاعری کا شعروہ ولی پر غم نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ اسے خسرو کے واسطے سے راکھی تک پہنچا دینا چاہتے تھے، اگر اردو شاعری میں غالب کا بیچ نہ ہوتا تو اردو شاعری اور زبان کا آج رنگ ہی کچھ اور ہوتا۔ ہاں ہر ہندوستان کی فضا اور زبان کی روایات میں وہی شخص فارسی اور فارسییت سے بہت گراؤ و نشتر کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتا ہے۔ غلط فہمی کے کیا اصول بتا لے۔ اور اپنے بزرگوں، عزیزوں، دوستوں اور مرثیہ گوں کو کس عقیدے، محبت اور شفقت سے یاد کرتا ہے۔ اس کا اندازہ غالب کا مغربی سا غالب علم بھی کر سکتا ہے۔ غلط فہمی میں انشا پر دہازی کی تمام خوبی اور خاص حکمت ہوجاتی ہے۔ انشا پر دہازی ہی نہیں شمس کی بھی۔ غالب نے کچھ اور نہیں کیا ہونا صرف یہ رہتا ہے جسے ہوتے تب بھی وہ ہمارے بہتوں سے اُوچے ہوتے۔ غلط فہمی میں لوگوں نے بڑے بڑے انتہا پرستی، احادیث، قابلیت اور زور و قلم صرف کیا ہے۔ لیکن پڑھنے پر اکثر یہی محسوس ہوا کہ غلط فہمی نہ لکھ پائے اور بے نقاب ہو جائے۔ غلط فہمی جو چیز طلب کرتا ہے انشا پر دہازی اس کے حوالے کرنے میں ہمیشہ جھجکا ہے گا۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں شمس انشا پر دہازی کا نہیں، خود انشا پر دہازی شخص کا سہارا بنتی ہے۔ کمتر و بے کاشن، بہتر و بے کاشن کا غلط فہمی نہیں ہو سکتا۔ مشن نے عقیدہ منی کو خط نہ لکھے ہوتے تو میں غالب کے بعد ان کو اردو کا سب سے اچھا غلط فہمی والا نہ قرار دیتا۔

غالب نے غزل کو جذبیہ کا درجہ دیا جس سے آگے ہمارے اچھے سے اچھے شاعر کو مغر نہیں۔ غزل اسب اتھا صنف کمال نہیں رہی جتنی وہ اردو کی تاثیر اور تقدیر میں گئی ہے۔ غالب نے نثر اور نظم دونوں کو دلیری بھی دی دلیری میں۔ غزل کی تقدیر غالب ہی نے متین کی، اور اس کو ایسی فضا دی جہاں اردو کے تمام مسکراتے شعری و شاعری کو بڑگ و بار لانے کے سامان اور سہولتیں فراہم ہیں۔

اقبال نے ایک جڑ بٹھا ہے۔ مجھے آہ و فغان نیم شب کا پیام آیا۔ اب تو جن میں کوئی شکل مقام آگیا ہو، اردو شاعری میں غالب نے اپنے بے گانے والے قصو کے لئے شکل مقامات آسان کر دیئے ہیں۔ اور سونے کی بات یہ ہے کہ ہر سورہ غالب نے غزل کے اندر سے سر کیا، جس کی تنگ دامانی ضرب افش میں چل سکتی، غالب بڑے سر کے کے عہد میں پیدا ہوئے تھے جن کو پورے طور پر سمجھنا اور نظر میں رکھنا غالب ہی کا کام تھا، یہی سبب ہے کہ وہ کسی کے پیروں سے تھے اور ان کے عہد میں کوئی اور ان کا پیروں سے نہ

اردو شاعری میں بالعموم اور غزل میں بالخصوص غالب کی پیروی اس وقت شروع ہوئی جب ہمارے یہاں پھر سے ایمان اور یقین شروع ہوئی، اور یہ زمانہ جنگ خرابی اور بیکار سے لے کر آج تک کا ہے۔ اس

پیروی کے اولین نقشہ ہم کو سطح کی غزلوں میں ملتے ہیں۔ غزلوں میں غالب کا یہ کارنامہ ہماری شاعری میں طرح طرح سے ٹھٹکتا ہے۔ جس کی تفصیل بجائے خود ایک مقالہ بن سکتی ہے اور اس کا یہ موقع نہیں۔ اردو شاعری کے غالب علوں کو یہ بات عجیب معلوم ہوگی کہ غالب اردو غزل کے فی الغلبہ کوئی بڑے مرد میدان نہ تھے، ان سے پہلے خود ان کے عہد میں اور ان کے بعد بھی ان سے زیادہ ممتاز غزل گو گزرے ہیں۔ لیکن یہ غالب ہی کا تصرف تھا جس نے غزل کو ہمارا کلچر اور ہمارے کلچر کو غزل بنا دیا۔ اردو شاعری میں غزل کا یہ تصرف دوام مہارنگ سمجھا جائے یا نام رگ، ہجرت، انگیز ضرور ہے۔ اردو شاعری غالب کے سہارے خاص و خواہ گزرنے لیں ملے کرتی اقبال تک پہنچی۔ اقبال نے اس کو کہاں سے کہاں چھوڑ دیا۔ ایسا موضوع ہے جس کے بارے میں وہیں بات دوہرانا چاہتے ہوں، بوا بھی ابھی ابھی اوپر لکھا ہے۔ لیکن جس کی تفصیل خود ایک مقالہ بن سکتی ہے، اور اس کا یہ موقع نہیں۔

غالب کے سلسلے میں کچھ باتیں ان کی زندگی اور خوش فہمی کے بارے میں بھی کہنی ہیں۔ ابتداء، ہمارا اور کلچر کے تصور سے اوپر سطح کی سطح و معاشرتی طنز و طعنت تک، ایک درجہ پہنچ چکا ہے۔ جیسے غالب کی مشق اور شائستگی قرأت کو چھوڑنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ زندگی سے غالب کا رشتہ بالواسطہ اور براہ راست تھا۔ انہوں نے ایک مضبوط پٹائی کی طرح ہر دور کو طوفان، طوفان کو ہروں میں منتقل ہوتے دیکھا، اور اس میں کھیل کو بازیچہ اطفالی سمجھ کر تعیش و تمیض میں پڑنے کے بجائے ان دونوں کو اپنے طور پر سنبھالتے رہے۔ وہ سرج لائٹ کے بجائے دن کے اجالے کے قافی رہے۔ اپنی اس مصیبت کو مٹانے کے لئے غالب کو ہماری قیمت بھی ادا کرنی پڑی۔ ایک دوسرے ملک، جیل کے فنکار کے کمرے ان کی دوستی خاطر پڑی رہی لیکن اس "جہان غریب" نے جس طرح اور میں حد تک اس مشکل کو آسان کیا میرے نزدیک طنز و مزاح کے شعروں میں ان کی خدمات کے لئے کافی ہے۔

ابتداءً حد کو چھوڑ کر جب ان کی زندگی ان کی بے غباری پر اکثر فتح پا جاتی ہے غالب کے یہاں زندگی کا ایک فلسفیانہ احساس تھا جس میں ریخ و راحت دونوں کے لئے گمان نش ہی نہیں بلکہ طلب بھی ملتی ہے جیسے وہ اس کے قافی ہوں کہ جنگاں سے اس ٹھکرے دونوں کے تمام پہلو ظہور پاتے اور زندگی کا جہت ہم پر چلتے ہیں۔ نیز یہ کہ جنگاں سے بیزاری پر پشیمان ہونا اتنی ہی گھٹیا بات ہے جتنا کہ اس پر جہش سکنے اور جنگاں سے میں سمیت غفلت و کج سگنے اور پانچنے کی صلاحیت پیدا کرنا ایک اعلیٰ اور قابلِ مصل نظریہ سمجھتا ہے۔ یہی احساس ہے میں نے رد و قدس، کرشمی اور دل شکستگی کی تنگ و تاریک اور تنگ گلیوں سے نکال کر انہیں ان کی شاعری کے فلسفیانہ توازن اور بے غبار خوش فہمی کی مثال ہر اہ پر لا ڈالا۔

اردو شعروادب ہی نہیں، طنز و طعنت کی مصل میں بھی غالب اس طرح داخل ہوئے ہیں جیسے نظم گاؤں کے درمیان پہلے گائے گاؤں آگے سے دور ہو جائے، تقریباً ہر صدی میں وہ ایک بار ایسا اتفاق ہو گیا ہے۔ غالب انہیں دلچسپ لیکن ناگزیر اتفاقات میں سے ہی مان کو کسی خاص دور میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔ یہ خود

ایک دوسرا ایک عہد یا ایک طرز ہی۔ اس طرح جیسے ان سے پہلے ستورا، اور ان کے بعد اکبر کی حیثیت و یکجہ اور سمجھ لیں تو اردو فنونیات معضلات کا پورا سوا تاریخ جو کہ ہمارے پیش نظر ہو جائے گا، اور ہم وہ تمام مثبت اور منفی قدریں مل جائیں گی جن کو مختلف صدیوں میں ایک دوسرے سے رابطہ کے قیام دوسرے طرز ہیجے، اور طرز نگاروں کا خیریت یاریک جا سکتا ہے، اور ان کے فن اور کارنامے دونوں کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔

یہ ہیں ایک اتفاق ہے کہ عہد زمانے کے لحاظ سے بھی غائب سودا اور اکبر کے درمیان آئے ہیں۔ اس طرح ان کی حیثیت "بروز" کی سی ہو گئی ہے۔ میں میں ایک طرف سودا اور ان کی ذریعہ اور دوسری طرف اکبر اور ان کے لواحقین ہیں، تو اس عمل یا سفر میں غائب کی حیثیت اپنے کو اس طرح ڈھالتی مزا لے ہے کہ اکبر تک پہنچتے پہنچتے جنت و جہنم و برعایت و برزخ کی تقریبی متنی نظر آنے لگتی ہے۔ اور یہ احساس ہوتا ہے کہ جنت اور جہنم بھی میں ایک اعتبار بیان ہے۔

طرز کی طرح غائب کی طرز بھی لطیف ہے۔ گوانتو براہ راست یا سادہ نہیں۔ ان کے بیباں و بی باست جب تک سادہ اور براہ راست رہتا ہے، اپنے پچھلے طرز کا نمود معلوم ہوتا ہے لیکن جہاں اس میں معمولی سا ارتقا بھی آیا طرز کا تھیکا پن اور ظرافت کا سہم پورے طور پر نمایاں ہو جاتا ہے۔ اس غیر معمولی اعتبار اور قابل کی مشابہت کوئی حال سے پوچھے یا ان دوستوں سے جن کے نام غائب نے ہنس ہنس کے خطوط لکھے ہیں، یا ان مقلدوں میں دیکھے میں میں کسی کسی جہانے کوئی نہ کوئی سخن گستاخ بات آپڑی ہے۔ ان کی ظرافت میں کوئی چیز منفی شوق معلوم ہوتی ہے، وہی ان کی طرز میں پہنچنے کو نشتر کی طرح چمکتی ہے۔ مثلاً

آپ کی صورت تو دیکھا چاہئے

ہے یوں کہ جیسے قند و تہرہ نام بیہ ہے

ہے ولی پوشیدہ اور کا خرم کھلا

خدا سے کیا ستم جو نہ خدا رکھے

کیا بات ہے تھارے شراب و طہور کی

شیر سا لگا ہے قلم مر فوشت کو

اگر ان کردہ گفت ہوں کی سزا ہے

یہ اور ایسے ہی جہانے لکھتے اور کرکٹے ہیں جو غائب کی شخصیت، ان کی ظرف نگاہ اور ان کی بے محابا حیات شناسی کے لئے چور و دیواروں کا کام دیتا ہے، جو مشابہت بھی نہ لکھتے نظر آتے اگر ان پر غائب کی منہ لے سے پاک خوش دلی اور خوش طبیی روشنی نہ لگتی۔

اپنی اس طبعی زندہ دلی سے انہوں نے خود غزل کے مزاجوں اور حزیں پہ لے کر کسی حد تک پورا عید اور غم آفرین بنایا، ایک مصلحہ سوال ہے۔ ہم کے ہلکے میں وہی نفرت وہاں پھر وہاں نکلا۔ میں جس کی قطعیں بجا لے خود ایک مقام پر پہنچ سکتے ہیں۔ اور اس کا یہ موقع نہیں۔ لیکن جب ہم ادب میں فتنہ اور طرافت کی حیثیت و اہمیت منہیں کر کے بیٹھیں تو غالب کی مثال ضرور سامنے رکھنی پڑے گی۔ جن کے اس ذہن رجائیت ہی کی جدوت ادب و عمارت کا رٹا موڑنا آسان ہوا۔ ورنہ شاید پھر کی زبان ذ غالب کے بیان کو سنبھال سکتی، مزا اقبال کے کلام کو۔

## غالب شکنے

(۱۹۲۳ء سے آج تک)

غالب کے کنوینشنل پر روشنی ڈالنے پر۔ ورنہ ہم سے وہ غالب مفہوم سے مخالفت و مخالفت کا کوئی موقع ہی نہیں ہے وہ انیسویں صدی کے وسط تیسویں صدی کا۔ میں کہتا ہوں اور کہتے ہیں کہ ان کے کتبوں کی تعلیم یافتہ گروہوں کی بہ نسبت غالب کے کلامات شعری کی کج فہمیاں کا جو ہر فطرت نے ہم میں زیادہ ودیعت کیا ہے شاعر کو بہ نسبت شاعر شعری بہتر ہو سکتا ہے مگر بغیر وہ خاص غالب کے متعلق اس قدر کج فہمیاں کا اختلاف اس لئے چارہ نکلتا ہوں کہ غالب پرست ذرا حقیقت پر کافر وہی کہہ سکتے ہیں اس کا بھی نہیں ہاں کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ وہ بوجھے ہیں کی خلق کنوینشنل کو کتنا سخت کم کرنی خواہت کی دلیل ہے۔ کیا کہیں وہ کنوینشنل نہیں ہیں جو انسان میں ہوتی ہیں۔ گھر میں کیا کروں۔ میں اسے اپنی خودت ہو کر موندنا کہہ کر کرتا ہوں۔ دیکھنا یہ کہ میر کی یہ تاریخ نوائی کسی خاصانہ ہندو کے تحت سمجھو اس میں کوئی اصلاحی پیرٹ پرشید ہے۔ آپ غالب آسان فرود کہتے ہوں گے کہ میری اس تمام تقریروں کا مخاطب غالب نہیں ہو سکتا کیونکہ گفتگو فرود سے نہیں ہوتی زندگیوں سے ہوتی ہے اس کے علاوہ اس حقیقت پر نظر رکھنی چاہیے کہ مرزا غالب نے خود اپنے

اموال پر ہلکا کھ اپنی خلیت تخت لب و بہر میں تنگدستی ہے۔ ہم سے زیادہ غالب پر محنت کلائی یا بد اخلاق کا الزام کہہ سکتے ہیں۔ دوسری وجہ میر کے اس ہے باکتاب لب و بہر کی یہ بھی ہے کہ غالب پرستوں نے غالب کی مدح میں خود سے زیادہ خلوص کام لیا ہے۔ تمام اسلحہ اردو کا حق تلف کر کے غالب کو دے دیا ہے۔ مگر میں نے غالب کا حق تلف نہیں کیا۔ ہاں کھری کھری سنائی جس کے مخاطب غالب نہیں ہیں بلکہ غالب پرست۔

نیرنگ، احمد علی اس قدر کہ ہم کہیں۔ یہ زندہ صحبت باقی ہے

میل و علم ہیں یا سس ہے اپنے نہ ملک و مال

ہم سے حسنات ہو کے کرے گا زمانہ کیا؟

(غلام اکشر)

## العاطفة

کتاب مستطاب تالیف بزبان فارسی قدیم ہے آمیزش  
لفظ عربی تصنیف فردوسی ہندو اب اسد انشاں بہاؤ  
عالمی تحفہ دہلی ، موسوم یہ

## دستبنو

جس میں مصنف نے اپنی سرگزشت ابتدائی ۱۸۵۷ء  
۳۱ جولائی ۱۸۵۸ء تک لکھی ہے مع قصیدہ تہنیت فتح ہند  
کہ وہ بزبان فارسی متعارف مرقوم ہے ؛

مطبع مفید خلافت ۲ گریہ میں واسطہ اعتقاد  
خاص و عام کہ یہ احکام شیونارائن کے چھاپے گئے



سنہ ۱۸۵۷ء میں برصغیر پر انگریزوں کی حمل داری کا شروع طلوع ہوا اور قلیہ سلطنت کا کتاب قلوب ہو گیا۔ اس طلوع و غروب سے پس منظر میں تہذیبی زندگی کے کس قدر ایچے تھے اس کا اندازہ صرف ان وقائع سے ہوسکتا ہے جو کسی حد تک حنیفہ تحریر میں لائے جاسکے ہیں۔ غالب نے اپنی آنکھوں سے بطور دہلی کی تباہی، خیرباد دکان، رزمائے شہر، اپنے اعزاء، احباب اور شاگردوں کی اسیری، قتل و غارتگری اور مصائب کوئی کے بوجھ فرسات نظر دیکھے۔ اردو سائیک کی زبان میں قریح فارسی میں ایک مستقل رسالہ "دستبنو" کے نام سے تحریر کیا جو دہلی کی تباہی کا دردناک عریضہ ہے غالب نے "دستبنو" کی تصنیف میں یہ التزام رکھا ہے کہ اسما کے سوا کوئی لفظ عربی کا لکھ نہ پائے۔ دینی حقیقتیں نے اس میں سے چند غیر فارسی الفاظ کا کش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ غالب کا یہ دعا ممکن طور پر صحیح نہیں ہے۔ بہر حال اس دعا سے مستفاد نظر غالب نے فارسی شکر کے اعلیٰ اسلوب کو اختیار کرتے ہوئے "شہر بے شہر" اور "ہنگام بے قیامت" کے مصائب کی داستان اس انداز سے رقم کی ہے کہ یہ کتاب حیات غالب اور عہد غالب کا ایک اہم حافض بن گئی ہے۔ انہوں نے اس نادر و نایاب مجموعہ کا ترجمہ کتابی صورت میں چھپنے کی کج تک (بیت نہ آسکی)۔

۱۸۵۷ء کو دہلی میں فساد ہوا اور اس وقت سے غالب نے اپنی سرگزشت عشق شروع کی اور کچھ مہینے اسے بھی وہ "غیر سرگزشت" کو لکھ گئے۔ یہ سلسلہ ۳۱ جولائی سنہ ۱۸۵۷ء میں بند ہو گیا۔ یہی چندہ چھپنے کے احوال پر مشتمل ہے۔ "دستبنو" کی افادیت کے پیش نظر "افکار" میں اس کے مکمل متن کا ترجمہ ملکہ وکٹوریہ کے قصبے اور اہل فارسی اشعار کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ ترجمہ میں جو ذیلی سرخیاں ہیں وہ اہل فارسی متن میں نہیں ہیں۔ لیکن واقعات کی تفصیل کے پیش نظر یہ التزام کیا گیا ہے۔ "دستبنو" کا یہ مستند ترجمہ پہلی بار دہلی یونیورسٹی کے علمی مجلہ "اردوئے معلیٰ" کے غالب نمبر سنہ ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا تھا اور نایاب کتاب "گلزارِ دہلی" پاکستان کے اخبار و رسائل میں "دستبنو" کے بعض ناقص و نامکمل تراجم شائع ہوئے ہیں لیکن وہ اہل فارسی متن کی وجہ اور غالب کے اسلوب سے قطعی غاری ہیں۔ چنانچہ "دستبنو" کا یہ ترجمہ مکمل صحت کے ساتھ "افکار" میں بھی اس جذبے کے تحت شائع کیا جا رہا ہے کہ غالب کی یہ یادگار تحریر محفوظ ہو جائے اور غالب شخص اس سے کبھی لڑا استفادہ کر سکیں۔

۱۰ اردو کے معنی، دہلی کی مجلسِ ادارت اور اس کے مدیر عزرائیل ڈاکٹر فراہ احمد فاروقی صاحب مبارکباد ہیں جن کی اولین مساعی سے "دستبنو" کا عروج و مستند ترجمہ اردو دوستوں تک پہنچا۔

## قَصِیدَاۃ

## بُرْکِزِیْدَاۃ

در مدح خداوند رفیع زین سایہ جہاں آفرین  
حضرت قدر قدرت ملکہ معظمہ انگلستان  
خدا اشہر ملکہ بالعدل والاحسان  
مشتعل بر تہنیت فتح ہندوستان



دہ روزگار بافترا اند سسار یافت  
 پرکار بترگر د خلک، در میان صبیح  
 در بالی آسمان یز میں باز کرده اند  
 آمد اگر بصر حق ز بالا بلا فرد  
 چون سخن ماه بخشد بینی پداں کہ ماه  
 چون رنگ روی گل نگر می شاد شو گل  
 در خاک و بادو آتش و آب آشتی فزود  
 تاچار بسز پداو گرایش نمی کند  
 هرکس بقدر نفرت خویش اربند گفت  
 گر خوابه بنده را خط آزادگی بنشت  
 در بنده خود ز خشم خط بندگی درید  
 در روشنی د مهر فروزش ز سر گرفت  
 بهرام دل به بستن تین و کر نهاد  
 نظاره فتنه های عیال از نظر سترد  
 جام از شراب روشنی آفتاب داد  
 روئے سخن صفائے بنا کو خوش گلزید  
 برهم زود قاصدہ دلی کین بدہر  
 بنین سمر بجا لب پیمانہ کش رسید  
 در بن شمع خورش بر این بسیل رحمت  
 عاشق ز بسکه شاد بوسید و پیشه را

خود روزگار انچه درین روزگار یافت  
 حق داد و داد حق کہ بمرکز قرار یافت  
 هرکس ہر انچه جنت بہر رنجزار یافت  
 بروئے خاک پیچ و خم زلف یار یافت  
 پاؤ کش حال گذازی شب ہائے نار یافت  
 اچر جگر خراشی پیکان حسا یافت  
 ایں ہر ورش کہ خلق زچہ و درگار یافت  
 در دہر ہرچہ صورت ازین ہر چہ یافت  
 ہر شئی بمن جو ہر خویش اشتہار یافت  
 ہم بر دوسرای خودش بندہ دار یافت  
 توفیق خوش دلی ز خداوندگار یافت  
 میں و ہمار صورت میں و ہمار یافت  
 تاہم ذوق و درخش مضرب و تار یافت  
 اندیشہ گنج ہائے نہاں آشکار یافت  
 بزم از بساط تازگی نو بہار یافت  
 بانگ قلم، نشاط فرستہ ہزار یافت  
 ہرکس سرور تازہ ز ہرگونہ کار یافت  
 ذوق صبور عابد شب زندہ دار یافت  
 کوک رہائی ہو ز آموزگار یافت  
 از بہر خویش غم گل و غم گسار یافت

خون گشت در دل دی اگر حسرت نگاه  
گر زاهد است نیز ز من می بجام برود  
قتل دل عدو که کشایش نداشت نیز  
با فتنه هم مضائقه در خرقی نداشت  
عنان رنگ و بر دستم دل فروخته  
دولت سپند سوخت که در ملک تانده رو  
از استکام شاهای و آئین خسروی  
بر خستگان هند به بخشود از کرم  
بخشنه به کار سازای اقبال ساز داد  
بالد چنان زمانه که پهلوان بدست  
تا ز چنان بخروش که بالا بروی تخت  
با بیستی انجم از پای ترصیع تاج و تخت  
با قوت ساز چرخ که معدن دکان لوت  
سنگی که نقش لعل و زمره جفته بود  
خوشید را به چشم کواکب خروار و برج  
همشید کش لبشاه سر حسری نبود  
زین پس میانه مردم سخن رود  
بخت نخواست داده زانگور ساختن  
زحمت کشید گر چه بهار اندر ایشام  
آورد و گونه گونه نشانهای رنگ و بو  
گل را ز جوش رنگ بهنگام جاگاست

چشم سیاه را به سزا سوخت و ریخت  
در محرم است نیز زنده زینهار ریخت  
و خاتم کلید ز دندان مار ریخت  
خود رخت خوابش از رنگ گل پودن ریخت  
بستان آرزو شجر میوه دارد ریخت  
ملک آفرین سرود که دولت مدار ریخت  
سور و سرور و دانی و داد و انشای ریخت  
و کوریا که رونق از دوزگار ریخت  
کا قبال تا زار بر معنی سازگار ریخت  
از بسکه تخت پایگی استوار ریخت  
از بسکه تاج کام دل اندر کار ریخت  
نازم فرد تنی که بجا هر قرار ریخت  
آه و هر چه در کمر که سار ریخت  
در سینه خار خار ز جوش سزار ریخت  
تنها نه آبرو و گهرش باور ریخت  
ساق گوی گزیده و دران پرده بار ریخت  
ژان دور یاش با که غم از پرده دار ریخت  
در دورش بیکدمه بدوی فشار ریخت  
داند همی که سود بیرون از شمار ریخت  
باغ و بیش برود هر چه در خور کار ریخت  
آورد و گریه بهار نقش را فگار ریخت

در راه با یمنزد عزیزان شمرده شد  
 موبسکه آید و در مهرشاهوارند  
 روزیکه قیر ران شهنشاه کامران  
 از گرد راه، لیل، یغیتی، نقاب بست  
 و در در شکارگاه خندگی ترشت جنت  
 با شد بجان و شیبه بمنزل زند قریس  
 تاج و تکیس علامت شاهی است و جهان  
 فرمان روی ماست که از فرشت کشتش  
 زین سان یقین نامیه نامی نگشته بود  
 و انهم کز امتضائی زمانست کایس زبان  
 آری چرا چنین نبود کز عطای دهر  
 کوه از انجم لاله خود و بختک خفت  
 بی آن که خوابش زدیگی در میان بود  
 امر و دلاله را بهر کوهسار وید  
 در وصف رنگ و بوی توانی تمام شد  
 این خوش دلی ز معدن ازل بود آن شاه  
 عاشق که مستعار بود همچو عمر حلق  
 نقان شمار دولت حب و بدیاستی

ازین بهر است جیب مسمی زلفت بر اسم

هر جا الف نبشت محاسب هزار یافت





ہنام خداوند پیروز و زگر

مرد و مرزا و شب و روزگر

میت اسے کتاب کا آئینہ نظر آتا ہے اسے خدا کے

نام سے جو طاقت پیشنے والا ہے . جو جانور، سورج

اور دھن . وائے کا خالق ہے .

۱۱

عظیم طاقت کا مالک ہے وہ شہنشاہ جس نے نو آسمانوں کو ہلکایا اور سات تاروں کو بدستغنی مٹا دیا  
بڑا صاحب علم ہے وہ خدا جس نے ہم کو روح سے سرفراز کیا . اور انسان کو حکمت و انصاف کی دولت بخش دی .  
جس نے مادے اور دماغ کی مدد کے بغیر سات وز میزوں ، اور نو آسمانوں کو پیدا کیا . مشکل اور آسان کاموں  
کا بن جانے والا اس سلسلے میں راستہ کی ، معمول یا غیر معمولی رکاوٹوں کا دور ہونا ان سب امور کو ، ان کی دنیا و اثرات  
سے متعلق کیا .

(ملاحظہ) ان ضابطوں کو اس طرح مرتب نہیں کیا ہے کہ ہر اہم جہاں متضاد ہیں ، مختلف صفات رکھتے  
ہیں ، ایک دوسرے سے دور دور رہتے ہیں اور (کبھی) ایک جگہ جے جوڑتے ہیں ، طاقت کے باوجود فرماں بردار  
نہیں ، اور قوت کا فرمائی اور صلاحیت کا پیر کے باوصف فرمان قدرت کے تابع نہیں .

ذرا ناختر و گردوں میں دم زنی کہ جنوں

بہا تر ہم نشین ستاروں دور وارا

مشو ستارہ پرستار کا فتی بہت

فروگزشتہ فروغش نہیں دپیدا

شم آسمانوں اور ستاروں کے دراز دھانچے لاکیا

دعویٰ کرتے ہو۔ ہم تو ابھی تک جیت اور بچنے کے فرق سے واقف نہیں ہوئے۔ ستاروں کی پرستش نہ کرو، دانت کو دینیکے کاموں میں مطلق صاحب اختیار نہ مانتو، کیونکہ ایک آفتاب (خدا) بھی موجود ہے۔ جین کی روشنی دکھائے کہ تمام ظاہر و باطنی چیزیں کو حلقہ میں لے لئے ہوئے ہے۔

اگر ذہرہ مشتری میں دسمد ہونے کے لحاظ سے، فائدہ پہنچانے کی کچھ صلاحیت ہے (تو پر) اور زحل و مریخ میں دھس ہونے کے اعتبار سے، نقصان رسانی کی خاصیت ہے، تو ہوا کرے۔ جو لوگ واقف حقیقت ہیں، وہ جانتے ہیں کہ خواست و نیت اور صورت و علم کا سرچرہاں ہے۔ سوائے ایک عادل ٹیٹا کے ملازم ہیں (اس سے) صدمت کے سپاہی کہیں حلقہ انصاف سے قدم باہر نہیں نکال سکتے ہیں۔ مل جل کر کام کرنے اور کارسازیاں (تعمیل علم) کے علاوہ ان کو کسی چیز سے تعلق نہیں۔ اگر ان میں سے کسی نے سنٹ گری کے (دیسے سے) اگلے ہونے کا من کو کھانا چاہا یا کسی نے تری کھونڈی ہے، سے سنگم (دندلی) کی رونق افزائی کی تو یہ سب (دندلی کی) ہانڈے سنوارنے (اور خشکوں کو مل کرنے) کے مختلف انداز ہیں۔ غلام یا بے نیاز نہیں سے

چنبرہ گرگہ ذمہ زخم بر پیک زخم

پیدا سست کہ از ہر چہر آجنگ زند

وہ ہوا ناخوشی خوشی پتیاں سست

گا زرنہ خشم حامد بر سنگ زند

مغنی ساز کے تاروں سے ہر مضارب سے ضرب ملانا

ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے اس کا مقصد کیا ہوتا

ہے۔ مسرتیں مصیبتوں کے پردے میں چھپی ہوئی

ہیں۔ دھوپ فشتے میں ۲۰ ستر کیڑے کو پتھر پر

نہیں مارتا۔

حقیقت کسی چیز کا ہونا کسی دوسری چیز کے وجود کا سبب بنتا ہے۔

حقیقت انعام و تکلیف اور بلندی و پستی ساری چیزیں (خدا کی طرف سے) انسان کو ملتی ہیں۔ اس نے کو صوب

فائدہ اور ہر پوری کا وسیلہ بن جاتی ہیں۔ اور ان سے مسرتیں حاصل ہوتی ہیں۔ دولت مند کسی محتاج کو چہر پیسے دے یا

ہزاروں روپے، ارشیم کے خزانہ مل کر دے یا کھیل (دھر صورت میں) سخاوت اور درویش پروردی ہے۔ قدرت کے عطیات کو اچھائی برائی کے خاتوں میں تقسیم کرنا یا کسی چیز کا لازم رکھنا (کچھ خیالی و کم نہیں ہے۔

یہ دنیا کچھ حقیقت چیزیں جو (خدا کے) طاقت و تدبیروں کے) سامنے بیک ہیں، کیا ای کے لئے یہ پیمائش

و خداوندی، کچھ کم ہے کہ وہ موجود ہیں۔

لیکن یہ دو قسمی باتیں کم نفور اور کم معرفت لوگوں کی رسائی ذہن سے باہر ہیں اور انہماک بیان کی وہ طاقت بھی ختم ہو گئی۔ بہر حال میں چند سیرت حیاں بھیچے اُتر آہوں آسمان اٹھایا بیان اختیار کیا ہوں اور ہم انہیں بھی بولی باتوں کو محاف اور سادہ انداز میں کہتے ہوں۔ آسمان کی گردش جنگ کی رفتار کی مانند ہے۔ تم ابھی طرح جانتے ہو کہ جنگ کو چلانے والا ضرور جوتا ہے۔ پھر تم یہ کیوں نہیں سمجھتے ہو کہ آسمان کو گردش میں رکھنے والا بھی کوئی ہے۔ آسمان کے چرخے میں مسرتوں کی مصاحبت فتح رسائی وادیت وہی کے کاروں سے بنی ہوئی پڑتی لگی ہے۔ جس کے چند پردے تیار کر کے اہل دنیا کی نگاہوں کے سامنے ڈال دیئے گئے ہیں۔ مصاحبات معرفت اور واقعات اسرار الہیہ کے باوجود دیکھتے ہیں کہ ہر کام کا کرنے والا خدا ہی ہے۔

پہلو جنبش سپہر یزدان واداست

ہیاد و تیرد و پانچ ہمسایا آسمان واد

جب یہ مسئلہ کہ آسمان کی گردش حکیم

خدا کے تابع ہے تو میں آسمان جو کچھ دے

ہم اس کو قلم کیسے کہہ سکتے ہیں۔

سبحان انشاء کتنا عظیم ہے وہ خدا جو وہو عطا کرتا ہے اور عدم کو ختم کرتا ہے جو ظلم کو ختم کرتے والا اور انصاف کی روشنی کو بچھلنے والا ہے۔ وہ انصاف کی طاقت سے طاقت دروں کا نور گھٹا دیتا ہے اور اپنے کرم سے کمزوروں کو طاقت بخشتا ہے۔ اپاہیل کے ٹکڑوں کی ضرب سے فیل سوار خود سروں کا خاک میں مل جاتا، یا ایک پھر کا نرود کو موت کے ہست پر سلا دینا کیا تھا؟ یقیناً یہ وہ نشانیاں ہیں جن سے اس کی (بے پناہ) قوت و قدرت کا انہماک ہوتا ہے۔ ورنہ کھ کو بتاؤ کہ یہ دو مختلف قسم کی باتیں ہیں جو مختلف زمانوں میں نازل ہوئیں۔ یہ کس ستارہ کی نگاہ سے قائم کا کرشمہ تھیں؟

وہ آگ ازجم، اور بگ وافر برود

سکندر بگ لگاؤ وارا واد

نمود دیوزان دست انگشتری

کہ مستقر رگ جان دیو و پتری

نہاد و کش وانی نہ کیمنہ بھی

سرائی ہسان میسرش و اختر بھی

خفاک حبشید سے تحت و تاج چھین دیتے

سکندر وارا کا سینہ چاک کر دیتے۔ غفریت

و حضرت سیاح کے جانتے تھے، انگریزوں کو لے



جانتا ہے جو درجہ اور پستیوں پر حکمرانی کرتے تھے ۔  
متم جزا و سزا کے اسرار سے واقف نہیں تھے جس میں  
آسمانوں اور زمینوں کو ہر چیز کا وقت و مکان  
سمجھتے تھے ۔

خاص طرح کائنات کو عدم سے وجود میں لایا ہے ۔ اسی طرح ہر موجود کو فنا بھی کر سکتا ہے ۔ وہ فنا ہی جس  
نے ایک لفظ ممکن سے سارے عالم کو پیدا کیا ۔ اگر وہ اس عالم کو فنا کر دے تو کس کی مجال ہے کہ چون و چرا کر سکے ۔

اس زمانے میں ہر ملک کا آئینہ اور ہر چیز کا قاعدہ ہی بدل گیا ۔ سہا بن سردار سے متعارف ہو گئے ۔  
سنی طرازی سے کیا قاعدہ ، کچن چاہئے کہ زمانہ ہی بدل گیا ۔ مہمیں کا خیال ہے کہ میں زمانے میں ایران کے آخری  
شہنشاہ یزدجرد کی مجلس عیش عربوں کے حملوں سے درہم برہم ہو گیا تھا ۔ اس وقت زمین و مریخ دونوں بھی  
سرطان میں جیسے تھے ۔ آج کل بھی ہرچ سرطان زمین و مریخ کا مسکن معلوم ہوتا ہے ۔ یہ بناوت ، لڑائی ، غلبہ ،  
خون ریزی اور ذلت اس (قرآنِ شمس کے) اثرات ہیں لیکن ہرچو گشتا سائے حقیقت ہیں ۔ وہ اس بات کو  
تسلیم کیسے کر سکتے ہیں ۔ ایران پر عرب کا تسلط بالکل دوسری چیز تھی ۔ وہ تو ایک ملک پر دوسرے ملک کے  
لوگوں کی فوج کشی تھی ، لیکن یہاں تو فوج نے اپنے سرداروں سے بناوت کی ہے ۔ ایران کی قدیم داستانوں سے ان  
دو لڑائیوں کا فرق واضح ہو جاتا ہے

## جنگ عرب و ایران اور غدر کا مقابلہ

ایران پر (عرب کا) حملہ مذہبی بنیا د پر تھا ۔ ایران جو علم و حکمت کے لحاظ سے ویران ہو چکا تھا ، ایک نئے  
مذہب کی برگزینی سے سوس رہ گیا ، اور اس کی بدولت آگ کی دہشت اور غلامی سے نجات پائی ، لیکن ہندوستان  
میں ارجاں سوال صرف قافلوں کا ہے ، ہندوستان والے کس نئے آئین کی حفاظت کا سہارا لے کر اپنے اسائن  
ہیں خوش کاغذ کر سکتے ہیں ۔

ہاں ایران نے آتش پرستی سے مذہب کو مٹا دیا پرستی کا راستہ دیکھا لیکن ہندوستان والے منصف حاکموں  
دانگریزوں ، کادامن اسمتہ کے چمڑے کے درندہ صفت انسانوں کے دام میں گرفتار ہو گئے ۔ تم نہیں دیکھتے ہو کہ  
حاکم و دام اور داد و دہش زیادہ فائدہ نہیں ہے ۔ پتا تو ہے کہ انگریزی حکومت کے علاوہ کسی دوسری  
حکومت میں انصاف کی امید کتنا بالکل نادانی ہے ۔ عربوں کے تازیانے سے جو زخم لگے تھے ۔ وہ مبارک مذہب  
(اسلام) ان زخموں کا ہر پین بن گیا تھا ۔ اگر ان مصیبتوں کے بعد زمانہ امن و راحت کی دولت بخشا ۔ تو  
مصیبت زدہ غم و آلام کو بھول سکتے تھے ۔ اگر کچھ واقف و زود صاحبِ فکر کے خیال ہیں اس سیاست کے عید کوئی  
راحت ملنے والی ہو تو ہنسے اور میرے غم گین اور غم زدہ دل کو شکیں بخش کر سنوں کہ اسے دامن و انتقام کے

زمہ دار، ملازمین جاگوں سے ہنات کریں۔ سبھی ہی افسروں کو متفق کریں اور خوشیاں منا لیں، اور ان کو خدا بھی پیشانی نہ پھیرے۔ واقفانِ اسرار و عارفانِ سواد و ذیالِ یہ سارا جنگ اور خدا کا تہر ہے۔ ایران کی وہ جنگ اس قدر عار و سکن اور تباہ کار نہیں تھی۔

زخمہ بر تارم پریشاں میر و

کایں تو اپنی پریشاں میز نم

منازل سے پریشاں نہ تھے اسے نے سبتر ہو رہے

ہیں کہ عاقبت اضطراب میں مضرا ہے سے

شاور سے کہنے طرح چھینڈ رہا ہوتے۔

میں اس قدر فہم نہیں ہوں کہ سستاروں کو روشن ہونے کے باوجود یہ کیسے ہوں، آسمان کو غنیم و بلند ہونے کے باوجود بے سرو سامان کھوں، خلوق آسمانی کی کارگزاروں کو کجھٹ کجھوٹا، یا ان کو منورس سستاروں و زمیں و مرتعہ کے ایک حصہ میں چمے چمے ہونے سے کٹ بھی نہیں، پر آ کام حالات کی ترقی کروں جواب سے ایک ہزار سال پہلے جنگِ عرب و ایران کے زمانے میں واقع ہوئے تھے۔

میں جو زمانے کے ہاتھوں ناقابلِ علاج مصیبتوں میں گرفتار رہوں۔ یہ سب کھتا ہوں کہ اس زمین پر پہلے والے جنوں نے ہر طرح سرطان کو نہیں دیکھا ہے اور جرم زمین و مرتعہ کے نام ہی سے واقف ہیں، ناخنیہ اور ان دیکھا باتوں میں نہ آج بھی جگہ یہ سمجھ لیں کہ زمانے نے جس کے سینے میں ماضی و مستقبل کے راز محفوظ ہیں اور اچھے لوگوں کے کام کو دیکھا زمانہ اس کی پرانی عادت ہے۔ اس امر کو روانہ رکھا کہ غیر فوج کی دست برد سے دانا پان فرنگ کو نقصان پہنچائے بلکہ اس نے اس غرور و انگریز، پراسی کی ہرجانب سے آنے والی افواج کو مسلط کر دیا۔ اس کتاب کے پڑھنے والے یہ کہیں کہ میں نے جس کی قلم کی جنبش سے کاغذ پر (الفاظ کے) سوائی بکھر جاتے ہیں۔ اگر نئی حکومت کے نای و شک سے ہرجبش پان ہے اور بچپن سے ان فاختیں عالم کے دسترخوان کا ریزہ ہیں ہوں۔ سات آٹھ سال ہوئے کہ بادشاہ دہلی نے مجھ کو بلایا اور مجھ سے فرمائش کی کہ میں تھوری خاندان کے بادشاہوں کی تاریخ لکھوں۔ جس کے عوض ۶۰۰ روپیہ سالانہ دیکھ دیا جائے گا۔ میں نے اس خدمت کو قبول کر لیا اور کام میں مشغول ہو گیا۔ کچھ عرصے کے بعد بادشاہ کے استعفیائی ہو گیا اور اصلاح شہر کا کام بھی مجھ سے متعلق کر دیا گیا۔

### ملازمت قلعہ کا ذکر

میں بڑھا اور کمزور رہا۔ نیز گوشہ تنہائی میں بیٹھے رہنے اور آرام کرنے کا عادی ہو چکا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ میرے پن کی وجہ سے بار خاطر حاضرین ہو جاتا تھا۔ کوئی بات کر رہا ہے اور میں اس کے ہونٹوں کی جنبش پر نظر جانتے ہوئے ہوں۔ مجبوراً پہلے میں ایک دو بار قلعے میں جاتا تھا۔ اگر بادشاہ محل سے براہِ ہوتے تھے



مے کہ تیرے دے والے پانی کو من و خاشاک سے نہیں روکا جاسکتا۔ اپنے آپ کو مجبور سمجھ کر ہر شخص غم گین و ماتم زدہ اپنے گھر میں بیٹھ رہا۔

### مجبوری و خانہ نشینی

انہیں غم زدہ لوگوں میں سے ایک میں بھی ہوں۔ میں اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا کہ ضرور غم خانہ چاہتا تھا کہ کچھ معلوم کروں کہ اتنے میں خود پرچ گیا کہ اندرون قلعہ صاحب اجیٹ پہاؤں اور قلعہ دار قلعہ کر دیئے گئے۔ ہر طرف سے پیادوں اور سواروں کے گھونٹنے کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ تو میں ہر طرف غی اندھوں (انگریزوں) کے خون سے رنگین ہو گئی۔ باغ کا ہر گوشہ ویرانی اور بربادی کے سبب سے بھراؤں کا مدفن بن گیا۔

### انگریزوں کے قتل پر اظہارِ افسوس

افسوس وہ سپیکر علم و حکمت، انصاف سکھانے والے، خوش اخلاق و نیک نام حاکم! اور ہذا افسوس وہ پری چہرہ تارک جنگ فاتحین جن کے چہرے چاند کی طرح چمکتے تھے اور جن کے بدن کچی چاندنی کی طرح دھنکتے تھے! حیف وہ بچتے جہنوں نے ابھی دنیا کو (اچھا طرح) دلچسپا بھی نہیں تھا، جن کے جنس متحد چہرے گلاب و لالہ کے پھولوں کو مشابہت تھے اور جن کی خوش رفتاری کے سامنے ہر فن اور کمال کی فکر بد فنا معلوم ہوتی تھی۔ یہ سب ایک دم قتل و خون کے بھنڈ میں پھنسی کر دیئے گئے! (بجر فانیس، ڈوب گئے)۔

دعا کی، چنگاریاں، برساتے دانی وہ موت، شعلے جس کا سرمایہ ہی، جس کے ہاتھوں کو غم زدہ چھتے ہیں اور مانتی لباس پہننے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اگر ان مقتولین کے سرانے آہ و زاری کرے اور اس منہم میں مسئلہ پیش ہو جائے تو روا ہے۔ اگر آسمان اس غم میں غبار کی طرح منتشر ہو جائے اور زمین گرو باؤ کی طرح اپنی جگہ چھوڑ دے تو بجایا ہے۔

ای نو بہار چمن بہمن بہمن بہجت

ای روزگار چمن شب بی ماہ تار شو

ای آفتاب دوسرے بسیل کبود کن

ای ماہ تاب و افق دل روزگار تو

اسے موسم بہار! بسیل کی طرح خاکے و خوں

میں ملے جا۔ اسے (جائے) اندھیری، راستے کی

طرح تار یک ہو جا۔ اسے آفتاب! (اس غم میں)

اپنے رخساروں کو دھیسے کن نیلا کرے اور اسے چاند

دھنکوں، (جسٹس کے دل کا داغ بنے جا)۔

خدا خدا کر کے وہ منوس دن ختم ہوا۔ ہر طرف گہرا اندھیرا پھیل گیا۔ ان سیاہ باطنوں اور بے رحم قاتلوں نے شہر میں جا یہ پڑاؤ ڈالا۔ اندرونی قلندر شاہنشاہی بارخ کو گھوڑوں کا اھیل بنایا اور نشیں سلطان کو خواب گاہ رفتہ رفتہ دودھور کے شہروں سے خبریں آئیں کہ سنگت فوجوں کے باغیوں نے ہر جا ذاتی میں امیروں کو قتل کر دیا ہے۔ اور تلک حراموں نے حکم کھلا ہوا موت کا شور مارتا ہے، گروہ کے گروہ خواہ سب ہی ہوں یا دھیندا را، سب یک ذل ہو گئے، اور کسی طے خدوہ پر تو گرام کے بغیر دور دور نزدیک ہر جگہ ایک ہی کام کے لئے گمراہ ہو گئے اور پھر کیسی معینوں سے گمراہی کسی تھیں کہ صرف اس درویشے خون کی موہیں ہیں ان کو کھول سکتی ہیں جو مکروں سے گزر جائے دشمنک مقامات کے لوگ کسی قوردار کے بغیر جس طرح ایک ہی کام میں قتل و خون میں تلک گئے تھے اس سے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جس طرح جھانڈ کی بہت سی سیکنوں کو ایک ہی ہند سے بانڈا جا تا ہے اسی طرح گفتی شمار سے یا ہران لڑنے والوں کی کریں ہیں ایک ہی گمراہ سے ہند ہی ہوئی ہیں۔

### باغیوں کی مذمت

بے شک ہندوستان کو آدم و اس نئی سے اس حد تک خالی کرنے کے لئے کہ اگر ان چیزوں کو ڈھونڈا جائے تو ایک گھاس کے ٹٹکے کے برابر ہی نشان ملے۔ ایسی ہی جھانڈ کی ضرورت تھی۔ بہت سے فلکسواروں کے بغیر تیار ہو گئے۔ بہت سی فوجیں امیروں کے بغیر لڑائی کے لئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ تو ہیں، انگوہ یا دودھ چھوٹے زمین سارا سامان انگریزوں سے حاصل کیا۔ لڑائی کے سارے طریقے انگریزوں سے سیکھے اور ہتھیار کھانے والوں اور مالکوں سے لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔

دل تو بے یا پتھر کا لڑا نہیں ہے۔ کیسے نہ بھڑکے۔ انھیں رشتہ دوار نہیں ہیں کہ انہوں نے بہت آئیں۔ حکمرانوں کی موت کا غم منانا چاہئے اور ہندوستان کی دھماکی پر روتا جا رہے۔ شہر حاکموں سے خالی اور ہندہ ہانے بے قدر ویت کے پھرا ہوا ایسے بارخ، باغیاں سے خالی اور درختان بے شجر کے پڑے ہو۔

میٹرے ہر قسم کی پادشاهی سے اور سوداگر حصول ادا کرنے کی ذمہ داریوں سے آزاد۔ گھر و پانے معلوم ہوتے ہیں اور مکانات، لوٹ جارا کرنے والوں کے لئے، خانہ معقت، کا حکم رکھتے ہیں۔ جو لوگ گم نامی کے گوشوں سے چپے ہوئے تھے وہ گروہ و دیگر گروہ بغیر کھیت اپنی آزمائش اور بے مشغلی کا مظاہرہ کرتے پھرتے ہیں۔ امن پینڈی اور تلک ہندا لوگ گھر سے بازاریک آتے ہوئے راستے میں بیچوں جگہ عایزی اور مقبولیت کا اعتراف کرتے پد پوجو جیا۔ میٹرے دن میں دلیری کے ساتھ لوٹ جارا میں مصروف ہیں اور رات میں ریشی لہستہ و لہبر محبوبا۔

### مشرقا کی تباهی

بڑے بڑے عالی خاندان لوگوں کے گھروں میں چراغ جلانے کے لئے تیل نہیں۔ اندھیری رات میں جب

پاس کی شدت بڑھتی ہے، بجل بجکنے کے مستقر پہنچتے ہیں کہ یہ دیکھیں کہ کونزہ کہاں رکھا ہوا ہے اور کونسا ذکر ہے۔  
 زلزلہ کی اس بے نیازی و بے امتیازی کو کیا کہیں کہ وہ کم رتبہ لوگ جو سارا دن مٹی بیچنے کے لئے زمین  
 کھودتے تھے، ان کو مٹی میں سونے کے ٹکڑے مل گئے، اور جن لوگوں کی غفلت میں مات میں آتش لگ سے چراغ  
 روشن رہتے تھے اذھیروں گھروں میں ناکامی و نامرادی کے غم میں مبتلا ہیں

کو تباہی شہر کی نذر و دفتر کے علاوہ ساری نازیخانیات شہر کا زلیہ ریزوں اور سیلاب و ہنزوں کے قبضے  
 میں ہے۔ زلیہ و آکاش سے معز ہونے کے بعد، ان نازیخانیوں میں جو ہلکا سا انداز نازیخانی رہا تھا۔ اس کو ان  
 خودت گراؤ و اونسنے چھین لیا کہ ان کی خود نمائی کے کام آئے۔ جو سمیت کہنے والے پہلے نازیخانیات انعام کی  
 ناز برداری کرتے تھے۔ اب ان بدخلیوں کے قاذو خانے بد بھروسہ ہیں۔ ان بے سرو پا لوگوں کے دماغ میں غرور اس  
 حد تک سما گیا ہے کہ ان کے حرکات کو دیکھو تو معلوم ہوگا کہ کچھ عجیبے چکر کھاتے پھر رہے ہیں اور کچھ غور سے  
 ہر وقت اس طرح خود نازیخانیوں میں غور رہتے ہیں گویا پانی کی سطح پر کچھ شے جھپٹے چلے جا رہے ہیں۔ برے برے  
 عالموں اور نام و ردی کی آبرو مٹی میں ملا دی گئی۔ اور جن لوگوں کے پاس نہ دولت تھی نہ عزت۔ وہ بے اندازہ  
 زرد و سیاہ اور عزت و گاہر کے مالک ہیں، جن کا باپ ٹیٹوں کی خاک بچاتا پھرتا تھا، وہ جہاں کو اپنا خادم کہہ  
 رہا ہے۔ جس کی جان ہڈیوں کے گھر سے آگ مالک کر لاتی تھی۔ وہ آگ پر حکم چلانے کا مدعی ہے۔ کہیں آگ اور  
 ہوا پر حکومت کرنا چاہتے ہیں اور ہم ان پر ایسی ہی حال لوگوں میں سے ہیں جو صرف سکون و آسائش کے چند  
 لمحوں اور انصاف کے خواہش مند ہیں :

درد و دم کہ پیش تو امان نہ پیش نیست

پیشم ستارہ را شرفِ خوں چکاں و ہر

سید احمد سبھا حالے شہادہ نزدیکہ الیہ قصہ

ہے اور ہمد۔ لیکن اس کو سنی کر ستا دیوے کسی

آہستہ طور سے ہنسی خود جاری ہو جا تی ہے۔

خاک کا انتقام و دہم برہم ہو گیا، جس کے سب سے بہت سے کام رک گئے۔ ہر کاروں نے آنا جانا  
 بند کر دیا۔ خاک میں پیام بے شبہ پہنچانے کی گنجائش نہیں ہوئی، ان خطوط کی آمد و رفت کا قاعدہ ہے۔ مگر اس  
 حکم کی ایک اور شاخ (خیل، غراف) ہے کہ نہ مضرب کی جنبش، بلکہ جنبش مضرب سے، جو اس سے پیدا ہوتی ہے  
 ہزاروں پیام و خبریں، اندازے باہر نکلتے ہیں۔

## عندر کی مذمت

(جو لوگ) مذہب اور قانون کے بے حد پابند ہیں۔ انصاف کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور بتائیں کہ اس معاملے  
 انتقام کا دہم برہم ہو جانا، خدا کی جنبش ہوئی دولت کا اٹل جانا، خاک کا انتقام و دہم برہم ہو جانا، اور

دوستوں کے حالات معلوم نہ ہونا۔ کیا یہ ساری باتیں اس لائق نہیں کہ ان کا ماتم کیا جائے اور آئندہ کیا باتیں  
 پڑے پڑے بہادروں کا یہ حال ہو جائے کہ وہ اپنے سلیب سے ڈریں، سپاہی، بادشاہ اور درویش ہر ایک پر  
 حکومت کرنے لگیں۔ کیا یہ صورت حال لائق انشوس نہیں؟ ان روح فرسا مصائب پر آنکھیں آنسو نہیں  
 بہائیں گی؟ اور کیا اس نوعمری پر امن طس کرنا، اس ماتم سرائی پر طنز کرنا، اور اس غریب وزاری پر ہنسا جائز  
 ہے؟ اور کیا ان پر آلام حالات سے اظہار بیزاری کو منصب ایمان اور نادرستی مذہب سمجھا جائے گا۔

حسب دل نہم بگھر یا شش من چھرا

ہزار آبد بردل بود نہ گری آہ

ذکار رفتہ دل دوست من چنان کہ مرا

نماندہ شادی پادشہ در رخ بادا فراہ

میں شہر و سخن کے جواہر سے کیا دل دنگاؤں

جب کہ آہ گرم سے میرے دل پر ہزاروں آنسو

پر گئے تھے۔ میرا دل بیجہ چکا ہے اور تیرا اس

جو تک جو اب وہ چکے ہیں کہ اب مجھ کو نہ مرا

کائنات ہے نہ جزای خوشی۔

## بادشاہ کی مجبوری

اس سرگذشت پر مصیبت کا مالا ہوا ہے اس پر قیہ بہتر و تنہا، اس رودادِ غم کو پھر شروع کرتا ہے۔  
 جب پہل بار وہ گم راہ جنگ جو آئے تو جو غزا زدہ اپنے ساتھ لائے تھے۔ خزانے میں بچے کر دیا اور اپنے سر  
 ہشاہی آستین پر چھکا دیئے۔ جلد ہی زمانہ نے، کچھ ایسا انتقام کیا کہ ہر طرف سے فوجیں جمع ہونا شروع  
 ہو گئیں، اور اس سرزمینِ دہلی کی طرف روانہ ہو گئیں۔ بادشاہ جب فوج کا انتقام نہ کر سکا۔ فوج نے انتقام  
 اپنے ہاتھ میں لے لیا، اور بادشاہ مجبور ہو کر رہ گیا۔

شاہ را در میان گرفت سپاہ

وین گرفتن بود گرفتن ماہ

شاہ نے میان گرفت سپاہ

بزرگ چارہ نہی گیسر

شاہ ماہ گرفتہ را ماند

نہ کہ ماہ دوسہ را ماند

فوج نے بادشاہ کو اپنے حلقہ میں لے لیا جسے چاند

کھڑکھٹ لگے جانے۔ ماہ فوجیت میں نہیں آتا۔  
 نہیں تو چند عرصے ملت کے چاند کو گھٹا ہے۔ بادِ ملال  
 اس چاند کی طرح شعاں کو کھٹ لگ گیا ہو۔ وہ ماہ  
 کامل نہیں تھا۔

## قبیلوں کی رائی

جیسے اس بات کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ یہ بات بیان کرنے کے لائق تھی کہ یہ شہرت طلب جنگ بزمیں  
 مقام سے چلے وہاں کے قیدی غلے کا دروازہ کھول دیا اور قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ وہ پرانے پرانے قیدی جنہوں نے  
 تہ نئی آنکھیں پائی تھیں۔ شاہی دربار میں آئے۔ سجدہ کیا اور کسی علاقے کی صوبیداری چاہی۔ آقاؤں سے سہارے  
 ہونے فیروز آبادار غلاموں نے آستان شاہی کو بوسہ دیا اور کسی سرسبز علاقے کی حکومت کے طلب گار ہوئے۔ کوئی  
 نہیں کہتا ہے اور میں بھی یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ہر خواہش مند کو حاضر ہونے کی اجازت اور ہر پناہ مانگنے والے کو  
 پناہ کیوں دے دی جاتی ہے؟ میں یہ زمانے کی برابریں ہے۔

## تعداد فوج

اب دہلی کے اندر اور باہر تقریباً پچاس ہزار سواروں اور پانچ لاکھ کی فوج پڑی ہوئی ہے۔ صاحبانِ علم و  
 دانش انگریزی حکام کے قبضے میں اس وسیع شہر کا کوئی علاقہ نہیں ہے۔ صرف شہر کے جانب مغرب ایک پہاڑی  
 پران کا قبضہ ہے۔ یہ پہاڑی شہر سے کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔ ڈانگریزوں نے (نہایت ہنرمندی سے) اس جنگ  
 پر نوچ قائم کر کے ایک مضبوط قلعہ سا بنا لیا ہے اور اس کے چاروں طرف کئی اژدہا صنعت، رعد و برق توپیں  
 لگا دی ہیں اور استقلال کی حدود سے اس عالم پریشانی میں اطمینان (کی دولت) حاصل کرتی ہے۔

## انگریزوں کی مورچہ بندی

شہر کی فوج نے جو میگزین اسی شہر سے حاصل کیا تھا۔ اس میں سے چوتھیں شہر کی فوج پر چڑھائی  
 ہیں اور اس طرح پہلے آپ کو جنگی سرداروں کا حلیہ ظہور کر لیا ہے۔ توپوں اور ہندو توپ کے دھرم سے  
 ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے کالی گشتا بھائی ہوئی ہے اور اس سے اوپر برس رہے ہیں، دلت دن دونوں طرف  
 سے گولہ باری ہوئی ہے جیسے اوپر سے پتھر برس رہے ہوں۔ یہی جوں کی گرمیاں ہیں۔ دھوپ کی تیزی روز بروز  
 بڑھتی جا رہی ہے۔ آفتاب بڑھ چڑھا میں بے طرح آتش فزوری میں مشغول ہے۔ معلوم ہوتا ہے خود بھی  
 اس آگ میں بھنا جا رہا ہے۔ جو لوگ سرد و ہوا دار مکانوں میں آرام و آسائش کے ساتھ رہتے تھے، اب بھر دھوپ  
 میں جلتے ہیں اور دانتیں انہیں پلے پلے ہونے پتھروں پر پڑنے و تپانے کے عالم میں بسر کرتے ہیں۔ اس قدر اس میدان



جنگ میں ہوتا تو دونوں تھی کے با وصف اس کی ہمت و جواں مروی ہوا ہوتا۔ اگر رستم اس داستان کو کھائے  
تو یہ چور زوریا دشمن کی فتح کے، مختلف مقامات سے آئے ہوئے سپاہیوں پر شہرول انگریزوں سے لڑنے  
کے لئے جاتے ہیں، اور سورج ڈوبنے سے پہلے ہی واپس آ جاتے ہیں۔ یہ وہ شہر کی داستان شہد و روز تو یہ  
نہی۔ مہزون مشہور کیا ہوا تھا اس سلسلے میں، ایک دن کا قہر سننے کے لئے ہے سے

دور گہ سنا ز من توانی ہست

کہ بر غزلہ امشگر ادا زو

زین توانی مسخر نشان ترسم

کانش اندر لڑاگر اندازو

سر خر مشتی است بر زبان گردان

برمن از قولش نفیس اندازو

میرے ساز دل کے تاروں میں وہ آہیں پہنات

ہیں جن سے چنگاویاں برستی ہیں۔ میں بڑتا

ہوئے کہ معنی ان کے زو میں نہ آجیائے بیوی

زبان پر وہ داستان ہے، جین سے میرے دل

پر شجر چھٹے لگے ہیں۔

ایک شخص جس کے دماغ میں فرماں روائی و مہتر کے خیالات بھروسے ہوئے تھے۔ درپردہ اپنے آقا اور  
مرزا کا دشمن بن گیا۔ اس خیال سے کہ اگر وہ وقت کا اور راز وہاں زندہ رہے گا تو میں نے جو خزانہ و تاج تاج  
طریقوں سے جی لیا ہے، اس کا راز کھل جائے گا نہ ہمیشہ نقصان پہنچانے کی تدبیریں سوچتا تھا اور یہ بات مشہور  
کے کہ حکیم احسن انڈھاں۔ انگریزوں کے خیر خواہ اور طرف دار ہیں نہ فوج کے اندروں کو ان کی طرف سے بہرہ دکان  
رہتا تھا۔

## حکیم احسن اللہ خاں

ایک دن کہہ لوگ (حکیم احسن اللہ خاں) کہ قتل کرنے کے لئے ان کے محل پر چڑھ دوڑے۔ حکیم صاحب  
اس وقت تھکے ہیں، بادشاہ کے پاس تھے۔ چندا شہرے سر قلعے میں گئے اور حکیم صاحب کو گھیر لیا۔ بادشاہ نے  
انتہائی محبت و ہندہ ہمدردی سے حکیم صاحب کو بچانے کے لئے، اپنے آپ کو ان پر گرا دیا۔ اس طرح حکیم صاحب بچے  
جان تو بچ گئی لیکن یہ فتنہ اس وقت تک ٹہم نہیں ہوا، جب تک کہ ان کا سارا ٹھکانہ نہیں ہو گیا (حکیم صاحب کا، ٹھکانہ  
(جو بھدورتی و آرائش میں) نگار خانہ ہیں کی طرح تھا لوٹ لیا گیا۔) ان کی محبت کو آگ لگا دی گئی۔ محبت کے  
شہیر اور منفق تھے بل کر لاکھ ہو گئے۔ دیواریں سماں پڑ گئیں۔ گویا وہ محل اس غم میں سیاہ پوش ہو گیا تھا سے

فریب ہر زگر دلی محو کر ایں پیہم  
دہنشاہ کسی راگ در گشت رگشہ

آسمان کے مہربان سے دھوکا نہ کھانا۔ یہ  
بے وفا جس شخص کو آغوشِ محبت میں جگہ  
دیتا ہے، اسے کوئی محکشی و عذاب میں مبتلا  
نہیں کرتا ہے۔

برے سے برا غلام اپنے آنکے اس طرح پیش نہیں آسکتا۔ بہ شریک وہ دلورامیوں نہ ہو۔ یہ جہیث  
نرگ حرام جس کے مشہور چیک کے داغ ہیں، بے میاں کے سبب سے جس کی آنکھیں پھیل گئی ہیں اور وہ انفرادی ہو گیا  
ہے۔ اپنے آپ کو دہرہ و مشرق کی طرح سمجھتا ہے۔ ہر طرف کو بے شکا اہوا ادا زکنا ہوا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ  
خوش خواہی میں کبک و دھند کو شرتا ہے۔ میں نے اس کا نام اس نے نہیں لکھا کہ ایک گداوارہ گم نام ہے میں اس پر  
نعت بھی کر رہا ہوں کہ باغداد اس کو بچے شریعت کا ہوں۔

### تفضل حسین خاں

نویں ہر طرف سے آ کر میں ہوں تیں۔ بد شہ کا نام لگا ہوا تھا۔ اس وجہ سے دور دور کے سردارانِ فوج اللہ  
کھڑے ہوتے تھے۔ فرخ آباد کے ناصر اور دلاہن پور میں خاں نے جن کو کہیں بادشاہ سے علاقہ بندی نہیں تھا۔ وہ  
سے آستانِ شاهی کو مجبور کیا اور خاں اپنے آپ کو نیاز مند تسلیم کیا۔

### خان بہادر خاں

خلیہ بہادر خاں نے جو گراہ شہرت طلب تھے اور جو جہیل میں کچھ مشک چین کے سردار بن جیسا تھا ایک سو  
ایک اشرفیوں نے قتل کر دیا۔ سامان سے آراستہ ہاتھی اور گھوڑا بارگاہِ شاہی میں بھیجا۔

### نواب یوسف علی خاں

چشم بہادر خورشید نشان نواب یوسف علی خاں بہادر فرماں روا تھے رامپور نے جو اس علاقے میں باپ دادا کی  
چٹھین اکاوت اور ہے، ہیں اور انگریزی حکومت کے ساتھ ان کا رشتہ دوستی تھا مضبوط ہے کہ زمانہ ہزار برس میں بھی  
کسی طریقے سے اس کو نہیں توڑ سکتا، مجبوراً صرف زبانی ہیام ریح کر لوگوں کی زبان کو بند کیا۔

### واقعاتِ نکھنؤ

نکھنؤ میں جب فوج نے انگریزوں سے ارشد تعلق توڑ دیا (جس کا انگریز دشمنی کی اس ناک سے بچ کر۔

دوسرے مقامات پر اپنے معتقدین کے پاس چلے گئے (مکین فوج کے) چند سرداروں نے کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر  
جلی گاؤں میں قیام کیا جو لکھنؤ کا ایک مشہور مقام ہے اور بہادری کے ساتھ دیر توڑے ہوئے تھے۔

شرف الدولہ نے جو جیسے واقعہ بیان اور معاشیات کو سمجھنے والے تھے اور جو زبان اور دھ کے زمانے میں  
وزارت کے عہد سے پر سر فراز تھے۔ اس کم تھروٹیک، پاشان و شوکت گریوہ (اگرچہ کو نظر انداز کر کے) واجد علی شاہ کے کس  
مراہہ کے کو تخت حکومت پر بٹاؤں اور اس کو مشہد شاہ ہندوستان کا وزیر اور اپنے آپ کو پیش کار اور نائب وزیر فرض  
کر لیا۔ اس نامور شخص (شرف الدولہ) نے گویا جہاں کو گرفتار و دام کر لیا تھا۔ جب یہ سارا کام مکمل کر لیا۔ ایک منتخب شخص  
کو منسوب پیش کش کے ساتھ (دلی) اور لکھنؤ آیا۔ دو روز آرام کی پھر بارگاہ شاہی میں حاضر ہوا۔ وہ صہارن پور کے  
دو کوہ صفت باقی ایک سو اکیس اڑھائی اور ایک سترہ گاہ جو رنگ برنگ کے تیار ہو تھیں سے خوش تھی تھیں کی اور ایک  
بڑا بڑا بند جس میں، میرے جیسے ہوئے تھے ملکہ کی خدمت میں محل میں بھیجا۔

یہ ساری شان و شوکت روشنی پر ریش کی طرح (جلد ختم ہونے والی) تھی۔ گویا زمانے کی نظر پر اس روشنی کی منتظر  
تھی۔ حکومت اور دھ کی اس پیش کش کے بعد آئینہ و سکندر اور جام جمشید کی ساری داستان ختم ہو گئی و باطن الفوج کے  
شور و غل سے نصیب کی آنکھیں کھل ہی تھیں کہ پھر مٹا گئیں نہیں مشہد شاہ کی قسمت کا ستارہ اتنی بلندی پر پہنچ  
گیا کہ دنیا والوں کی نگاہوں سے چھپاں ہو گیا ہے

بہاؤ کا سہرا خوش چہنی و رز د

افسردہ افکار و گزشتہ اوزان و رز د

فرستہ زان لیشہ عا و در گردش

بر چرخ نہ بنی کہ چنان ہی لڑ د

حبیب منتہ کا ستارہ نمودن نہیں آجا تاجہ

موت کی بھی کوئی قیمت نہیں رہتی ، مٹ

نہیں دیکھتے تھکے تغیرات کے خوف سے سورج

آسمان پر کھینچا کا نہتا رہتا ہے۔

## ۱۲ اربستمبر

جس دن وہ سبزم قدم قاصد آیا اور بادشاہ نے بندہ پر دلی فرمائی۔ اس کے کل کو پیر کے دن قمری مسجد کی  
بخشیں اور سترہ کی چودہ تاریخ کو پہاڑی کے واس میں بیٹھے ہوئے (اگرچہ بڑوں نے شان و شکوہ کے ساتھ کئی  
دروازے پر ایسا حملہ کیا کہ کالوں کی فوج کو بھاگتے ہی پتی ہے

مئی گزشتہ ہی ہر دن بڑو داو

ستمبر بڑو و آورد داو

پہا از چار ماہ و پس از چار روز  
فرو زنده شد ہر گشتی نسرود  
تہن گشت دہلی و درہانگان  
ہر وی گرفتند فروزانگان

سوی کے مجبیت میں، احتیاطاً نصف دھن سے اٹھو  
طیبا متھا، تو مستحکم میں نظام و مستحکم کا حقد  
ختم ہو طیبا اور انصاف کے کا زمانہ واپس آ گیا۔  
چاند مجبیت چاروں دن کے بعد سورج آہے و تپا کے  
سانکھ طلوٹ ہوا۔ دھن دیہانوں سے خانی حرا گئی۔  
عقل مند و فکری ہوتے رہتے یہاں وی کے ساتھ اس  
پر قبضہ کر لیا۔

اگرچہ امرتس سے ہمارے تیرنگ چار مجبیت چاروں کلو تھے۔ لیکن اس پہاڑ کے پہرے دن شہر انگریزوں کے  
ہاتھ سے نکلا تھا اور پری کے دن قبضے میں آیا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ شہر کا ہاتھ سے نکل جانا اور پھر قبضے میں آ جانا یہ  
یہ دونوں کام ایک ہی دن میں ہوئے۔ مختصر یہ کہ فاطمیں نے راستے میں جس شخص کو پایا قتل کر دیا۔ شہر کے عالی  
خانہ میں اور صاحب عزت افراد عزت و آبرو کی دولت کو بچانے کے لئے گھروں کے دروازے بند کر کے بچ گئے۔  
شہر میں بد امن رہا لیکن ان کی پوربھت تھی۔ اس میں سے کچھ لوگوں نے بھاگ جانے کی ٹھان لی اور کچھ لوگوں  
نے عزتوں میں اگر بڑے کی تیاری کی، محبت اور آوارہ گردانے کی گروہ شیر دل فاطمیں سے الجھڑا۔ یہ لوگ اپنے خیال میں تو  
دشمنوں کو قتل کر رہے تھے۔ لیکن میرے خیال میں وہ شہر کی عزت و آبرو کو برباد کر رہے تھے۔

وہ تین دن تک کشمیری دروازے سے لے کر چوک تک تمام راستے میدان جنگ بنے رہے۔ دہلی دروازہ  
ترکان دروازہ، جمیری دروازہ، تینوں دروازے اس فوج کے قبضے میں رہ گئے۔ بھروسہ دل کا حکم کہ وہ مکان ہر وسط  
شہر میں کشمیری دروازے اور دہلی دروازے کے درمیان ہے۔ اور میرے مکان سے ان دونوں دروازوں کا فاصلہ پہلے  
سے دیگر پہلی کا دروازہ بند کر دیا گیا تھا لیکن ابھی اس کا حوصلہ باقی تھا کہ دروازہ کھول کر باہر چلے جاتے تھے اور کہانے  
پہنے کھانے لے آتے تھے۔

## انگریزوں کی منہج اور منطالم

میں نے ابھی کہا کہ غضب ناک شیروں (انگریزوں) نے شہر میں داخل ہوتے ہی سب مرد و ساری لوگوں کو  
قتل کرنا اور مکانوں کو جلاتا جائز سمجھا۔ اس مقام کو دیکھ کر فوج کرتے ہیں، لوگوں کو بچاویں سمجھائی کی جاتی ہیں۔  
اس جتنے اور دشمن کو دیکھ کر لوگوں کے منہ فنی ہو گئے۔ سب شمار و مروت کے گروہ جن میں معمولی لوگ

ہوئے تھے۔ اور صاحبِ حیثیت بھی۔ ان تینوں دردناکوں سے باہر نکل گئے۔ شہر کے باہر چھوٹی چھوٹی بستیوں اور مقررے تھے، ان میں چٹان گزریں ہو گئے۔ اس خیال کے کرکسی مناسب وقت پر شہر میں واپس آجائیں گے یا کسی دوسرے شہر میں چلے جائیں گے۔

مجھ سے دل پر نہ خوف و دہشت کا اثر ہوا اور نہ اپنے مستقبل کو جنبش ہوئی۔ میں نے کہا کہ میں جتنا کہنگر تو ہوں نہیں کہ ہزار پلوں، لاکھوں بے گناہوں کو نکال نہیں کرتے ہیں، اور شہر کی آب و ہوا تیار و آسازگار نہیں ہے۔ کچھ کیا پڑی ہے کہ ان بے گناہوں کو دل میں جگہ دوں اور اوپر اوپر جاؤں؟

اب مکان کے ایک گوشے میں بے سرو سامانی کے ساتھ بیٹھا ہوا ہوں۔ اس تنہائی میں، انکم میرا رفیق ہے، انھوں نے اسے اکتھو بچھڑا ہے اور قم سے دردناک الفاظ چپکتے ہیں۔

بڑتوں دستم دلی برگ خدا یا تا چسند

بسن شادشوم کارین گنسر از کان منت

میں بہ نکل مغس اور بے سرو سامانی ہوں

خداوند اکیلا تکت یہ سورج سورج کو خوش ہوں

دھون کا کھٹک یہ جواہر (حکلا م، میروں میں)

کافے کے ہیں۔

ازل کا تھا ہوا بدل نہیں سکتا۔ ازل میں قسمیں کھیں جاتی ہیں، ہر ایک کو نوشتہ قسمت کے مطابق سرو سامان عطا کیا گیا ہے۔ بعضی اور امتیں اس کم ازل کا نتیجہ ہیں، بہتر ہے کہ یہ دلی و بے جگری کو چھوڑ کر بس طبعی طور سے ہر قسم کے خوشی کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ ہر لمحہ بڑے واسے زمانے کی حیرت افزا چیزوں کو اس بڑے چاہے میں خوشی کے ساتھ دیکھ رہا ہوں

## ۱۸ ستمبر

بعد کے دن محرم کی ۱۸، تھی اور شہر کی ۱۸۔ وہی چڑھے و نیا کو خوشی بخشنے والا آفتاب عالم تاب سورج منیل کے ایک درجے میں پہنچا کر سورج میں آگیا اور اہل عالم کے چشم بھل میں پر تلنے لگے۔ کلم و علیا گراہ باغن اندرون و بیرون مشہر سے غریبوں کی طرح بھاگنے لگے اور قاضیوں نے شہر اور قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ کشت و خون اور پکڑ و حکوت کی آفت، اس نکل تک آگئی۔ خوف سے لوگوں کے دل دہل گئے۔

## کوچے کی در بندی

اس گزریں مرفہ میں بارہ گز میں اور راستہ ایک ہی طرف سے ہے۔ دلی اندر سے بند ہے، اگلی میں کوئی گز نہیں ہے۔ اس گلی کے اندر مزید سب سے دالے پنڈے ہیں، اس طرح کہ آموں کی گلیوں کو چھاتی سے لگائے ہوئے تھیں اور مردوں کے کاندھوں پر سامان کی گھنٹریں تھیں۔ کچھ لوگ ہالی رہ گئے تھے ہم سب نے مل کر گلی کا دروازہ اندر سے بند کر دیا

اور پھر چن دیئے۔ مگر سرپرست تو تھی ہی۔ وہ پرست بھی ہو گئی۔ ایک رات تھا، وہ بھی بند ہو گیا اسے  
 جان اگر خستہ تر از تن، کو دم نیست شکفت  
 ناز کہ دل تنگ تر از گوشه زردی صفت  
 میری روح جسم سے زیادہ خستہ و درد مآثر ہو  
 تو تعجب کی بات نہیں، کوہوں تک، میرا دل  
 قید خانے کے تختے سے بھی زیادہ تنگ ہے۔

### جہاں چٹیا لہ کی مدد

۔ اتفاقاً اس مصیبت میں کام بننے کی ایک صورت پیدا ہو گئی۔ تنگ حشر مریم شہم رام نرندرسنگھ بہادر فوٹو گراف  
 پٹالہ اس جنگ میں (انگریز) قاضیوں کے ساتھ ہیں اور ان کی فوج شروع سے انگریز کی شکر کی مددگار ہے۔ رام کے چند  
 ملازمین خاص جو ان کی سرکار میں اپنے عہدوں پر ہیں اور شہر کے نامور اور قابل عزت لوگوں میں سے ہیں، (میری مدد  
 ہے، حکیم محمود حسن، حکیم مرتضیٰ خان، حکیم نظام اللہ خان اسے) جو حکیم شریف خان جنت مکان کی اولاد میں ہیں۔ اس  
 کو پہ میں دیتے ہیں۔ دور تک ان کی دوا دوا محلات میں چلی گئی ہیں۔ میں دس سال سے ان میں سے ایک صاحب جلد و شہرت  
 کا پڑوسی ہوں۔ ان تین حضرات میں سے اول ہذا کو حکیم محمود خان متعلقین اور اہل خانہ کے ساتھ اپنے عزیزوں کی طرح  
 با عزت زندگی بسر کرتے ہیں اور باقی دونوں حضرات پٹیلے میں رام کی مصاحبت میں کامیابی و کامرانی کے ساتھ رہتے ہیں۔  
 ہوں کہ وہی کی جگہ مستحق تھی۔ رام نے اور اپنے دوری طاقت اور جنگ جو (انگریزوں) سے کر لیا تھا کہ جب  
 (شہر) فتح ہو گا۔ اس مگر کے دوا دوا سے پر کا فائدہ حقو کر دے جائیں گے تاکہ انگریز فوجی جی کو گرا دیتے ہیں گھروں کو  
 نقصان نہ پہنچائیں

اٹلے کلام میں کبھی کبھی (میر) نے چند دوسری باتوں کا تذکرہ بھی آجاتا ہے۔ ان ضمنی باتوں کے بعد میں، (میر) اصل موضوع  
 پر آتا ہوں۔ سلسلہ شہر میں ہر گھر کا دروازہ بند ہے۔ مکان دار اور خراجہ داروں نے قہر ہے، نہ گندم فروشی ہے کہ  
 گیوں خریدیں۔ نہ وصولی ہے کہ پڑے نہ ملنے کو دیں۔ تمام کو کہاں دھونڈیں کہ سر کے بال تراشے اور ہنر کو کہاں سے ڈھونڈ  
 کر لائیں کہ صفائی کرے۔ بہر حال جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے۔ ان پانچ باتوں میں رنگ کے لوگ، (بہر حال) کہ پانی تو برابر آتے تھے  
 کبھی کبھی آتا تو وہیں مل جاتا تھا کہ ان کے بعد صورت حال ختم ہو گئی، رنگ کا دوا دوا پھروں سے بند کر دیا گیا اور دلوں کے آئینے  
 پر ہم دالم کا ہزار چا گیا ہے

ہنگامہ گرم سازی کوشش سبب شانہ

خوں اچھٹاں بہ آتش سوزان برابر است

کوشش دلوں کے سارے ہنگامے شکستہ سے ہوتے تھے

اسے مصیبتیں، خوف کو ان کی طرح تھلا دھن تھیں

## پانی اور غائب کا قیام

گھروں میں کھانے کا پس قدم سامان خوار و رفو ختم ہو گیا۔ پانی اگرچہ بہ حد اعتدال سطح پر آگیا لیکن آفرکار گھونڈے یا گھونڈے میں ایک قلوہ نہیں رہا۔ غور توں غوروں میں سے کسی میں جبرداشت کی طاقت نہیں رہی۔ جس کے ساتھ دی گوارنے اور اپنے آپ کو اسامان غور و نوش حاصل کر لینے کا فریب دینے کا وقت بھی گزر گیا۔ دو شاندار روز سب بھوسکے میلے رہے۔

فریاد اداں زاری و غنا بہ فشان

فریاد اداں خوار و دی برنگ و فوا

فریاد و بے چارگی و خستہ درون

فریاد ز آفاق و بے سر و پانی

امنوس! یہ گریہ وزارتیں اور غنہ سے و بھارتی صدف!

یہ بے چارگی ہر پیشانہ حالی اور بے سرو سامانی

تیسرے دن جیسا کہ اس سے قبل ذکر آچکا ہے، ہمارا ہر پیشانہ کی طرح کے سپاہی آگے اور سر ہر دینے لگے۔ گلی کے پہلے والوں نے ٹوٹ مار کرنے والوں کے خوف سے نہات پانی۔ سر ہر ہوا ہوا دیکھتے ہوئے ہر داروں سے ہمارے گلی کی اجازت چاہی۔ یہ پہرہ اور دوستی تھا کہ اور او دشمنی۔ اس نے یہ کہانیاں کہ چوک کے بازار تک جاسکتے ہیں چوک کے آگے قتل و خون کا بازار گرم ہے اور راستہ پر خطر ہے۔

بجور و پریشان حال لوگوں نے ہر دوزہ کھول دیا۔ ہر شرت یا ملک کا ملکہ نامہ ممکن تھا۔ اس نے ہر گھر کے ایک مرد اور بچہ سناڑ میں سے دو شخص لگے۔ یہ لہجہ پانی دور خلاصہ واقعی اور چاہیں سکتے تھے۔ بجور و پریشان خور پانی سگلوں اور گھلوں میں بھرا لے اس طرح اس جگہیں پانی سے وہ آگے گئے جس کا دوسرا نام پولیس ہے۔

بہر جانے والے اور پانی لےنے والے لوگ کہتے تھے کہ امن گلی میں جس سے آگے جانے کی ہم کو اجازت نہیں ہے۔ سپاہیوں نے کچھ مکانوں کے دروازے توڑ ڈالے ان گھروں میں ان تو بھرے ہیں آٹا ملا نہ برتن ہیں روغن۔ میں نے کہا اچھا ہندو ہے ہر برتن و تحیل، آٹے اور تیل کا ڈنڈہ دیکھو ہماری ہڈی تو ایسے ہڈی رسیں آگے زور ہے جو ہم کو نظر انداز نہیں کرے گا۔ خدا کی بخشش کا شکر نہ کرنا شایستگی ہے۔

آٹا کی ہم لوگ اپنے آپ کو قیدی سمجھ رہے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ہر گلی قیدیوں کی طرح زندگیاں گزار رہے ہیں۔ ہر کوئی آگے کوئی بات سننے کو غلے۔ زخموں باہر مار سکتے ہیں کہ اپنی آنکھوں سے سارے واقعات دیکھیں۔ جتنا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے کان بہرے ہیں اور آنکھیں بہ نور۔ اس کٹ مکمل کے علاوہ نہ کھانے کو روٹی ہے نہ پینے کو پانی۔

ایک دن اپنا گ بادل گیا۔ پانی ہر سا ہم نے دھن میں ایک چادر ہانڈی اور ایک شٹکا اس کے نیچے رکھ دیا اور اس طرح اپنی حاصل کیا۔ کہا جاتا ہے کہ بادل دیا ہے پانی لیتا ہے اور زمین پر برساتا ہے۔ لیکن اس بار یہ بھلاصفت بادل پانی چھڑے جو اس سے لایا گیا کو یا سکندر نے جو چہر اپنی بارش شہت کے دور میں ڈھونڈی تھی۔ بھگ پریشان حال خلق

دوست (کتاب حیات) اس کتاب میں دوسری بار دیکھا گیا ہے

غائب نبود کہ چلی از دوست ہوا

زافسان بودم کام کہ بسیار نہ انتم

اے غائب! دوست کی طرف سے کیسے کوتاہی

نہیں صحت - (البتہ) وہ اس طرح کام بنانا

تو کہ میں سمجھ نہیں پاتے ہیں۔

### سوانح غالب

اس موقع پر میں چاہتا ہوں کہ کچھ اپنی زندگی اور اشغال کے متعلق بھی لکھوں اس طرح کہ سرگزشت سلسلہ کلام کے عزیز متعلق نہ ہونے پائے۔

مرحوم ذوالفوائد کا وہ بزمِ حبیب

پیکانِ دول کا دشمنِ نشرِ مآدم

میں نے داغِ موت سے زخمِ ہوائے جنگ پر مرحوم

دیکھ رہا ہوں اور میں نشرِ مآدم سے دل

سے پیکانِ مشکلات کا رہا ہوں۔

اس سال میری زندگی کا باکشوش سال شروع ہوا اتنی مدت سے میں اس دنیا کی خاکسپاری میں رہا ہوں اور پچاس برس سے شعر و سخن میں مصروف چکر گزاری ہوں۔ میری عمر پانچ سال کی تھی کہ میرے والد عبداللہ بیگ خان بہادر کا انتقال ہو گیا۔ لہذا ان کی روح میرے شمارِ رحمتیں نازل کرے میرے چچا نصر اللہ بیگ خان بہادر نے مجھے کوہِ تابینا بنایا اور قادیان سے پردہ کشی۔ جب میری عمر نو سال کی ہوئی تو میرے چچا کو میرے سر پرست بن گئے۔ موت کی گھبراہٹ میں میری صحت سرجئی۔

(میرے) اہلِ قریب و صاحبِ جاہ و محنت و بزرگ چار سو سواروں کے سردار اور جنرل لارڈ ٹیک بہادر کے وفادار متعلقین میں سے تھے۔ اس قلعہ اور سختی سرو کی مہربانی سے وہ آگرہ کے قریب دو چرخوں کے حاکم اور ملک تھے۔ اسی کے انتقال کے بعد (۱۸۵۱ء) دونوں پر گئے انگریزی حکومت نے واپس لے لئے۔ اس جاگیر کے کھائے میرا اور میرے حقیقی بھائی کا کچھ وظیفہ مقرر کر دیا گیا جو میری آرام و آسائش کا ذریعہ تھا۔ چنانچہ اس سال یعنی ۱۸۵۵ء میں پرہیزگار کا وظیفہ لکھنؤ میں دینی کے خزانے سے میں نے حاصل کیا۔ یعنی اس خزانے کا ذریعہ ہی بن گیا (اب) میں ہر فیصلے سے دو چار ہوں اور دلِ طرح طرح کے خیالات پر پیشیاں کا سکن ہے۔

اس سے پہلے صرف یہی تھی کہ کوئی لڑکا تھانہ لڑکی لکھنؤ یا پانچ سال ہوئے کہیں غائب ہو گیا (جو میری پہلی کی ذمہ دار ہے) اسے خانہ دار کے دو بے ماں باپ کے بچوں کو بے کربال بنا دیا۔ ان شیریں ذراں بچوں سے مجھے کوئی تعلق



محبت ہے۔ اس عالم سے پارگی میں، دونوں کے امیر و ساتھ میں اور میرے واسع و گریباں کے پھول ہیں۔

## مرزا یوسف

بھائی جو دو سال مجھ سے چھوٹے تھے۔ بیس سال کی عمر میں دو نہ بھر گیا تیس برس سے وہ اس طرح زندگی گزار رہا ہے کہ نہ کسی کو ستاتا ہے، نہ شور و غوغا کرتا ہے، اس کا کہیں میرے گھر سے تقریباً دو ہزار قدم کے فاصلے پر ہے۔ اس کی بچی اور لڑکیوں نے بچوں اور کیزوں کے ساتھ بھاگ، ہلنے پھرنے میں، عافیت بھی، گھر کے فائز، عقل، مالک اور سارے سامان کو ایک بوتل سے وہاں اور ایک بڑھی کیز کے ساتھ چھوڑ دیا۔

اگر میں چلوں وہاں ہوتا تب بھی وہاں حالت میں، میں کسی کو بھیج کر ان بچیوں کو نہ بلواسکے، اتھانہ سامان منگوا سکتا تھا۔ یہ بہت بڑا غم ہے اور میرے دل پر اس کا بہت اثر ہے۔

وہ دونوں ناؤ پر وہ دھبے چل، وہ وہاں، مثلاً، ملنے ہیں، لیکن ان کی خواہش یہ ہے کہ نامیرے بس میں نہیں افسوس! افسوس! اس ایک بات کو کیا کہوں، جب تک زندہ ہوں، مروی اور پانی کی فکر نہ ہے، اور مرنے کے بعد کفن و دفن کی۔ میں دن رات اس فکر میں رہتا ہوں کہ بھائی نے وہاں میں کیا کیا، اور گا اور رات میں کیسے سو یا (بہرہ) اور حالات سے ناواقفیت کا یہ عالم ہے کہ میں بھی نہیں کہہ سکتا ہوں کہ (بھائی) زندہ ہیں ہے یا عینیتیں (اٹھاتے اٹھاتے مر گئے)۔

ذہمیں، تار و نقشاں، بلسم

میں وہاں آفریں کر جاں بلسم

سینے ہونٹوں پر صوفے آہ و فغان سے منہ ہیں۔

خدا کی قسم (اسے علم ہے) میں چاہے جلیے ہوں۔

جو حالات میں نے بیان کئے، یہ حال دکھانے والے ہیں لیکن جو کچھ میں کہہ نہیں سکا ہوں، وہ درد فرسا ہے جو لوگ حالات سے واقف ہیں میں ان سے توقع کرتا ہوں کہ وہ میری پُر درد داستان کو خود سے سنیں گے تو یہ سہرا نکھان کریں گے۔

## قصیدہ در مدح ملکہ وکٹوریہ

میں اس بڑھاپے میں چراغ صبح اور آفتاب شب باہم کی مانند ہوں، میرا مطلب چراغ کی روشنی اور سورج کی نورانی سے نہیں ہے بلکہ میں طرح طرح کے وقت چراغ کار و خیر ختم ہونے کے قریب ہوتا ہے اور اس کی روشنی اکل ہو جاتی ہے اور دن اٹھنے سے سورج کی ٹمک و ٹمک مانند چراغ شروع ہو جاتی ہے۔ وہی میرا حال ہے۔ دو سال ہونے کہ میں نے ملکہ، انصاف پسند، فطرت، ستارہ حشم، ملکہ وکٹوریہ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا اور ایک سے جو پہلی سے بہ راہ راستہ میں اور وہاں سے لندن جاتی ہے، آؤ اقلے ہنزہ، حاکم نامور لارڈ الین جبراہیل کے حضور میں بھیجا جو گورنری کے محلے میں ازراہ کرم میرے مرنے کے تھے۔

راہ سخن کشودم اگر خود نہ مشد کہ بخت

ماہم بہ ہندم باقویٰ قیسی مستان و ہر

یہ شعر میں قصیدہ سے کام لے گا۔ وہ قصیدہ اس روایت کا ہے جس میں ہے کہ خیالِ تنگدہا میرا مشکل کام اس آسانی سے کیا جلتا ہے جتنے پہلے ہمارا ہنگ ایک مبارک قدم کا قصد اس سرورِ مستان سرورِی (لا الہ الا ہوا کا توحش نامہ لیا۔ یہ خط انگریزی میں تھا نہایت محبت کے ساتھ لکھا تھا کہ قصیدہ ہمارے پاس پہنچ گیا اور ہم نے اس کو ملکہ معتمد کے سامنے پیش کرنے کے لئے متعلقین (بارگاہ شاہی کے سپرد کر دیا۔ اس پر مسرت پر مقام اور مبارک جواب کو ہمیں دین نہیں گزرتے تھے کہ سردارِ مہربان مشرور و گلشن پہلو اگر اگلی نامہ ڈاک سے آیا، لکھا تھا کہ قصیدہ لا الہ الا ہوا ہمارے واسطے ہے ہمارے پاس پہنچ چکا تھا اس کے بارے میں یہ حکم ہے کہ سائل ضابطے کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی گزارشات فرمائیں رواۃ ہندوستان کے واسطے ہے ہماری بارگاہ میں پیش کرے۔

### غالب کے تین مطالبات

حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ایک معروف مشہور شاہ الکھنڈ کے نام لکھا کہ اسکا درجہ افریدون چشم روزگار کینگ (نور) گورنر جنرل بہادر کے حضور میں بھیجا۔ اس گزارش کے بعد میں القاس و آرزو کو اس طرح پیش کیا گیا کہ روم ایران اور دوسرے ملک کے بادشاہوں نے شاعروں اور متداعموں کو طرح طرح سے نوازا ہے۔ سرتیوں سے منہ بھریا، سونے تلوانا، گاؤں و لگا کر تانور انعام دینا، محض مختلف انداز ہے ہی۔ اس مدعا کی یہ خواہش ہے کہ ملکہ معتمد اپنی زبان (مبارک) سے ہر خواہش (خطاب) ارشاد فرمائیں۔ اپنے حکم سے سراپا خلعت (بخشیش اور اپنے خواہش سے چند تان رنج و دھول کے تحفہ عذابت فرمائیں ہر خواہش اور سراپا کا ترجمہ عربی میں خطاب و خلعت ہو سکتا ہے اور تان رنج کو انگریزی میں پیش کہہ سکتے ہیں۔

حاکم بلند مرتبہ نواب گورنر جنرل بہادر نے جواب میں میرے ولی غمزدہ کو بشارتِ حمد اوا سے شاد فرمایا (موصوف) نے لکھا کہ (دو) ساریش نامہ انگلستان روانہ کر دیا گیا اس خیر مسرت اثر سے میں ایسا مسرور ہوا کہ جیسے میں پھولا نہیں سہا تھا۔

### مایہ لوکس کن جواب

چار ماہ کے بعد میرے خط کے جواب میں فروغ عثمانی، عالی شانہ طرسل کو کہ بہادر کے خانہ ملک بارگاہ لکھا ہوا، مودت نامہ موصول ہوا اس جواب نے امید وادی اور کز و شادی کی مدت کو اور بڑھا دیا۔

میں چاہتا ہوں کہ اگر ہندوستان کا نظم و نسق و قدر میں تباہی ہو جائے اور تان و ترس اور ناظر سے سپاہیوں کے ہاتھوں ہمتیں، خاڑج و کثیر (نگلستان انگلستان سے ایسا فرمان صادر ہوتا جس سے مراد یہی ہو جاتی تھیں اور میری آنکھیں اور میرا دل دونوں ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے

اب وہ مبارک غلطو پر میری پرچوش آرزوؤں کی فہرست میں اور میرے ہوش و خرد کے بازو کا فتویٰ: —  
میرے پاس میں۔ اور جگر کے چند ٹکڑے، جو جوشِ گرت میں آنکھوں سے چپکے ہیں، بکھر فراسٹی و خون فشانی کے نشان کے  
طور پر میرے دماغ میں ہیں۔

نِ کشتہ زخمِ ناوک و شمشیرِ

نِ خستہ ناعنِ پتنگ و مشیرِ

لبِ می گزم و خونِ بربانِ می لیسِ

خونِ می خورم و ز زنگانیِ سیرِ

میں شہسوار کا زخمی نہیں ہوں۔ نہ پتنگ

و مشیر نے کچھ مجروح کیا ہے۔ میں بڑے غم میں

اپنے ہونٹ کا پتلا ہوں اور لبان کو خون آسودہ

کرتا ہوں۔ خدینے و جگر، صحتاً صحتاً اور زندگی

سے بہتر ہوں۔

## مرزا یوسف کے گھر کی تارا جی

متبرک الہیوس تاریخ کو بدھ کے روز شہر کی فتح اور نگی کا دواڑہ بند کرنے کے ستر برس دن لوگ خبر  
لائے کہ لوٹ کر رہنے والے بھائی کے گھر پر چڑھ دوڑے۔ نگی اور گھر میں لوٹ مار کی ادویات مرزا یوسف خان اور  
دونوں بڑھیا بڑھوں کو زندہ چھوڑ دیا۔ اس بھاگل میں دو چند کہیں سے آکر گھر میں چناہ گزین ہو گئے۔ بوڑھے  
دوبان اور بڑھیا کنیز اماں، دونوں نے ان جہنم وں کی مدد سے کھانے پینے کا انتظام کرنے کی کوشش میں کوئی کسر  
نہیں اٹھا رکھی۔

دارخ ہو کہ اس پکڑ و حکو اور قیامت کے عالم میں جس طرح ہر کوچے اور بازار میں اس مصیبت کی صورت  
یکساں نہیں ہے۔ اسی طرح فکر کرنے اور لوٹ مار میں ہر سب سپاہیوں کا انداز ایک نہیں ہے۔ اگر کوئی سپاہی ادرم کرتا  
ہے یا دوسرا سختی کرتا ہے تو وہ ذاتی رحم و دل سنگدلی کا نتیجہ ہے۔

## انگریزی سپاہیوں کی معقولیت اور امن پسندی کا اعتراف

میں جانتا ہوں کہ اس بلخار میں حکم ہے کہ جو شخص اظہارِ اطاعت کرنے اس کو قتل نہ کیا جائے۔ سال چھین  
لیا جائے اور جو شخص مقابلہ کرے مال کے ساتھ ساتھ اس کی زندگی بھی چھین لی جائے۔ مقتولین کے متعلق یہ خیال ہے  
کہ انہوں نے یقیناً اطاعت نہیں کی۔ اس وجہ سے ان کو قتل کر دیا گیا۔ مشہور بھی یہی ہے کہ عموماً سامانِ لوٹ پیتے ہیں  
قتل نہیں کرتے۔ بہت کم ایسا ہوا ہے اور وہ بھی صرف دو تین کو چوں میں کہ پہلے قتل کر دیا، پھر سامانِ لوٹ لیا۔

الہیت، ایڈیٹور، محو توفیق اور بھوں کا قتل روا نہیں رکھا ہے۔

اس مقام پر پہنچ کر توسیٰ خامد رک گیا۔ اب میں ایک چلہ در آواز بلند کروں کہ مسٹر قلم قدم آگے بڑھئے۔ اسے انصاف کی تعریف کرنے والے اور ظلم کو برا کہنے والے حق پر مسٹر اگر ظلم کی مذمت اور انصاف کی تعریف میں تباہی زبان اور تباہ اول ایک ہے تو خدا کے واسطے ہندوستانیوں کا مڑھل پاؤ کرو اس کے بغیر کہ پہلے سے دشمنی کی کوئی بنیاد اور صداقت کا کوئی سبب ہو یا ان ہندوستانیوں نے اپنے آقاؤں کے مقابلے میں تلوار اٹھائی ہے چارے عورتوں اور گھوڑے ہیں کھینچتے ہوئے بچوں کو قتل کیا (جاواں کہ) سب جانتے ہیں کہ اپنے آقا کے بے وفائی کرنا گناہ ہے (اس کے مقابلے میں) ان انگریزوں کو نہ بخیر کہ جب دشمنی کا بدلہ لینے کے لئے لڑتے تھے اور گناہ گاروں کو سزا دینے کے لئے لشکر آراستہ کیا ہے بچوں کو اور دشمنوں کو۔ یہ بھی بری ہے تو موقع تو اس کا تھا کہ شہر پر قابض ہونے کے بعد کتے کی دھک کو لڑنا نہ چھوڑتے۔ انیس انہوں نے غلبہ کیا۔ اگرچہ ان کے سینے میں غصے کی آگ بھڑک رہی تھی، عورتوں اور بچوں کو ذرا نہیں ستایا۔ جو گھر بار اور جان مال محفوظ رہے کی ذمہ داری نہیں لی گئی ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ بے گناہوں اور گناہ گاروں میں امتیاز نہ رہے، جن لوگوں کو باز پرس کے لئے بلایا گیا ہے۔ ان کے سوا اور کس کو حاضر ہونے کی اجازت نہیں دی ہے۔

شہر کے بیشتر لوگوں کو باہر نکل دیا ہے، کچھ لوگ بدستور امید و بیم میں گرفتار مشہر کے اندر موجود ہیں، جو لوگ مشہر سے نکل کر (ویرانوں اور گوشوں میں مقیم ہوئے ہیں۔ ان کے بارے میں ابھی کوئی نظم (صاحب) نہیں ہوا، چونکہ مشہر سے باہر نکل گئے ہیں، یا جو شہر کے اندر جنگلے پریشانی ہیں، ان کے در کا کوئی مددوا نہیں ہے، کاش (شہر کے) اندر رہنے والے اور شہر کے، باہر لیجئے اسے ایک دوسرے کی زندگی و موت سے واقف ہوتے کہ بے تامل و پریشانی عبتوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ جو جس جگہ ہے پریشان ہے، شہر کے اندر رہنے والے مجبور لوگ ہوں یا باہر کے پریشان حال۔ سب کے دل درد سے بھرے ہوئے ہیں اور سب قبل عام کے خوف سے ہراساں ہیں۔

### کرنل براؤن کے ساتھ پیشی

ہرکتور کو پیر کا مصیبت آفریں دن (تھا) اور پیر کے وقت اچانک چن گھوڑے اس ویلہ پر چڑھ گئے، جو بڑا کردہ درد اسے سے مل چوٹی ہے۔ (وہاں سے ٹیک بچت پر اور چیت سے کہ درگاہ میں آگئے۔ راجہ نرندر سنگھ کے سپاہیوں کا روکا، کچھ مفید نہیں ہوا انہیں روک سکے، دوسرے چھوٹے چھوٹے مکانات کو نظر انداز کر کے راجہ (الحرف میں گھر میں آگئے۔ ان گوروں نے) بھل جنس سے سالن کو ہاتھ نہیں لگایا۔ مجھ کو ان دونوں بچوں کو تین ملازمین اور چند ٹیک کردار پر دسیوں کے ساتھ گلی سے دو فرلانگ سے کچھ فاصلے پر حقیقت پسند وشل و کرنل۔ براؤن کے پاس لے گئے جو چوک سے اس طرف قطب الدین سوار کی حویلی میں مقیم ہے، و کرنل براؤن نے، مجھ سے بہت نرمی اور امانیت سے بات چیت کی۔ مجھ سے نام اور دوسروں سے پیشہ پر پچا خوش اسلوبی کے ساتھ اس وقت رخصت کرو یا میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اس خوش افلاق کرنل براؤن کی تعریف کی اور چلا آیا۔

## ۷ اکتوبر

برکت پیر کو شام کے وقت پہنچ کر آواز لے (قوت) اسامہ کو نواں۔ اور آگے کو خرقہ حیرت کر دیا میں سوچنے لگا کہ (نقشبہ گور خرمیہ) کے آنے پر سترہ توپوں کی سلامتی دی جاتی ہے اور نواب گورنر جنرل بہادر کے آنے پر انیس توپوں کی۔ انیس توپوں کی ہوش افزا سلامتی کی کیا وجہ ہے۔ دوسرے دن بھی قاسم ناوا اقصیت میں کوئی آگئی ہوئی نہ معلوم کتنا میں کچھ اٹھا ہوا میرا خیال ہے کہ ملک کے پست و بلند کو ہم وار کرنے والے (انگریزوں) کو کس دوسری جگہ ہائیں پر فتح حاصل ہوئی ہے۔

داخل رہے کہ ابھی ہائیں کے بہت سے گروہ بریل، فریخ آباد اور نکھن میں جگہ جگہ شورش پھیلائے اور۔۔۔ یہ فائدہ مقابلہ کرنے میں مصروف ہیں، اور ان کے دل کہ قمار کے خون ہو جائیں اور ان کے ہاتھ کہ خاک کے بے کار ہو جائیں، اسی حکم (شرعی) کے لئے نکلے ہوئے ہیں۔

## میواتیوں کی شورش

اوسر سوئہ اور نژد کے علاقے میں میواتیوں نے بے طرح شورش پھیلا رکھی ہے، جیسے دیوانے زنجیروں سے آزاد ہو گئے ہوں۔ سترام نامی ایک شورش پسند کچھ دن تک دیوانی میں ہنگامہ آوار رہا۔ پھر شیدان کی یہ خانی سے میواتیا سے مل گیا۔ یہ گروہ میواتیوں اور پہاڑیوں میں (انگڑش) خاکوں سے برسرِ جنگ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی سرزمین پر ہر طرف تیز آنکڑیوں اور فتنے ہوئی آگ کے جنگ سے بھری۔۔۔

ان فتنہ انگیز حالات میں میں کا آقا زادہ نہیں ہے لہذا میں کا انجام معلوم نہیں ہے، رونے کے علاوہ کچھ دیکھا ہو تو آنکھوں کے رونے خاک سے بھر جائیں۔ دونوں سپاہ (بدھیمی) کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں جس کے متعلق کہوں کہ آنکھوں نے اس کو دیکھا۔ اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ دونوں سپاہ بدھیمی (خود) چیز ہے جس کی تکی میں کچھ دیکھا ہی نہیں جاسکتا۔

## خانہ نشین

جس دن گورے تم کو پڑنے لگے تھے، اس دن کے علاوہ چوکھٹ پر قدم رکھنا، ٹھہرتے باہر نکلنا، مٹی یا بانہ میں پلٹنا، فائدہ سے پرک کو دیکھ لینا، نصیب نہیں ہوا ہے۔ گورہ تم کو کے داخل و در (ظاہری گنہگار) نے میری ہی زبان میں کہا ہے۔

ندامت کی گیتی چساں میسرود

چہ نیک وچہ بد در جہاں میرو

میں نہیں جانتا صورت دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔

کیا اچھا دن ہو رہا ہے صلیبا بڑاوند۔

ان لالچ خنوں اور مریم بیزار زخموں کے ہوتے ہوئے تو، کھوکھو کو یہ سوچنا چاہئے کہ میں مر چکا ہوں۔ مجھ کو باز پرس کے لئے اسٹاپ کیا گیا اور جڑ سے اعلان بد کے بیچے میں دوڑنے کے کٹوں میں لٹکا دیا گیا ہے۔ جیو، اس قید میں بے چارگی و پریشانی کے ساتھ ہمیشہ جینا پڑے گا۔

آہ مر بادشاہیں امروز میں فروای میں

مجھ پر جو کچھ آج گذر رہا ہے، انگریزوں

میں میں گذری، دھڑ، احمد و صلیبا ہو گا، -

### کیفیت روزِ ناچہ شماری

اس کتاب میں شروع سے آخر تک بیان حالت کا ذکر ہے ہر کچھ پر گور ہے میں وہاں واقعات کا ذکر ابھرنا سنے میں آئے ہیں۔ میں نے جو شہیدہ حالت دیکھے ہیں ان کوئی بے خیال ذکر ہے کہ میں نے بھڑکنا نہیں، ہوں گی کچھ کم کر کے۔ انکو ہوں گی میں دلاؤ گیر سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں اور پائی میں جنت ڈھونڈتا ہوں، انکھوں بے کار ہیں، دل قید و غم میں ہے اور لب سالت ہیں۔ لوگوں کی زبانوں سے میرے کانوں کو معلومات کی بھینک ملتی ہے، کیسی بری ہے یہ گرانی! اور وہ بھی اس بے سرو پائی کے ساتھ۔

اور یہ جو بادشاہ اور شاہانِ اودوں کے انجام کے متعلق میں نے کچھ نہیں دیکھا اعلان کر لیں واقعات کو فتح شہر کی داستان کے دیباچہ کے طور پر (آئندہ ہیں) لکھنا چاہئے قلم اس کی بھی ہے وجہ ہے کہ اس قلم کے سلسلے میں میرا سارا سراپا سخن۔ ہائے شہیدہ ہیں اور انہیں بغیر سنی ہوں باتیں بہت ہیں۔ جتنا شب میں اس ہائے تنگ سے باہر نکلوں گا جو باتیں مہنگ نہیں سنی ہیں، اودھر اُدھر سے جمع کروں گا اور قہر واقف کاروں کی طرح یہ راز کی باتیں نکھوں گا۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس قلم کے پڑھنے والے (واقعات، داستان کی تقریر و بیان پر اڑنے والے افغان، اعتراض نہیں کریں گے۔

### ۱۹ اکتوبر

۱۹ اکتوبر کو میرے دن نے جس کا نام پستے کے رجسٹر سے کاٹ دینا چاہئے آتش فشاں اڑنے کی طرح دنیا کو شکل دیا۔ اس دن صبح کے وقت وہ کیف و دیدار بھائی کے مرنے کی خوشخبری لیا۔ بہت تھکا و گرم رنگارنگ لوگوں کو سوئے ہوا پانچ دن تیز ہلکے میں ہلکا رہا اور گویا رات کے قریب میں دینا سے رخصت ہو گیا پانچ دن وہاں ملتا ہی گور کی پائینٹ، چموتے، انگریز وغیرہ کا ڈاکر چھوڑ دیا۔ تازہ میں گئے جاؤں اور دمیت کو کہاں لے جاؤں۔ کس قبرستان میں سپرد خاک کروں۔ بازو میں اچھا برا کسی قسم کا پیر نہیں ملتا ہے۔ زمین کو روندنے والے مزدور گویا کسی شہر میں تھے ہی نہیں۔ جند و اپنے خدوں کو دیا انکھوں سے ہا کر جلا سکے ہیں۔ دیکھیں، مسلمانوں کی کیا حال ہے کہ وہ دیکھیں شخص ساتھ ساتھ راستے سے گزریں۔ چہ جائیکہ میت کو مشہر سے باہر لے جائیں۔

## مرزا یوسف کے کفن و دفن کا انتظام

بڑے بیوں نے میری تنہائی پر رحم کیا اور اس کام کو انجام دینے کے لئے تیار ہوئے۔ پٹیلے کے ایک سپاہی کو آگے کیا میرے دو نوکروں کو ساتھ لیا اور چل دیئے۔ میت کو غسل دیا، دو تین سفید پادریں پہن کر (گھر آئے گئے تھے۔ ان میں لپیٹا اور اس مسجد میں جو مکان کے برابر تھی زمین کھودی (قبر بنائی) میت کو اس میں رکھ دیا اور گڑھے کو پاٹ کر لوٹ آئے

دریغ آں کہ اندر درتک سرچشمت  
سردہ شاد و سی سال نا شاد و زیت  
تہ خاک با میں زخشتش نہ بود  
بجز خاک و سرخوشش نہ بود  
حنایا بریں مرده بخشایشی  
کہ تا دیدہ در زیت آسایشی  
سروشخ بدل جوئی او سرست  
روانشی بکب وید عینو فرست

(میں سوچے کہ نا شاد سالہ کی عمر میری جوتھی، تیس سال  
شاد دہا اور تیس سال نا شاد، قبر میں اس کو باقی  
خشت بھی نہ ملا، خاک کے علاوہ اور کچھ اس کی  
حسرت میں نہیں تھا۔ اے خدا اس مرتے والے  
پر رحم کر کہ اس نے زندگی میں آسام رکھ  
صور کے، نہیں دیکھی۔ اس کی حلقہ جوئی  
کے لئے کسی خوشی تھی کہ وہ میرے اور اس کی روح کو  
جہنم میں داخل کرے۔

چونکہ مرثیت میں بد قسمت شخص جس نے زندگی کے ساتھ سال خوش و ناخوش گزارے تیس سال خوش مندی  
کے ساتھ اور تیس سال بے خوش (دیوانگی) کے عالم میں۔ زمانہ خوش مندی میں غصہ ضبط کرنا اور عالم دیوانگی میں کسی کو  
تکلیف نہ پہونچانا جس کا شعار تھا، ۹۱ صفر سنہ ۱۲۷۷ھ کی شب میں مر گیا۔

زساں مرگہ ستم دیدہ میرزا یوسف  
کہ زلیستی یہاں در زخویش بیگانہ  
یکے در اجنی از من ہی پڑو ہمیش کرو  
کشیدم آہی و گفتم دریغ دیوانہ

ایک شخص نے مجھ سے ستم نصیب مرزا یوسف کی  
تاریخ و وفات پڑھی ، جس نے اس دنیا میں اپنے سے  
بے گناہ ہو کر زندگی گزاری ۔ میں نے ایک آنکھ نہی  
اور کہا : درحقیقت دیوانہ !

## تاریخ وفات مرزا یوسف

داخل ہو کر تاریخ و وفات ۱۳۹۰ء درجہ حاصل ہوتے ہیں ۔ اگر ان میں سے ۱۰۰ کے ۱۹ عدد نکال دیئے جائیں تو ۱۲۰  
(بجری) رہتے ہیں جو مطلوب ہیں ۔

اسام آگہ ہذا مشن درخورد اوست

بہر جہا سرسترد و آرد در اوست

اسی خدا کے نام جس کے حضور میرے معذرتے کرنا  
میں مناسب ہے ۔ قسم جہاوت سر جہا کاؤنگے اس  
کا آستانہ ہو گا ۔

## فرمانِ روائے لوبارو کی تباہی

جس ہذا انگریزی فریٹ سے شہر کو فتح کیا ، اس چھٹے نامور ابنِ دانش انداز احمد علی احمد خان بہادر احمد ضیاء الدین خان  
بہادر نے غلط و غلط کی خاطر اور امید بہتری پر شہر چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا ۔ یہاں یہی کہیں کے علاوہ تین ہاتھی اور چالیس گھوڑے  
ساتھ تھے ۔ پر گئے لوبارو کا رخ کیا جو ان کی آہاں جا گئے ۔ پہلے مہرول گئے اور اس گورستان پر انہیں مقبرہ میں قیام کیا۔  
دو تین روز گرام کی ۔ اس دوران میں میرے سپاہیوں نے قیام گاہ کو گھیر لیا جو پکڑے پہنچے ہوئے تھے ، ان کے علاوہ سارا  
سلاخ و چھین مایا اور چلے گئے ۔ البتہ تینوں ہاتھی جن کو فادرا اور خیر خواہ چھری اس رشتہ کے شروع ہوتے ہیں شکل لے گئے  
تھے ۔ جہاں و نقصان کے نشان کی حیثیت سے باقی رہ گئے جیسے تین پہلے ہرنے مرنے ہوں ۔

وہ لوگ ، لوٹ مار کی مصیبت اٹھا کر اس بے سرو سامانی کے ساتھ جس کو تم اچھی طرح سمجھ سکتے ہو یا راستہ :  
دو جہا کی طرف روانہ ہو گئے (دو جہا کے) نامور اور شک کردار (فرمانِ روا) احسن علی خان بہادر نے ازراہ انسانیت و فیاضی۔  
دین کا ، استقبالی کیا ۔ یہ کہ کر کہ "میرا گھر بھی آپ ہی آگھر ہے" ان سب کو روانہ لے گئے۔

فقہ محترم سردار خوش فہمی (حسن علی خان) نے اپنے ہم سرا ہمسازوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو شاہِ ایران نے  
ملاؤں کے ساتھ کیا تھا صاحب کشن بہادر نے (ان حالات) سے واقف ہو کر اپنے پاس بلا لیا اور لوگ اٹھ رہے آئے اور  
حاکم ۔ یہ مذاقات کی ۔ (صاحب کشن) اسے کچھ دیر طے و ششہ کی (ایکین) جب حرم جواب سنا تو پھر کچھ نہیں کہا۔ قلعہ  
کے اندر ایہی خان سامانی کے پہلو میں بٹھرنے کا حکم دیا۔



تسلیم کلام کی رحمت کی وجہ سے میں اس خاندان کی تباہی کی داستان نہیں لکھ سکا۔ یوں سمجھ کر بہرہ رلی میں ان لوگوں کو ٹوٹا گیا اور دہلی میں ان کے مکانات جو مکانوں سے خالی تھے، غارت گری ہوئے، جو سامان و لوگ وہاں رہ رہے، اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ لوٹ مار کرنے والوں کے حلقے میں آیا۔ جس متعلقین زندہ دو جاں پہنچے اور جو سامان وہاں ملکات میں تھا، سب لٹ گیا۔ جس اینٹیں بچ رہی رہ گئیں، وہ سیم و زر محفوظ رہا، نہ لہاس و نہ ستر کا ایک تار بچا۔ خدا (ان) سے گناہوں پر رحم کرے۔ اس آقا زادہ کا انعام بہ خیر ہو، اور ان کو معصیت کے بعد آرام نصیب ہو۔

## حاکم جھجھر اور حاکم فرخ نگر کی گرفتاری

یقیناً اکتوبر کی ۷ اربار کا تھی اور ستمبر کا دن کہ یہ دونوں واقف منتران یکاں شہر میں آئے اور جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے قلعہ میں قیام کیا۔ اس واقعہ کے دو تین دن کے بعد فرخ کو حکم دیا گیا۔ فرخ گئی اور جھجھر کے حاکم کو اطلاع کو بھیج دی کہ قلعہ کے اندر ایک دیوان کے گوشے میں جس کو دیوان عام کہتے ہیں، شہر نے کے لئے، بد دی گئی اور ان کی ساری جاگیر انگریزی حکومت نے ضبط کر لی۔

۱۲ اکتوبر کو جھجھر کے دن فرخ شہر کے حاکم احمد علی خان کو اس طرح (اگر فساد کر کے) لائے جیسے عبدہر قلی خان کو لائے تھے اور قلعہ دہلی میں ایک الگ الگ جگہ ان کو ٹھہرایا گیا۔ فرخ شہر میں تیز دست تھا، کلروں، کاشنہ پتا اور شہر و قلعہ مال و اسباب لٹ گیا۔

## حاکم بہادر گڑھ اور بلب گڑھ کی گرفتاری

۱۲ ستمبر کو پیر کے دن داوری اور بہادر گڑھ کے حاکم بہادر جنگ خان گرفتار ہو کر آگئے اور قلعہ میں جہاں ٹھہرایا گیا شہر نے۔ ۱۷ ستمبر کو سچر کے دن راجہ بابر سنگھ حاکم بلب گڑھ کے آہانے سے قلعہ میں جو سردار مختلف مقامات پر ایک دوسرے سے دو مقام تھے، ان میں ایک کا اور اغاڑ ہوا۔

داخلی جو کہ دہلی کی اجنبی کے ماتحت جو جاگیریں ہیں وہ شمار میں چھٹے کے دنوں سے کم یا زیادہ نہیں ہیں (دہلی کے ماتحت سات جاگیریں ہیں) ابھی بہادر گڑھ، بلب گڑھ، نوہارو، فرخ شہر، دو جانا، پانڈوی، ان میں سے پانچ جاگیروں کے حاکم جیسا کہ میں نے کہا قلعہ میں موجود ہیں اور بقیہ دو جاگیر دلو پانڈوی اور دو جانا میں خوف کے تیر کاشانہ ہیں۔ دیکھو ان کی جہاں ہیں آنکھیں دیکھیں کیا وہ بچتے ہیں اور کیا انعام ہوتا ہے۔

یہ بات پوشیدہ نہیں رہے گی کہ مظفر الدولہ سیف الدین حیدر خان اور ذوالفقار الدین حیدر خان میں کالقب حسین مرزا ہے، اس جنگ سے میں دوسرے باعزت لوگوں کی طرح بڑی کمزوری کے ساتھ شہر سے باہر چلے گئے۔ قبضہ سامان سے بھرے ہوئے گھر چھوڑ دیے اور سرائیدی اختیار کی۔ ان لوگوں کے کئی مکانات، محل اور دیوان ہیں باہم مستقل۔ اتنے وسیع کہ اگر وہاں مکانات و دیوان کی زمین کی پیمائش کی جائے تو شہر نہ میں، ایک گاؤں کے برابر توڑا رہے ہو گا۔ بقیہ شہر سے بڑے محل اس عالم میں کہ میں کوئی آدمی تھا ہی نہیں لوٹ مار کرنے والوں کے ہاتھوں (صاف) اور

دیران ہو گئے۔

کچھ کم قیمت لیکن بھاری سامان جیسے انوار کے پردے، اسٹائیل مشینیں اور دوسرا فرش ان قیام گاہوں میں باقی رہ گیا تھا، اچانک ایک رات، جس کی صبح کو راجہ ناہر سنگھ گرفتار ہوئے، اس مکان میں آگ لگ گئی۔ پٹیلی اسٹیل، لکڑی، پتھر دیواریں سب جل گئیں۔ یہ عمارت مکان سے جا ہی مغرب اتنی قریب ہے کہ میں آدھ رات کو بھڑک جاتی تھی۔ آگ کی روشنی صحت پر سے دیکھ رہا تھا اور دھوئیں کی گرم میوے چھوئے اور آنکھوں تک پہنچ رہی تھی۔ کیوں کہ اس وقت بھگیاؤ چل رہا تھا اس آگ میرے اوپر آ رہی تھی۔ ہاں پتھر دھوئیں کے گھر سے بلند ہوتے دالے، نئے سوغات کی حیثیت رکھتے ہیں، پھر پتھر دھوئیں کے گھر کی آگ راکھ کیوں نہ برساتے۔

## شاہ زادوں کی سرگزشت

راجم حالت کے قلم کی جنبش دامن واقعہ کے اثر سے جو نیم سرورہ چوینشی کی رفتار کے برابر ہے (سست ہے) (صغیر کاغذ پر) اس حالت کی کیا عکاسی کر سکتی ہے کہ شاہیں اس کو دیکھ سکیں، شاہ زادوں کے متعلق اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کہہ سکتا کہ بعض کو گوئی مار دی گئی، اس طرح ہمارے آڑو ہے۔ نے اس کو نکل لیا۔ کچھ کی گردن میرے پاس کا پھندا ڈال دیا گیا اس طرح اسے وار کی کشاکش مکان کی روح ٹھسٹ کر رہ گئی۔ چند افسردہ دل قید خانے میں ہیں اور بعض دُعا مانگتے ہیں، آوارہ و پریشان پھر رہے ہیں۔ کمزور و ضعیف بادشاہ پر مقدمہ چل رہا ہے۔

## جاگیرداروں کا قتل

جھنڈ پٹنہ اور فرنگ تھیکے جاگیرداروں کو علیحدہ علیحدہ مختلف دونوں میں پھانسی دینا لگا دیا گیا اس صورت میں لوگوں کو ہلاک کیا کہ کوئی کہہ نہیں سکتا کہ خون بہایا گیا۔

## جنوری سنہ ۱۸۵۸ء

جنوری سنہ ۱۸۵۸ء کے آغاز میں ہندوؤں کو فرانس کا لڑی مل گیا اور (خبریں) آباد ہونے کی اجازت دے دی گئی۔ یہ لوگ (ہندو) جہاں تھے، شہر کی طرف چل پڑے۔ ظانوں پر باد مسلمانوں کے گھروں میں (خالی) پڑا رہنے کے سبب سے ہندو اس تصور آگاہ ہے کہ وہ وہاں رہیں۔ ہرگز سزاوار کی زبان سے یہ صدا آتی ہے کہ مسلمانوں کی جگہ پر خود بٹھال ہے۔

## حکیم محمد درخان کے متعلقین کی گرفتاری

خلیل بدھت، تھروں کے کچھ سے حاکم شہر کو یہ خیال ہوا ہوا کہ راجہ شہر دھت کے لوگوں کے لوگوں کا بھی مسلمان کی جگہ پر ہندو جمع ہونے کی جگہ ہے۔ کوئی تہیب نہیں کہ (ہندو) بے پردہ و گرجا سزاوار (ہندو) ہیں سے ایک وہ شخص اس مکان

میں اس پر دلی بی۔ اس خیال سے فروری کو نکل کے دن احکم تھراپتہ پانیوں کے ساتھ اس جگہ آیا اور مکھن کے مگوں کو سٹوڈیو سے ٹیک دل پٹنگٹریں کے ساتھ اپنے ہمارے گیا، اگرچہ کئی رات دن سب کو روکات میں رکھا، لیکن ہمارے مگوں کی عزت کا بھی خیال رکھا۔

## ۵ فروری

فروری کو جمعہ کے دن حکیم محمود خان، حکیم مرتضیٰ خان اور ان کے بھتیجے عبدالعظیم خاں عرف حکیم کاکے کو واپس کی اجازت مل گئی۔ ۳ فروری کو جمعہ کے دن چند دوسرے اشخاص ۱۴ فروری کو شیخ کے شین ٹھکانے اور واپس آئے، لیکن نصف سے زیادہ حواضت میں رہ گئے۔ یہ نصیبت جو پڑوس میں نازل ہوئی، اوجہ ہٹا سب کچھ میں برپا ہوا اس کی وجہ سے (مجموعہ) پیش قدمی کا دل بھی قابو میں نہیں۔ اس کے باوجود کہ اس دارگیر میں مجھ سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ ابھی تک یہ عالم ہے کہ دن بھر شکر رہتا ہوں اور رات میں آرام کی نیند نہیں سوتا ہوں۔

## قصیدہ در مدح سرعبان لارنس

فروری کے پیر شوکت جیسے میں کہ اس دن ملے سے ماہ فروری تک (جو موسم پہلو کا پہلا مہینہ ہے) اس ہی انتخاب کی رونق و روشنی پڑ جاتی ہے۔ سوچو کہ (میں) ایک محل تک پہنچنے کے لئے ایک عجیب کا سفر طے کرنا ہے۔ حاکم ہریاں سے غور شید طلعت، ستارہ شمس سرعبان لارنس صاحب جیت کشن پراد کے آنے کی خبر مشہور ہوئی، چوں کہ میرا یہ طریقہ ریل ہے کہ جو حاکم ہندوستان خصوصاً اس شہر دہلی میں آئیں، ان کی مدح میں قصیدہ لکھا جائے۔ اس بنا پر اس واقعہ و سرعبان لارنس کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھا جو تہنیت، فتح اور غیر مقدم، نو روزہ پڑ ششش تھا اور ۱۹ فروری کو جمعہ کے دن یہ ذریعہ ڈالکھ گیا۔

## ۲۰ فروری - خبر فتح لکھنؤ

۱۹ فروری کو شام کے وقت ۱۱ ویں آواز، ہنگ آہنگ توپوں کی آواز آئی اور انوار کی صبح کو شہر لکھنؤ کی فتح کی خوش خبری اس تفصیل کے ساتھ پہنچے میں آئی کہ ۱۹ فروری کو آسمان سرودی کے اختر تابندہ، سپہ سالار نامور کھنڈرا جیٹ بہادر نے سیارہ جنگ جو باغیوں اور اس طرح حملہ کیا کہ آسمان کے بپہ سالار (مسیح) نے سلامت دست و بازو کی اتنی دعامیں دس اور اس قدر تعریف کی کہ اس کے ہونٹوں میں تھلے پڑ گئے اور زبان تھک گئی۔

دنیا کو آبادی کا شہرہ اور اہل دنیا کو خوش آواز دی، آگہ اگر اور ایک ذات لوگوں (انگڑو) کی گزند و پوری ہو گئی اور پیرے اور بد ذات لوگوں کا دور دورہ وہاں بھی ختم ہو گیا پھر نہیں کیا کہ توپوں کی گرجا اور شہنائیوں کے نغمے و صرف حاصل طاقت کے شہرہ باندھے تھے۔ فتح نصیب فوج کے بہادر اس جنگ کے دوران میں شہر پر قابض نہیں ہوئے (بلکہ) دیہروں کی طرح دشمنوں کو قتل کرنے کے لئے دوڑ پڑے (دشمنوں کو) زخمی اور قتل کرنے کے بعد اپنے ہڈیوں کی طرف لوٹ آئے۔

## ۲۳ فروری - آمد حیف کشر

۲۳ فروری کو بڑھ کے دی ایک پھر دن چڑھ ہے

پوستان دارا آزاد سرور

آسمان جاہ راکا بندہ ماہ

مبارکے وقت میں ہائے انصاف کے سرور آزاد آسان

نصرت کے ماہ تا بندہ ۔

فریاد طاعت، فریاد میرت، ستارہ چشم چین کشر، ہلور نے اپنے توش کے سوں کے نشانات سے دہلی کی سرزمین

کو آسمان کی طرف ستارہ زار ہلور، ہلور تو پند کی (سلاسی کی) آواز نے خستہ دلوں کو سریم ہلور محبت کی بشارت دی ہے

در کاہد سشہر روان باز آمد

فرما لغزبان مشر نشان باز آمد

زنجبشاروی رخوش حل کہ روداد و بجز

گوئی کہ مکتوشاہ جہان باز آمد

حاکم شاہ نشان دیکھا، آئے کتہ خیر کے (میر)

ہیم میں، اوج واپس آگئی - مشہو میں صورت

کی ایس (سہر)، دودھ لئی ہے جیسے شہنشاہ (شاہ)

جہاد واپس آئے محرو -

## ۲۴ فروری

۲۴ فروری کو جب سینچے کا دن ختم ہوا اور رات آئی رات سے تین پیر گز لگے (اس وقت مظلوموں کے دل کا دھماکا چلنے

پر اس طرح چلا گیا کہ دیکھنے والے جے اختیار چلا آئے کہ چاند گہر میں آگیا، اسی سینچے کو حکم دودھ باش ختم ہو گیا۔ انصاف چاہنے

والے اور پریشان حال لوگوں کو دھڑلے سے کی اجازت اور خواہش مندوں کو پناہ دے دی گئی۔

## بے شمار لوگوں کو پیکارسی

اس شہر میں قید خانہ شہر سے باہر ہے اور موعات اندرون شہر ان دونوں میں بے شمار لوگوں بھر دیا گیا ہے۔ وہ

محدود مقامات میں کثرت تعداد کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آدمی میں کوئی صوابیہ پایا ہے۔ ان دونوں قید خانوں کے

جس قیدیوں کو مختلف دونوں میں پکارتی دے دی گئی ہے۔ ان کی تعداد فرشتہ موت ہی جانتا ہے شہر میں ایک جنرل سے

زادہ مسلمان نہیں پاؤ گے۔ میں بھی ان میں سے ایک ہوں جو لوگ شہر سے نکل کر چلے گئے ہیں ان میں سے کچھ لوگ اس قدر

وہ دیکھنے لگی کہ گلوہ وہ اس مریض میں وہابی کے باشندے تھے جو نہیں بہت سے تال مرتبہ لوگ شہر کے ارد گرد وہ وہ چار چار کوس پر تیلوں گلوہوں چھپوے کچھ مکانوں میں اپنے نصیب کی طرح آگھوں جو کئے ہوئے پڑے ہیں۔ اس ویرانہ نشیں گلوہ میں وہ وہ لوگ ہیں جو شہر میں، چند کے خواہی میں ہیں یا اگر تار شدہ لوگوں کے دشت میں یا غیرت خوار این پختی دار میں لوگوں کی دستارستوں میں وہابی آہلین اور میرانے پختل کے علاوہ اور کوئی (مضمون) نہیں پاؤ گے۔ حوالہ خواہیوں کر، ویرانہ جنوارہ و خواہیوں عداوت میں یہ بھی دیکھ لیں۔ یہ الحاف طلب چشم برادر اور گوش بر آواز میں کر کیا سننے اور دیکھنے میں آگے۔

36/4

[illegible]

## July 14

”الطیچ کو بد کے دن فرداں روا کے حضور سے پہل خواہش کے بارے میں یہ حکم ملا جو اگر یہ خط میں میں تحنیت کے سوا کچھ نہیں ہے اس کے گھینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے بھی سوچا کہ ایسے چار شرب حالات میں صبر و محبت اور ہر صورت میں اسطو کی کیا خواہش۔ میں تو سہلہ شکم ہوں لہذا کو تو دلی چاہئے۔ دیکھو اس حدود میں خواہش کے بارے میں کیا حکم ہے۔“

۱۸ مارچ - فتح لکھنؤ

۱۶ مارچ کو جمعہ کے دن شام کے وقت سورج کو قوا اٹانی جھٹکتے والی آواز اور پتہ سمنے کے نیچے گنبد میں گونج اٹھی جس سے سب  
سنگت خارج ہوئے اور اس شہر میں کینہ خرواہ اور گریز فوج کا سبب بنی خرواہ پھیل چکا معلوم ہوا اس شہر میں کلعہ، قسبل، دروازہ  
کو نہیں ہے۔ تقریباً پانچ کدیاں ہیں، ایک قوتہ کی دیوار اس طرف کھڑی ہے اور دوسری (۱۷) گریز دیوار کا راستہ روکے ہوئے ہوگی۔ جب

وہ کم زور درباریوں اور دن کی فروش کی اکثری سے لڑ گئی ہوگی تو بالیقہ سراسر اور بیادوں کے چلنے سے بہا سکتے ہے  
گودھار لینے جا رہا ہوں طوائفہ نعل سے جس کو بادشاہت عطا کرتا ہے، اس کو رخ کرنے کی طاقت اور شہر شوکت  
بھی عطا کرتا ہے۔ اس بلایہ شخص فرس و اندکی افروغی کرتا ہے، وہ اس کاہل ہے کہ اس کے سر پہ تے نہیں، حکومت کا  
حاکم سے لڑنا (استغناء) بہ افتدرا (اچھے آپ کی ناکامی ہے، دنیا والوں کے لئے مناسب ہے کہ جسے لوگوں کو خدا نے  
خوش نہ بنی عطا کی ہے، ان کے سامنے سر جھکا دیں اور فرسوں لوگوں کے حکم کی قبول کو خدا کے حکم کا قبول سمجھیں، جب ہم کو یہ  
معلوم ہوگا کہ فروش نہیں حکومت اور طاقت کسی کی خوشی ہوئے ہے تو پھر سرکش اندیزوں کی کہیں ہے۔ تو طوائفہ (سوی طعنے  
بات کو کیجیے اپنے اعصاب سے ادا کیا ہے سے

چہ گندہ بندہ کو گروں نیند مسترمان دا

چکند گویا کہ تن درندہ چہ گات را

غلام و آفتا، تہ حکم کے سلسلے سر منسوب چہ گاتے

گات، تو کیا کہے گا۔ گندہ چو گات کی اعات کے علاوہ

کر بھی کیا سکتی ہے۔

۳۲۲ء سے لے کر ۱۲۰۰ء کے درمیان سے بات تکلف ہی ہے کہ دنیا میں فریبوں کا بیڑہ اور فساد کا دن بھی آگیا تھا  
اور وہ فساد بھی انور و الفیض اور چار تاریخوں میں ہو تھا۔ حال شاید یہ شہر مریوں کا کہیں ہے کہ ہر کی ہر  
آئینہ نمودار سے سرست گئے ہیں نہیں آتے ہیں کوئی نہیں کہتا کہ یہ ساری ترکوں کے، ساری دکانوں گاندہ میں سے کون سا  
سلی ہے اور رات دن کے برابر ہونے کی سماعت کب آئے گی۔ اگر خیم سرگشتی میں اندک کے بادشاہ (اکتاپ) کے سڑکا  
روز ناپے تو کہ (اوش گویا اکابر سے خال نہ گیا تو کہ کچھ بدھو شہر لئے دے کہ ہو گئے اور یہ فری کہ تو کہ چندھو کی باتیں ہیں  
نہ نہیں۔ اکتاپ ہندو حمل میں قیام (قول) کو جو با نہیں ہے کہ ہزار ہا آگے اور پھیل نہ کہیں۔ اصول آفرینش ہندو نہیں ہیں۔  
اسلام تو کہ ہر گوش کے خلاف حمل نہیں کر سکتا۔

میں بدلتے نہیں، اپنے آپ آئینہ ہا ہوں بے نوم ہمارا کہ کوئی شکایت نہیں ہے۔ اپنی بدعتی کا شہرہ کہ ہا ہوں۔

بہان اذ کل و لا پڑوی و رنگ

من و گوسٹہ دا سخی زرد سنگ

بہاراں من مانہ بدہرگ و ساز

در حنائے اڑیے فوائے فسر از

دنیا لامعہ کے چھوٹوں سے ونگین اور گلاب کے پھولوں

کی خوشبو سے معطر ہے۔ (ونگین، میں، ایک گونے میں)

چھوڑ دے سرو سامانے بدیہا ہوں۔ بہار کا

موسم ہے اور میں بالکل بے سرو سامان صورت و طبع

کے سبب سے حکمران کا دروازہ بند ہے۔

### روایتی محمود خان

میں دیکھا ہوں اور سوچا ہوں کہ تو اکثریت کہنے کا ہے۔ میں تو ابو نیکی، ایم واکام اگر پروا رکھوں تو نہیں دیکھوں گا اور دین کو سچے لوگوں کی خوشبو سے معطر نہیں کروں گا تو میرا میں کیا کیا آجائے گی اور ہوا سے کون تارا اے لے گا؟  
 لبریل کے سینے میں جس میں دو ٹکٹے ملائے ہیں، کے اندر ایک ٹکٹہ ملا دیا ہے، حکیم محمود خان کے ساتھ جو رنگ قید خانے میں دیا تھے اور ہا ہونگے ہر ایک نے اپنا رستہ لیا۔ وہ تازہ پروا، صاف طہارت، حکیم محمود خان (سارے دوستوں کے ساتھ) دین کے عین کو آج اور مستقبل کے ساتھ چلنے کے لیے طرف چلایا کہتے ہیں ابھی تک وہ کرپا میں قائم ہیں۔ معلوم نہیں آئندہ کے لئے کیا سوچا ہے۔

### منہج مراد آباد

مئی کے شروع میں کانوں کو یہ خبر سننے کا فخر حاصل ہوا کہ پہلو کینہ خواتین کے بہادریوں نے مراد آباد کو فتح کر لیا جو بداعترش (باغیوں) کی گونگہ تھا اور اس خبر کو انصاف سے آراستہ کرنے کے لئے عالی نسب سرپرستہ علم و دانش، نواب یوسف علی خاں بہادر کے حوالہ کر دیا۔ آج کل (نواب یوسف علی خاں) جو دنیا کو فتح کرنے اور دنیا پر حکم کرنے کے لیے ہیں، اس علاقے پر قبیل حکم کے طور پر نیاں بدائی کر رہے ہیں (اور لکھ کر) امید ہے کہ ہمیشہ فریاد روائی کرتے رہیں گے

### منہج بریل

اس کے علاوہ کہتے ہیں کہ کوہ خٹک اور آندھا شکار فریاد نے صوبہ (بریل) و مراد آباد کے (اس علاقے پر بداعترش کی فوجی کے گنہگار (باغیوں) کو اس طرح نکال باہر کیا جیسے طاقت و رعب میں خس و خاشاک کو کتا سے پرہیزگاری دیتی ہیں۔ اس صوبہ کے حال کو دیکھتے ہوئے توقع ہے کہ جو گراں جان (باغی) اور صحرانوی رہ گئے ہیں، شہروں، گاؤں میں لوگوں کو پریشان کرتے ہیں اور رات چلنے والوں کو مارتے ہیں، ان کا دور و دورہ بھی جلد ختم ہو جائے گا اور سارا ملک حاکمانی غلام (استر) کے پرچم کے زیر سایہ آجائے گا

### ۱۳ جون - احوال بہادر جنگ خان

۱۳ جون کو قزاق کے دیں شہم کے وقت حاکم شہر نے بہادر جنگ خان کو اپنے پاس بلایا جو قند میں ٹکڑے تھے، وہ ڈی امیدوں کے ساتھ گئے۔ چلی کشتی اور ایک بڑی ماہی و خوشامتر کے چھنے کی خوش خبری سن کر حکم ہوا کہ لاہور کی طرف نکلے جائیں۔ اس کے بعد ان کو ہی کی زندگی برسرِ جنگ اور صحرانوی شہر لاہور میں رہنا ہوگا۔ یہ جنگ ان حالات میں بدامنی سے گزر رہا ہے کہ وہ بہادر جنگ خان، بہادر دولت کے علم و غور سے ان کو روکا نہیں تھا اور اس کو ہی پر سرور و مفتی ہیں

## فتح گوئیاری

دن کا شہنشاہ اکھناب جس کا سر و ذات نیل سے پر گھلا ہوا ہے۔ اسی فتحِ مشرق سے ہر قدر یک نیر و بانہ میں ہوا تھا کہ  
 لاجپوں کے گھر سے ہوئے وکٹوں کی تعداد کے برابر رعد کی طرح گر چنے والی توپوں کی گولہ باندھ ہوئی (۱۹۴۷ء) قریب توپ سے مراد بیٹم  
 جس نے دوستوں کے دل کو مسرت و شادمانی کے محور کو ہوا اور آگ سے زیادہ جلانے والی اہم کی اہم کہ دشمنوں کے سر اور پیٹ سے  
 پر ڈال دی۔ گوئیاری کا شہر فتح ہو جانے پر اس جنگی تھکے کے باقی رہ جانے کی خوش خبری کا جھوڑا جگہ جگہ اور پڑاؤ کا گھبراہٹ  
 خدا کے دربار سے سرکشوں کی موت کا پروانہ لائی (اس شرفِ فخر مسرت لئے) جانکوں اور غریبوں پر دلدار کو آرزو ی کے چراغ ہیں  
 اٹھتے (آندھ میں) پوری ہو جانے کی چار ست دی۔

یہ داستانیں پوری ہیں کہ لاجپوں نے گوئیاری پر قبضہ کر لیا۔ فرطِ دولت کے گوئیاری مہاراجہ جی جیاتی ماؤ حکومت اور شہر و دیہی  
 کو کچھ لڑکا گئے چلے گئے اور انگریزوں سے مدد چاہی (انگریزوں سے مدد ملنے کی توقع کے کراپٹے وطن کی طرف گئے اور فتح حاصل  
 کر لیا نہیں)۔ بہانہ ہر طرف سے گوئیاری کا رخ کیا اتحاد میں دوسرے حکومت غائب ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لگوں  
 کا انجام یہ ہو گا کہ بد حال و فخر ہو گا کے ساتھ دھڑلہ دھڑلہ لڑکے پھریں گے اور آخر کار جگہ جگہ ذلت و غلامی کے ساتھ ملے  
 جائیں گے۔ اس کے محرابوں پر گھوڑوں کو بے آب و گیاہ میدان میں بھیج دیا اور اس کے ساتھ اس کے ساتھ سالوں کو  
 غم و غما میں بکھرا ہوا پائے گئے۔ پھر چند دستوں نے غلامانہ غم و غم سے اپنا پاک ہو جانے کا جھگڑا کی طرح سرسبز ہو گا  
 اور ہر گز ہزاروں کی طرح پروردہ فکر آئے گی۔

راجم انور کی زندگی کے ترکے سال گزر چکے ہیں۔ ان طرح طرح کے روج زمانوں کے سبب سے ظاہر ہے کہ  
 اب زمانے سے اور زیادہ فرصت اس کی توقع بجا ہے۔ مجدد اس کے گھر میں رہتا ہے اور اس کے اشعار کو دہرات ہیں اور  
 اور جس طرح ایک غم غیب دوسرے غم زدہ شخص کے شگفتہ حاصل کر رہے ہے۔ ان اشعار کو پڑھ کر اگر دل کو خوش نہیں کر سکتے ہیں  
 تو کم سے کم تھک دینے و غم سے آزاد تو کر دیں گی۔

درمیان کرنی عالمی روزگار

بروید غن و بشت گد فوہار

بہن تیر و دریاہ دار و دی بہشت

بیاید کہ ما خاک با شیم و نشست

انصوحی اعلیٰ سے بغیر زاحی و دنیا میں باوہا ہمارے

انہیں کی اور پہلوئے تھکے گئے۔ تیر و دیہ اور ان بہشت

کے پہلے بار بار انہیں گئے۔ جیہ کہ ہم (جہر میں) خاک

صحرے کے حودے گئے۔

لی الحقیقت ہی بات کو چھپانا اچھے لوگوں کا طریقہ نہیں ہے۔ ریاضی سلمان مغربی پانچویں کے آزار میں اور دنیا ہی



دھواں کے بجائے جہاز۔ سڑک سے رات میں صرف دھواں شرب پینے کا علاج تھی۔ دھواں شرب نہیں تھی تو نیکو نہیں تھی۔ آج کل جب کہ انگریزی شرب شرب سے بہت اچھی ہے اور میں اہل نفس ہوں۔ اگر خدا دوست، خدا محسوس، یا فاضل، یا مہربان، یا بیش بد اس، وہی شرب تھو جو رنگ میں دھواں شرب کے برابر اور بڑی اس سے زیادہ کر ہے، مجھے کرا سکر دل کو سروسز کرتے تھیں اور وہیں رہتا اسی عالم بگر تھوگی میں رہتا آتا۔

اذا ویر دلم وایه زهسرویه مجت

ماز پادشاہ تاب پکڑو سا فرمایا جیت

فریادِ بی بی دایمِ خنجرِ بزمِ

آلہ کی برسی خود سکندریہ میں ہوئی۔

فریاد سے روئے چاہتا تھا کہ کسی طرح میری آرزو پوری

عروج کے ذریعہ مقرر گاہ، شرابے تاپ کے ایک دو

سازمیں جائیں۔ وائس منسٹریوں واس نے بھی کو

وہ آتے لوہا تے مچھلی ویاسیوں کی سگڑ پڑے اپنے

لئے ڈھونڈا تھا جس شخص (میش داس) نے (شریوں) مسلمانوں کی آباد کاری کے متعلق کوئی کمر  
نہیں لگایا۔ چونکہ خدا کی مرضی نہیں تھی کہ کوشش کارگر نہیں ہوتی سب جانتے ہیں کہ (شریوں) ہندوؤں کا آبادی کے ساتھ  
دہ بھڑوان حاکموں کی محبت اور میرانی کا نتیجہ ہے۔ ہر حال اس کی پہنچ ہی غلط (میش داس) کا اس اختتام میں داخل رہا ہے۔  
تو فکر فروش غیب شخص ہے۔ لوگوں کے ساتھ مل کر رہا ہے۔ زندگی میث و سرت کے ساتھ گزارتا ہے۔ اگر یہ مجھ سے بہتر  
پرانی مسلمان نہیں ہے۔ اتفاقاً کسی ناکات اور اسے سوت ہو جائی ہے اور کسی کوئی کوئی تھوڑی سی دیکھ کر سوت کرتا ہے۔

## ہندو شاگردوں اور دوستوں کی امداد کا اعتراف

میرے دوسرے متعلقین اور شاگردوں میں سے ہر ایک کو، جو ایک ایک نام نوجوان، اور تعلقات کا بہت خیالی رکھنے والا ہے، ہر پہلو کا مطالعہ اور ہر اہم غلط کرتا ہے۔ اس نطفہ آباؤ نطفہ ویران شہر کے لوگوں میں سے علانیہ شہوانی دماغ میں، ہر ایک شخص مند نوجوان ہے اور ہر ایک کی طرح حریف ہے۔ لیکن دلوش خرم نہ کہہ سکتا کہ کچھ چھوڑتا ہے نو نوجوانی اور گارڈز کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا دلہاں کنڈیرا ایک پرہیزگار دلوش خرم نوجوان ہے اپنے والد کی طرح قریبی حکم میں مستعد اور اہم گیاروں میں بیٹا ہے۔

دور دور کے دوست ہیں۔ ایک دوست (کلمہ) محبت کے بلو کمال شہزادہ ان سر جو پاں تختہ (یہی ہے) آج۔ میرے پرانے موش و مہم ہیں اور اس بنا پر کہ مجھ کو اپنا استاد کہتے ہیں، ان کا کلام ساری غزلوں و غزلیوں کے ساتھ میرے لئے مرزا تار ہے۔ شکر کہ میریت اچھے آدمی ہیں۔ میری محبت و اخلاص۔ شاعری سے لے کر زندگی و آخرت حاصل ہے اور

اور ان کے دم سے شاعری کے ہنگامے گرم رہتے ہیں۔ انجائے محبت سے میں نے ان کو اپنا بندہ مدح کر لیا ہے اور عزت و  
 مقام دیا ہے۔ انہوں نے میرٹھ سے ایک ہفتی میر کے پاس بھی بیٹھ کر دل و خط پر بار لکھتے رہتے ہیں۔  
 یہ باتیں جس کا کتنا لازمی نہیں تھا، صرف اس لئے لکھی کہ ان لوگوں کی نیا حق اور محبت کا شکریہ ادا ہو جائے نیز اس لئے ان  
 انکیں کہ وہ یہ دوستانہ دوستی کے ہاتھوں میں آئے تو وہ کھلیں کہ شہر سلاہوں سے خالی ہے۔ راتوں کو ان لوگوں کے گھر  
 چلے آئے علوم رہتے ہیں اور دن میں دیوانوں کے روزی و عمرتیں سے۔ غالب جس کے شہر میں بیٹھ کر دوست تھے،  
 ہر گھر میں شہر سلاہ وقت کار موجود تھے۔ اس تہائی میں حکم کے موافق اس کا اہم زبان اور (اپنے) سایہ کے علاوہ کوئی  
 ساتھی نہیں ہے نہ

انکوں صنم کہ رنگ بر و بزم پیر رسد

تاریخ بخون دیوہ نشویم ہزار بار

دو چکر کم زور و درینے است ۳۰۰۰۰

دو سترم ز غار دہ غار است پو دو تار

ابا میں ہے چہ بہ بھروسہ وقت تک آپ و رنگ نہیں آتا

۳۰۰۰ چہ تک کہ ہزار بار شک خون سے چہ بہ کو ستر

نہ کروت۔ یہ بہ جسم میں ضم و ماضو حیاں و

حک بن گئے ہیں اور میں بہ ستر کا تانا یا نا صلا نہ کو

سے (تساو ہوا) ہے۔

## گھر کی تباہی

اگر شہر میں یہ چاندن شخص نہ ہوتے تو کوئی شخص میری بے کسی کا گواہ بھی نہ ہوتا۔ اگر دشمنوں کا ہر دھک  
 آتا ہے کہ اس کوٹ میں جب کہ شہر کے کسی گھر میں بھی نہیں آئی، اگر چہ اگر کوٹ مار گئے تو اس کی دہانہ دہانہ سے  
 محفوظ رہا لیکن اس قسم کا سکتا ہوں کہ بستر پر پڑتے کے کپڑوں کے علاوہ گھر کے کسی چیز پر اس مقدور شہر کا احاطہ اور  
 اس دہانہ کا قیام کی حقیقت یہ ہے کہ جس وقت کالوں (دھانوں) نے شہر پر قبضہ کیا تو ان کے ہاتھ سے کچھ بقیہ قوت میں  
 زور و جبر ہو کہ تھاغیر کوٹ کے کالے صاحب پر زور کے بدلے بھی دیا۔ وہاں نہ خانے میں محفوظ کر دیا گیا اور نہ وہاں سے  
 پات دیا گیا۔

جب قلعہ (اٹھارہ سو) نے شہر کو فتح کیا اور سپاہیوں کو کوٹ مار کا حکم دیا، تب حکم نے یہ راز مجھ سے کہا وقت  
 نکل چکا تھا کہ وہاں تک اچالے اور (سلاہ) لائے کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔ میں خاموش ہو گیا اور دل کو بھرا لیا کہ یہ چیزیں  
 ہمارے والی ہی تھیں۔ اچھا ہو کہ میرے گھر سے نہیں گئیں۔

## منگ دستی و محبوبوری

اب یہ چودھائی کلچر ہو رہا ہے۔ قدر کم بیش جو سرکار اسٹیشنری سے (دستی قلم) اس کے لئے کا کر کے خریدیں نہیں نکلا۔ بہتر اور کم پڑے نیکار چچ کر زندگی گزار رہا ہوں۔ جو یاد مرے لوگ روٹی کھاتے ہیں۔ میں کپڑے کھاتا ہوں ڈرتا ہوں کہ جب کپڑے سب (چچ) کھا لیں گے، عالم بنگل میں بھوک سے مر جاؤں گا۔ اس قیامت میں پرانے نوکر میں سے دو تین نوکر میرے پاس سے نہیں گئے۔ ان کی میں پرورش کرنا ہے انصاف کی بات کرتے ہیں کہ کوئی آدمی کے بغیر رہ نہیں سکتا نوکر کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ اس گروہ (ملازمین) کے علاوہ دوسرے ضرورت مند جو ہمیشہ سے گھر سے کچھ تر کھ کاٹا ہوا کھانے کے علاوہ ہیں، اس بڑے وقت میں بھی اپنی مدد و خیر سداؤ (سوال) سے ہر طرح کی مدد لئے رہے ہنگام سے نرپورہ نگلیں نہ پھینکتے ہیں

اب جب کہ جسمانی نگلیوں کے دباؤ اور روحانی لذتوں کی گدافتی نے جسم و جان کو تباہ کر دیا ہے۔ ریکارڈنگ میں خیال آیا کہ اس کھلنے کو راستہ کرنے میں (جس کا ہم تقفیل ہے) کب تک شغور و ہما سکتا ہے۔ تقفیل اس کش کش کا انہماک و محنت ہے۔ ابھوک مانگتا پانی، صورت میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگا کہ یہ داستان ہمیشہ کے لئے انجام و اختتام سے محروم رہے اور پڑھنے والوں کے دلوں کو اضطراب کرے

دوسری صورت میں لایہ بات کا ظاہر ہے کہ اس ساری داستان میں اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا کہ نکلان گلی سے سر بازار ہٹکا دو آگیا اور غلام و دلا سے پر کھ ل گیا۔ پھر یہ باتیں کب تک بیان کی جا سکتی ہیں اور اپنے آپ کو (کہیں تک) اسوا کیا جا سکتا ہے۔ باقی پیشی اگر مل گئی۔ تب میں آئینہ اول (سے رنگ بزم) صاف نہیں ہونے کے عکاسی میں آئیں ہوگا، اگر نہیں ملی، اس صورت میں تیشہ پتھر سے چور چور ہو جائے گا اور اپنی تقفیل ہے اور سب سے زیادہ محبوب بات یہ ہے کہ وہ دونوں صورتوں میں چھوگر ہوا دلی (کتاب) دہوا میری بہت زور و زوروں کو سزاگار نہیں آتی ہے۔ قید و شہر ہے بھگنا ہوگا اور کسی دوسرے شہر میں رہتا ہوگا۔

## تفصیل و قانع دستبنو

مئی سال گزشتہ سے سے کرچولانی منہ ۸۵۸ء تک کی روداد میں نے لکھی ہے۔ یکم اگست سے قلم ہاتھ سے لکھ دیا ہے۔ کاش میری ان میں خواہشوں یعنی غائب، خلعت اور پیشی کے امرا کا حکم شہنشاہ فیروز بخت سے آجائے، میں کے متعلق میں نے اس تقریر میں لکھا ہے: میری آنکھیں اور میری دل انہیں کی طرف لگا ہوا ہے۔ وہ شہنشاہ کا چاند جس جس کے سر کا تاج ہے، آسمان جس کا تخت ہے، زمین و نظن، فریضوں لڑکھڑکھ، سحر و حشر، اسکند حشر، وہ شہنشاہ کا شہنشاہ اس بات کے لئے اس کا فکر بگڑا ہے کہ اس سکنت و تلذذ کی عزت وہ گمن۔ فریضوں رواں دواں اس کی فکر کھڑی کے خوف سے دوڑ رہا ہے۔ آجک اس خیال سے کلیں، اہل سوزی اس کی ملافتی کا سبب ہے، اگر وہ تائیں ہے تو پھر وہ کیوں ہرگز کا پھٹا رہتا ہے اور انوکھ اس اندیشے سے کہ دنیا کو منور کرنے میں اس کی ہر ہری کا احسن ہے مگر اپنی کشتی کی صفائی نہیں چاہتا ہے تو میری ہر بات خوف سے گھبراہٹ ہے

شاه حسد انداخت و نیکو و نیکو

شاه شاه شاهان و شاهان

خود مستطاب و نیکو

ز فرشتگان و پادشاهان

در نشان و نیکو که جفا داشت

نیکو که از پادشاهان و پادشاهان

همان داشت تا اندرین روزگار

سپارد بدین نامور و نیکو

ز خسرو و نیکو و نیکو

رو آورده شاه است و نیکو

خود آن نیکو که پادشاهان و پادشاهان

به نیکو که پادشاهان و پادشاهان

نیکو که پادشاهان و پادشاهان

به نیکو که پادشاهان و پادشاهان

پادشاهان و پادشاهان

و نیکو که پادشاهان و پادشاهان

نیکو که پادشاهان و پادشاهان

پادشاهان و پادشاهان

که آن نیکو که پادشاهان و پادشاهان

شود و نیکو که پادشاهان و پادشاهان

نیکو که پادشاهان و پادشاهان

به نیکو که پادشاهان و پادشاهان

نیکو که پادشاهان و پادشاهان

و نیکو که پادشاهان و پادشاهان

ز خسرو و نیکو و نیکو

مستطاب و نیکو و نیکو

به نیکو که پادشاهان و پادشاهان

در نیکو که پادشاهان و پادشاهان

ہر فرگشت بخشش خرد و در نواز

بفر تاپ و انش خرد مند ساز

بخشش شکر و بیدانش رسا

جہاں دار فرزاد و کتوریا

کز وانا پاکش نگہدار باد

در نگش درین بزم بسیار باد

و رہا

وہ مالک تیز و عقیم و علم ہے۔ وہ شہنشاہ سلطنت بخش اور بادشاہ ساز

ہے۔

صاحب دانش، فرخ طلعت اور نیک خو ہے۔ اس کا مرتبہ انصاف میں

فرخ وصال سے بلند ہے۔ جمشید کے پاس جو درخشاں علم تھا وہ اس سے اس کو  
مفاہت سے دکھاتا تھا کہ ملکہ نامور کے سپرد کر ہے۔

خسرو کی طرف سے ترنگ زبا و اس کے ساتوں نواز نے بغیر زنت اٹھائے  
ہوئے ملکہ کو بھروسہ دیا۔

وہ تخت (سلیمان) میں کوٹھا اپنے کاندھوں پر لے جاتا تھا، فرشتہ  
غیب نے ملکہ کے سامنے بطور پیش کش پیش کیا ہے۔

تم نہیں دیکھتے ہو کہ پیاراؤں میں پتھروں کے جگڑے گوہر ناز و رنگ  
برآمد ہوتے ہیں۔ سورج کو اس کے تاج کا خیال رہتا ہے۔ ورنہ اسے موتیوں  
سے کیا کام۔

اگر وہ دیکھ و کٹو، عورت نکاسے کا ارادہ کریں اور ٹٹیاں تو رکھتے بخشش  
سے یہ حالت ہوگی کہ اگر کوئی شخص ان موتیوں کو شمار کرنا چاہے گا تو شمار کرتے  
کوتھاس کی انگلیاں ٹھس جائیں گی۔

اس کی فرقت کے خوف سے جڑواؤں کے حقت دریاؤں اور پیاراؤں کو تباہ  
کر دیتا ہے۔ پیاراؤں میں اڑ جے اور دریاؤں میں نہنگ سریشک کو مر جائیگا  
اس کی شان و شوکت کا یہ علم ہے کہ پڑے پڑے بادشاہ اس کے در  
کے گلا ہیں۔

اس کی غیا بنخش اور کم بے دینے کا یہ بیغ ہے کہ یہ سورج روشن ہے  
اور بادل میں برسنے کی صلاحیت ہے۔

وہ گرم اور فیاضی سے اہل علم و دانش کو نوازیں ہیں۔ اور ان کی دلہنِ مذہبی کی رکت سے دوسرے لوگ صاحبِ خرد ہو جاتے ہیں۔  
ان کی سخاوت حیرت آفرین ہے اور ان کی عقل رسا۔ ان کا نام ملکہ عالم و کمثریہ ہے۔

خدا نے پاک ان کا شہبان رہے۔ (خدا کرے: اس خلقِ رحمت) میں اُن کا قیام دیر تک رہے۔

اگر ملکہ عالم کی بخشش سے میں کچھ حاصل کروں گا تو دنیا سے کام نہیں پاؤں گا۔

چوں نگارشِ بدیں نشانِ پیوست

تو زدم، داستانِ سخنِ خرام

غیبِ ہائے یہاں حکمت آپیہو نیچے تو میں خاموش

ہو گیا۔ میں داستانِ کہن نہیں چاہتا حود۔

مکمل ہونے کے بعد اس کتاب کا نام دستِ نبی رکھا گیا۔ (یہ کتاب) لوگوں کو دل لگائی اور ابھر اُدھر لگائی، تاکہ ہر ماہِ اہل علم و دانش کی روزِ گوشتِ کین بچھے۔ اور انشا پر واز (اذا بنو نگارش پر) شریف ہو جائیں۔ امید ہے کہ یہ جو غور و دانش (دستِ نبی) انصاف پسند لوگوں کے ہاتھوں میں گلدستہ پُر رنگ و بر ہو گا، اور شوقانِ نظرتِ لوگوں کی نگاہوں میں آتشیں گیند آہیں! یہ

ذیشان کہ ہمیشہ در روانی مائیم

سرِ شمشادِ رازِ آسمانی مائیم

لغنتِ زود سائیرِ بود نام مائیم

سازانِ ششتم بہ کارِ روانی مائیم

حسابی طبیعت جو ہمیشہ روان رہتی ہے

اس کے وجہ یہ ہے کہ ہم رازِ حلقے آسمانی

کاسرِ چشمہ ہیں۔ یہ کتابِ وحاشیوں

کا ایک حصہ ہے۔ اسے کلِ حلقے کے بعد از سے

دعویٰ ہم سازاتِ ششتم ہیں۔

## تمام شد

اسی کتاب کو بغیر ہر قسم مفید غلاف کے کوئی صاحب

بچا ہے گا اور وہ ذکرِ یہ۔ فقط۔

## قطعہ شادریخ

آہٹ ز کتاب از میرزا احسان علی بیگ مہر تخلص سلطانہ تعالیٰ  
اسکا خدمت ان غالب، مہر  
حبنا زو رستم چہ دستبنو  
نامہ خود سال خویش را نوشتاں  
یرہینا ستم چہ دستبنو

۵۷ ع ۱۸

## قطعہ شادریخ

کہنہ ام کتاب از میرزا تقی محمد سلطانہ تعالیٰ  
کتابی زو رستم غالب کو آن ڈ  
یکالہ و دل جہان کشت غالب  
نوشتہ تفسیر سال اختتامش  
ہیا ہینگو چہر دستبنو غالب

۵۸ ع ۱۸



لاہ و دانش غلط و نفع عبادت معلوم

در ویک ساغر غفلت ہے چہ دنیا و چہ دین

دیر و حیرم آئینہ تکرار تمنا

و اما ندگی شوق تراشے ہے پنا، میں

قو، اور آرا لشی حتم کا کل

یہ، اور اندیشہ ہائے دور و ویرانہ

— غالب





## غالب پنسل - غالب کیلنڈر

مکمل ہے۔ غالب پنسل بناتے دسے اور ۱۰۰ یادگار غالب ۰ نے ایک اور جہت دکھائی ہے۔ ۱۹۶۹ء کے سنے غالب کیلنڈر ہماری کتاب ہے جس پر چار رنگوں میں میرنا غالب کی نہایت جاذب نظر تصویر ہے۔ جس میں غالب کو جو ٹکڑا دکھایا گیا ہے۔ یکم مارچ کو ایک رنگ اور یک تقریب میں غالب کیلنڈر کی رسم اجرائی لندن پر فریجس کے ہمد خیر و انعام رسل کے ہاتھوں انجام پائی۔ معروف نے غالب پر انگریزی میں ایک کتاب بھی شائع کی ہے۔ اس تقریب میں سید محمد سبزی نے غالب کیلنڈر پر ایک پریکٹس نغمہ بھی پڑھا۔

مہنامہ کتاب لاہور نے بھی غالب کی ہمد خیر و انعام کے سنے میں غالب کیلنڈر کا ایسا رکیک ہے۔

شعر ہے اور اس کی آفاق گہر شہری  
مذہب و ملت، رنگ و نسل، ملک  
وینڈیائی حدود کی تفریق و امتیاز  
سے بالاتر اور سب کے لئے یکساں  
دیکھ لیتا ہے۔

## غالب ایگل فلاسک

بھٹی، غالب صدی کے سنے  
میں ۰ ایگل و نیچو م دس ۰ تیار کیے  
والی بیٹی کی ایک کہنی سنے ۰ ایسے  
خوبصورت و یکم فلاسک و شہرہ  
بنائے ہیں جس میں مرزا غالب کے  
کلام سے کچھ اشعار منتخب کر کے  
ماہر مصوعدی کی مدد سے تصویریں

بنائی گئی ہیں۔ اور میں شہرہ مرزا اور ہندی رسم الخط میں  
لکھے گئے ہیں اور ان کا انگریزی ترجمہ بھی ساتھ ہی دیا ہے  
اشعار کا انگریزی ترجمہ قرۃ العین حیدر نے کیا ہے۔ اشعار  
پر غالب کے اشعار کی جو اشعار تصویروں کے قریب لکھے  
ہے وہ رنگین ہیں۔

## غالب صدی پر ڈاک کے ٹکٹ

کراچی ۰ پاکستان نے ۱۵ فروری سنہ ۱۹۶۹ء کو مرزا  
غالب کی یاد میں دو خوشنا ٹکٹ ۱۵ پیسے اور ۵۰ پیسے  
کے جاری کئے ہیں، جنکو ڈاک اور تا رہنے اس کے ایک  
ہفتہ قبل غالب کی شخصیت اور فن پر ایک کتابچہ بھی  
شائع کیا۔

کھاتہ میں بھی غالب کی یاد میں ڈاک کے ٹکٹ کا  
اجرا عمل ہوا تھا ایک پرکشش تقریب منعقد ہوئی جس میں

مرکزی وزرا، دانشور، اداکار پارلیمینٹ نے شرکت کی،  
اور تقریب کا افتتاح بھارت کے نائب وزیر اعظم مرزا  
کیا گیا۔ اس موقع پر وزیر برائے اطلاعات و  
نشریات سید نازان سہیل نے غالب ہمد خیر و انعام  
کے شائع کرنے کی درخواست کرتے ہوئے کہا ۰ اگرچہ ملک  
کی ترقی اقتصادی خوش حال اور سیاسی استحکام کے لئے  
سائنس کی ترقی کو مرکزی حیثیت حاصل ہے لیکن اس کا ایک  
ذہن میں منتظر شاہوں اور فلسفیوں نے ہی خراہم  
کیا ہے۔ ان میں غالب کا مقام عظیم ترین  
ہے۔

بھارت میں غالب کی یادگار کے سلسلہ میں یہ  
دوسرا ٹکٹ ہے۔ اس پر غالب کی ایک مستند  
تصویر کے چہرے کے علاوہ غالب کی ہمد خیر و انعام  
ان کے خط کا پر ہے۔

## غالب تھائی لینڈ - یونائیٹڈ کنگڈم کی ایک شاہی پیش کش

کراچی - فروری ۶۹ء کے دوران اردو کے عظیم المرتبت شاعر میرزا غالب کے مددگار شی پمار کی دنیا میں رنگا رنگ تقریبات منعقد ہوئیں اور غالب کی ادبی عظمت کا اعتراف کیا گیا۔ برصغیر پاک و ہند میں بھی غالب کے منصور ریڈیو، ٹیلی ویژن اور متعدد ادبی و تہذیبی اداروں نے خراج عقیدت پیش کیا۔ غالب کی یاد میں ٹکٹ جاری ہوئے: غالب پش - اور - غالب ٹھنڈے کا اجراء میں آیا۔ لیکن ایک تھائی لوانہ یونائیٹڈ کنگڈم نے نہایت مہذبہ طرح غالب کی شاہی پیش کش کے ایک ایسا کارنامہ انجام دیا جسے جو مسروروں زندہ رہے گا۔ یہ آئینہ دل کش اور دلچسپ کارنامہ ہے جو غالب شاعر سے ہمیشہ دلوں میں عامل کیسے گا۔ بلواری رنگ کے نرم و گلدازہ شہر کی محلہ سے آگے یہ ڈائری اعلیٰ وینز کاغذ کے تقریباً ۱۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ ابتدائی صفحات میں ملک کے جہاں سال و ماہ نامہ تصور و عادات کی نقلی تصویر غالب کی ہر نقلی تقریر کا لکھنؤ، غالب پراویڈن، کی مشہور نظم اور غالب کی ایک محفل غزل کے علاوہ صادقین اور غالب کی فن عظمت پر مختصر لیکن جامع نوٹ درج کیے ہیں۔ پوری ڈائری میں صادقین کی ۱۲ تصویریں شامل ہیں، جو غالب کے ۱۲ منتخب اشعار کی نہ صرف آئینہ دار ہیں بلکہ ان میں شعر کی روح بھی ہے اور مصنف کے فن کی صداقت بھی۔

صادقین - نئے عہد کے مصنف میں ۱۱ سہ ماہی کی فکر نے آگے کے اساتذہ کے تخلیقی کرب کا اعادہ کیا ہے اور یہی سبب ہے کہ غالب ڈائری کی شہلا و نقاد میں انہوں نے غالب کے اشعار کو کمالِ فن و مہارت، حسن و رنگ کی آمیزش اور اپنی رفعتِ تخلیق سے نئے معنویت عطا کر دی ہے جو صرف انہیں کا حصہ ہے۔ ان تصاویر میں غالب کے اشعار کی فکری گہرائی بھی ہے۔ گہرائی بھی۔

ڈائری کے ہر صفحے کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور سامنے کے ہر صفحے کے آخری گوشے میں غالب کی منتخب غزلوں کے چار چار اشعار نہایت نفاست اور سلیقے سے شائع کئے ہیں۔ مجموعی طور پر غالب کی ۵۳ غزلوں کا انتخاب ڈائری میں شامل ہے۔ یہ غزلیں غالب کی زندگی اور ان کے فن کے مختلف احوال کے رنگ و اسلوب کی نمائندگی کرتی ہیں۔ اس طرح غالب کے فکری ارتقاء کا جاسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

غالب ڈائری - یونائیٹڈ کنگڈم کی بلخوف خدیوہ ایک منفرد اور شاہی پیش کش ہے، جس میں ذوق، صادقین کی فن بھیرت اور غالب کی عظمت کے شاہانہ شان ایک لازوال انداز سے کی حیثیت سے ہمیشہ زندہ رہے گی جو ملک کے یونائیٹڈ کنگڈم کے قابلِ قدر مددگار کیا ہے۔

## غالب اکادمی

دہلی۔ مہاراجہ کے صدر ڈائریکٹر  
فاکر مسیہ نے ۱۵ فروری کو رسمی  
طور پر غالب اکادمی کا افتتاح کیا  
غالب اکادمی کی افتتاحی تقریب  
میں روس، اٹلی، برطانیہ اور گولڈ  
کے ۲۵ ماہرین علوم مشرقیہ نے  
شرکت کی۔ ان کے علاوہ پاکستان  
کویت اور دوسرے ملکوں کے  
سفارتی نمائندے بھی اس تقریب میں شریک تھے

## غالب صدی

کراچی۔ ادارہ اشعار نے "غالب کی صدی کا ادب" میں  
پچاس "غالب صدی" کی اصطلاح کو دعوت دیا تھا۔ یہ  
اصطلاح بدلت کے اخبارات میں بھی مرتب ہو چکی ہے، اور  
انجمن ترقی ادب کے اخبار "صدی" نے بھی "غالب  
صدی کو سنجیدگی سے پیش کیا ہے۔ توجہ ہے کہ غالب صدی  
کی تقریبات جو ۱۵ فروری ۶۹ء سے شروع ہوئے ہیں،  
پچاس سالہ جاری رہیں گی۔

## غالب، شام ہمدرد میں

کراچی۔ غالب کی یاد میں مہاراجہ فیصل فاؤنڈیشن  
نے کراچی، لاہور اور راولپنڈی میں "شام ہمدرد" کا  
افتتاح کیا۔ راولپنڈی میں جیمز جونیئر نے، لاہور میں  
پروفیسر حمید حیدر نے، خاتم مہم بنام ڈاکٹر عیادت جونیئر  
بولانا غلام رسول میر اور حکیم محمد سعید جونیئر نے اور کراچی  
میں پروفیسر منور گوہر پوری، سید شمس الدین خان جونیئر  
فرید پوری مسلم میڈیکل کالج اور وحیدہ نسیم نے غالب  
کو خراج عقیدت پیش کیا۔

## غالب غلی ستاروں کے جبرمست میں

بہلی۔ میاں کے غلی ستاروں نے غالب کا ہمدرد  
جونیئر جونیئر جونیئر سے شایا۔ ۱۵ فروری کو کراچی  
میں بھی جشن غالب کے سلسلے میں ایک رنگارنگ پروگرام ہوا  
جس میں ویسٹ کار، راجندر گارگس، جونیئر، کالا،  
سانہ بانو، جانی داکر، محمد رفیع اور نوشاد غلی کے علاوہ کئی

اور ممتاز غلی شخصیات نے شرکت کی۔

## مشہور عربی شاعر سلطان کا غالب کو نذرانہ

کراچی۔ عربی زبان کے مشہور شاعر و عالم اور کلام  
اقبال کے معروف مترجم اسد زئی صدی سلطان نے وزیر  
پاکستان کی فرمائش پر پہلی بار عربی زبان میں ایک ہمدرد  
مقالہ تحریر فرمایا۔ جس میں غالب کی شخصیت و فن کا بھرپور  
جائزہ دیا گیا ہے اور فارسی اور اردو ادبیات میں اس کے  
مقام کا تعین کیا ہے۔ آپ نے اس مقالے میں غالب کے  
بعض اشعار کا منظوم عربی ترجمہ بھی پیش کیا۔ وزیر ہند مشہور  
عرب شاعر سے غالب کا نذرانہ بھی کیا۔

## ڈھاکہ اور چائنگام میں غالب کی یاد

کراچی۔ اطلاعات کے بموجب ڈھاکہ اور چائنگام  
میں بھی غالب صدی کے موقع پر جلسے اجتماعات ہوئے،  
اور ممتاز اہل قلم نے غالب کو خراج عقیدت پیش کیا



غالب کیسے فہم

دہلی۔ قزاقوں نے علی احمد نے انکشاف کیا ہے کہ ۲۳ فروری تک مرکز کی قلاب کیوں نے قزاق سارے آٹھ لاکھ روپے جی کر لئے ہیں جو گجرات کے اداکین کی کمینہ کی فیس اور عطیات پر مشتمل ہیں نیز معلوم ہوا ہے کہ عمارت کے لئے ۱۵ لاکھ روپے کی رقم حکومت

وامرۂ علم وادب کے تین اجلاس

گواچہ جی ہفت ضلیا والدین سید رحیل کالج میں دایک  
 علم و ادب نے غائب کی صد سالہ تقریبات پر سہ روزہ  
 اجلاس منعقد کئے جن میں محض گورنر پوری، پروفیسر  
 محمد علی، ساجد حسین، سید حسن، جمیل جاوید، عباس احمد  
 عباس، میجر این ایس وغیرہ نے غائب کی شاعری اور فن  
 پر مقالے پڑھے اور حضرت جوش ملیح آبادی رئیس امروہی  
 شان بکھن حق، سراج الدین ظفر اور ضیا وجاہت حری نے  
 اپنی شاعری کے حوالے سے بتایا کہ وہ غائب سے کس انداز  
 سے متاثر ہوئے ہیں ان تقریبات کے مزید ۱۵ جمیل اختتامے ۔

## شکاگو میں حبشہ مخالف

شہزادہ محمد اسرار خان کے خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ اس تقریب

## غالب پر وفیئر شپ

لاہور۔ پنجاب یونیورسٹی نے چند ماہ قبل، حالیہ پروفیسر شپ، کا اعلان کیا تھا۔ حالیہ اطلاع میں بتایا گیا ہے کہ اس عہدے پر پروفیسر سید وقار عظیم کو فائز کیا گیا ہے۔ توقع ہے کہ برصغیر کی دیگر یونیورسٹیاں بھی اس مثالی اقدام کی پیروی کریں گی۔ ادارہ افلاک پروفیسر سید وقار عظیم کو اس اعزاز کے لئے مبارکباد پیش کرتا ہے۔

کا اہتمام انگریزی سماج میں مغل اور شہسلا ٹیچر یونیورسٹی کے جنوبی ایجنٹوں نے کیا۔ وقت کے شہسلا کی طرف سے کیا گیا تھا۔ ابتدا میں چودھری محمد عظیم نے غیب اور مغل کی طرف سے شہسلا کے ہرم کا غیر مقدم کیا۔ اور غیب کے غیب سے اقتباسات کے ذریعے غیب کی کہانی ان جہکی زبان کی پیش کی۔ بعد ازاں فی گھر ٹرانسنگ نے۔ غیب کا مجموعہ کے عنوان سے ایک عجیب اور حجاز مصلحتات تقریر کی،

پروفیسر احمد علی کے غالب کا اطالوی ترجمہ

امتی۔ یروینگر کے مشہور ادیب پروڈیسرا احمد علی کی  
غالب پر انگریزی کتاب کا اعلیٰ ایڈیشن بھی شائع ہوا  
ہے۔ پروڈیسرا سرف کی انگریزی کتاب حال ہی میں  
اعلیٰ سے شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کی نمایاں خصوصیت  
ہے کہ پروڈیسرا احمد علی نے کتاب کے آخر میں مستند  
تعدادیں غالب کی حشرات کا نہایت عمدہ اور  
مستند ترجمہ کے ساتھ شامل کر دی ہے۔

اطلاوی زبان میں پروفیسر بوسانی کی کتاب  
بھی قابلِ پرشاد ہے۔

## غالب اور ابوالکلام

نئی دہلی۔ آغا داد اکادمی کراچی کے بہترین شائق صدیقی کی تازہ تصانیف۔ غالب اور ابوالکلام کے اجراء کی رسم و گنجائش بھون میں بابا جان غفور روف نے اراکی، بشیق صدیقی کی یہ تحقیق کتاب مکتبہ شاہراہ دہلی نے غالب صدی کے سلسلے میں شائع کی ہے۔

## ظ۔ انصاری کوڈاکسٹریٹ

ماسکو۔ اکیسویں صدی کے تاریخی تازہ محقق ظ۔ انصاری روسی زبان میں غالب کی شخصیت و فن پر تحقیق کتاب ہے۔ ٹیکٹر پر ماسکو یونیورسٹی نے ڈاکسٹریٹ کی ڈگری دے دی ہے۔ روسی زبان میں غالب پر یہ پہلی کتاب ہے اور اب تک اس کی ایک لاکھ چوبیس سو دس کاپیاں چھپی ہیں۔

سیمینار میں مقربا۔

## روس میں صد سالہ تقریبات

ماسکو۔ مرزا غالب کا جشن صد سالہ شہادت ترنگ و احتشام سے روس کے طول و عرض میں منایا گیا۔ ایک فقید انشال تقریب ۲۵ فروری کو ماسکو میں منعقد ہوئی، جس میں روسی دانشوروں کے علاوہ دوسرے ملکوں کے ادبا اور سفارتے بھی شرکت کی۔

## خانہ فرہنگ ایران کی تقریب

کراچی۔ شہنشاہ ابدان نے غالب صدی کا دسویں کلیات شائع کرنے کے لئے ایف جیپ خاص سے امداد دی ہے۔ دنیا صحت کی حکمرانی ایران کی وزارت فرہنگ و ہنر کے مسچر و صحتی صحت ہے۔

یہ انکشاف غالب صدی کی ایک تقریب ہے کیا گیا، جو پاک ایران شہنشاہ فتح انجمن کے زیر اہتمام خانہ فرہنگ ایران کراچی میں منعقد ہوئی۔

## غالب پر بین الاقوامی سیمینار

نئی دہلی۔ غالب پر صد روزہ بین الاقوامی سیمینار ۱۹ فروری سے ۱۹ فروری تک ونگوینا بھون میں منعقد ہوا۔ جس میں بھارت کے علاوہ چھ ملکوں کے اسکالروں نے شرکت فرمائی۔ اس سیمینار کا موضوع۔ غالب اور ان کا زمانہ، تقریب ہوا تھا۔ روس سے بابا جان غفور روف اور اسکاجوف، امریکہ سے ڈاکٹر ارنی میری شیل، ڈاکٹر دایفہ اور ڈاکٹر داؤد رہبر، ایران سے ہمدانیہ و صوفیہ و صوفیہ صورت گر، آئی سے پروفیسر پورسانی، برطانیہ سے پروفیسر رالف ریل تشریف لائے۔

تفصیلی عیدالودو نے سیمینار کا افتتاح کیا۔ بھارتی اسکالروں میں قاضی عیدالودو کے علاوہ مالک مام، استاد زین عرشہ، آکن احمد سرور، ڈاکٹر یوسف حسین خان، ڈاکٹر اختر اویسی، پروفیسر عیدالودو سرور، پروفیسر مسعود حسین خان، ڈاکٹر اسلوب احمد انصاری، سید صباح الدین، عبدالرحمن، ڈاکٹر فتاح الدین احمد، ڈاکٹر محمد حسن، ڈاکٹر نذیر احمد اور علی محمد اویسی نے

